دس دروس قرآن پہ مشتمل سورہ فاتحہ کی لاجواب تفسیر

الدروس العشرة في السورة الفاتحة

ترتیب و تحقیق

الحافظ القاری مولانا غلام حسن قادری
مفتی دار العلوم حزب الاحناف لاہور

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز

ولقد اٰتینک سبعا من المثانی والقرءان العظیم

دس دروس قرآن پہ مشتمل سورۃ فاتحہ کی لاجواب تفسیر

الدروس العشرة فی السورة الفاتحة

ترتیب و تحقیق

الحافظ القاری مولانا غلام حسن قادری

مفتی دار العلوم حزب الاحناف لاہور

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز

ولقد اٰتینٰک سبعا من المثانی والقرآن العظیم

الدروس العشرۃ فی

السورۃ الفاتحۃ

دس دروس قرآن پہ مشتمل سورۂ فاتحہ کی لاجواب تفسیر

ترتیب و تحقیق

الحافظ القاری مولانا غلام حسن قادری
مفتی دار العلوم حزب الاحناف لاہور

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز
۳۷۔ الحمد مارکیٹ۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار ○ لاہور

نام کتاب	——	اَلدُّرُوسُ الْعَشرہ فِی السُّوْرَۃِ الْفَاتِحَہ
مرتب	——	الحافظ القاری مولانا غلام حسن قادری مفتی دارالعلوم حزب الاحناف لاہور
پروف ریڈنگ	——	الحاج قاری اصغر علی نورانی
اوّل ایڈیشن	——	دسمبر 2006ء
طابع	——	سیّد محمد شجاعت رسول شاہ قادری
مطبع	——	اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور
کمپیوٹر کوڈ	——	1N-121
قیمت	——	135 روپے

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
انفال سنٹر اُردو بازار کراچی

مکتبہ غوثیہ ہول سیل
پرانی سبزی منڈی کراچی

احمد بک کارپوریشن
اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی

مکتبہ ضیائیہ
بوہڑ بازار راولپنڈی

اسلامک بک کارپوریشن
اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی

مکتبہ المدینہ
بوہڑ گیٹ ملتان

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز 37-الحمد مارکیٹ غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور
مکتبہ نوریہ رضویہ بغدادی جامع مسجد گلبرگ اے فیصل آباد فون: 2626046

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ چند

لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے اس ربّ کائنات کا جس نے ایک مشت خاک کو ''کافیہ'' جیسی شہرۂ آفاق اور مشہور زمانہ کتاب پر کچھ نوٹس تیار کرنے کی توفیق دی ورنہ -شعر-

کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل   نسیمِ صبح تیری مہربانی

آج سے کوئی سات سال پہلے کا واقعہ ہے، مدرسہ احیاء العلوم گوراچوکی گونڈہ میں کافیہ کا سبق اس بے مایہ اور کم سواد سے متعلق ہوا۔ اثناء درس اندازہ ہوا کہ طلبہ سبق میں کی گئی تقریر عموماً فراموش کر دیتے ہیں اس لیے ضروری نوٹس کے املاء کا معمول بنالیا۔

چند سالوں کے بعد طلبۂ عزیز کو لکھائے گئے نوٹس کی ترتیب کا شوق چرایا اور ذوقِ خودنمائی نے جیسے تیسے یہ کام مبیات تک کرا ہی لیا۔ اب طباعت کی سوجھی تو اسباب ندارد۔

اللہ جزائے خیر دے مولوی نورالدین بہرائچی صاحب (شریک دورۂ حدیث دارالعلوم دیوبند) کو کہ ان کی کاوشوں سے جناب مولانا ندیم الواجدی صاحب مدظلہ مالک مکتبہ دارالکتاب دیوبند سے رابطہ ہوا اور انھوں نے اس مشکل کام کو آسان بنانے کی حامی بھرلی پھر انھیں کے مشورہ سے پوری کتاب کے نوٹس کی تیاری کا عزم بھی ہوگیا ورنہ سچی بات یہ ہے کہ دور دور تک اس کا کوئی خیال تھا اور نہ ہی اس کام کی اہلیت۔

زیرِنظر کتاب ''کشف المطالب'' اپنی سی کوشش کا مجموعہ ہے۔ حل عبارت کی حتی المقدور سعی کی گئی ہے۔ سہولت پسندی کے اس دور میں طلبہ کی آسانی کے لیے عبارت کا ترجمہ بھی لکھ دیا گیا ہے۔

''کتاب'' جیسی بھی ہے آپ کے سامنے ہے اللہ تعالیٰ اسے قبول عام عطا فرمائے اور طلبۂ عزیز کے لیے نافع بنائے۔ معاونین اور دوستوں کو بالخصوص مولانا حفیظ اللہ صاحب بہرائچی استاذ جامعہ عربیہ کو اپنے شایانِ شان بدلہ عطا فرمائے کہ موصوف نے مسودہ کے صاف کرنے میں بڑا تعاون دیا۔

العبد

عتیق الرحمٰن قاسمی بہرائچی

استاذ جامعہ عربیہ ہتورا باندہ

۱۴۲۶/۲/۱۷ھ

﴿دعائیہ کلمات﴾

مخدوم گرامیٔ قدر حضرت الاستاذ مولانا قاری سیّد حبیب احمد صاحب ناظم جامعہ عربیہ ہتورا وجانشین عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ

''کافیہ'' نحو کی اہم ترین اور جامع کتاب ہے صدیوں سے پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے۔ فاضل مصنفؒ نے نپے تلے الفاظ میں اصول نگاری کا نازک فریضہ انجام دے کر شہرتِ دوام حاصل کی۔

کافیہ کے متن کی جامعیت نے خود اسے حل طلب بنادیا چنانچہ بہت سے طالع آزماؤں نے اسے اپنے فکر و محنت کا میدان بنایا اور شروح وحواشی کے نام سے بہت کچھ لکھا گیا بعض بڑی قابل قدر اور لائق ستائش کاوشیں منصۂ شہود پر آئیں اور تاہنوز اس کا سلسلہ جاری ہے۔

اسی سلسلے کی ایک کڑی ''کشف المطالب'' نامی یہ شرح ہے جسے عزیزم مولانا عتیق الرحمن بہرائچی نے ترتیب دیا ہے، موصوف جامعہ عربیہ ہی کے ساختہ پرداختہ ہیں، چنانچہ انھوں نے کافیہ احقر سے ہی پڑھی اور اب جامعہ کے اچھے اور باصلاحیت اساتذہ میں سے ہیں۔

زیرنظر کتاب تسہیل وتفہیم کے اعتبار سے دوسری شروح سے امید کہ ممتاز سمجھی جائے گی اور طلبہ کے حق میں قریب الی الفہم ثابت ہوگی۔

میری دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے نفع کو عام فرمائے اور عزیز مؤلف کے لیے صدقۂ جاریہ بنائے۔آمین۔

حبیب احمد باندوی

خادم جامعہ عربیہ ہتورا باندہ

۱۴۲۶/۲/۱۸ھ

انتساب

چاندنی مسجد ریگل چوک لاہور کے صاحبانِ ذوق نمازیوں کے نام
(جنہوں نے پوری دلجمعی کے ساتھ ہمہ تن گوش ہوکر سورۂ فاتحہ کے دُروس کی سماعت فرمائی) اور انتظامیہ کمیٹی کے صدر محترم پیکر خلوص و محبت جناب محمد سہیل صاحب کے والدِ گرامی چوہدری محمد طفیل صاحب مرحوم کے نام
(جن کے فرزندار جمند کی کوشش وتوجہ سے سورۂ فاتحہ کی تفسیر کتابی شکل میں منصۂ شہود پر آئی)

میاں محمد صادق صاحب مرحوم کے نام
(جن کے صاحبزادہ والا شان جواں سال وجواں بخت جناب میاں مبارک علی صاحب (داتا اسٹیٹ ایجنسی والے) کی تحریک سے کتاب کی اشاعت معرضِ وجود میں آئی)

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو میرے لیے، چاندنی مسجد کے تمام نمازیوں کیلئے، میاں مبارک علی اور محمد سہیل کیلئے نجات کا سبب بنائے اور میاں محمد صادق، چوہدری محمد طفیل، میرے والدین اور تمام اہلِ اسلام کیلئے بخشش ومغفرت اور بلندیِ درجات کا ذریعہ بنائے۔

آمین ثم آمین

بحرمۃ سید الانبیاء والمرسلین

الذی من اسماء ہٖ طٰہٰ و یٰسین

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہٖ واصحابہٖ اجمعین

--------❁--------

خطبۃ الکتاب

الحمد للّٰہ الذی انزل علیٰ عبدہ الکتاب ولم یجعل لہ عوجاo
قیما لینذر بأسا شدیدا من لدنہ ویبشر المؤمنین الذین
یعملون الصّٰلحٰت أن لہم اجرا حسناo ماکثین فیہ ابداo وینذر
الذین قالوا اتخذ اللّٰہ ولداo مالہم بہ من علم ولا لاٰبائہم ط
کبرت کلمۃ تخرج من افواہہم ط ان یقولون الا کذباo والصلوۃ
والسلام علی خیر العرب والعجم المبعوث ہدی و رحمۃ
للعالمین سیدنا محمد بن عبد اللہ النبی الامی العربی الہاشمی
القریشی العدنانی صلی اللہ علیہ وعلیٰ اٰلہ وصحبہ وسلم تسلیما
کثیرا الٰی یوم الدین (اللّٰہمّ اٰمین)
ربنا علیک توکلنا والیک انبنا و الیک المصیرo ربنا لا تجعلنا
فتنۃ للذین کفروا واغفر لنا ربنا انک انت العزیز الحکیمo

سورۃ الفاتحة

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝

''سب خوبیاں اللہ کو جو مالک سارے جہان والوں کا بہت مہربان رحمت والا روزِ جزا کا مالک ہم تجھی کو پوجیں اور تجھی سے مدد چاہیں ہم کو سیدھا راستہ چلا راستہ ان کا جن پر تو نے احسان کیا نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ بہکے ہوؤں کا''۔

پہلا درس

الحمد للہ کما ھو باسماء ہ و صفاتہ والصلوۃ والسلام علی رسولہ المصطفی بصلاتہ و اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ القاہر علی مافی ارضہ و سمٰوتہ و اشھد ان سیدنا محمدا عبدہ ورسولہ المبعوث الی جمیع مخلوقاتہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلی الہ و اصحابہ و حماتہ امابعد۔

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

فاذا قرات القران فاستعذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم۔

"پس جب تو قرآن پڑھنے لگے تو شیطان مردود (کے شر اور وسوسہ اندازیوں) سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرلیا کر"۔

استعاذہ کی حکمتیں

تلاوت کردہ الفاظ میں اشارۃً استعاذہ کی بے شمار حکمتیں بیان کردی گئی ہیں مثلاً کسی کی پناہ وہ مانگتا ہے جو خود کمزور ہو ورنہ پناہ مانگنے کی ضرورت نہیں ہے اور جس کی پناہ مانگی جارہی ہے اس کو اپنے آپ سے بھی اور جس سے بچنے کیلئے پناہ طلب کی جارہی ہے اس سے بھی طاقتور ماننا ضروری ہے۔ یہ بھی ماننا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کو بلکہ سب سے بڑے اور متفقہ غیر اللہ یعنی شیطان کو طاقت اور اختیار دے رکھا ہے اور ایسا کہ بڑے سے بڑا پرہیزگار بھی اس کے شر سے ڈر کر اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آرہا ہے، تو

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنی مخلوق کے دشمن کو اس قدر طاقت واختیار دے رکھا ہے تو اس نے اپنے محبوبوں کو کتنا اختیار اور طاقت دی ہوگی۔

شیطان کا نام اور اس کا کام:

شیطان کا نام عزازیل ہے جبکہ اس نام کا ذکر قرآن میں ایک بار بھی نہیں ہے اور لقب بار بار ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی شیطنت کی وجہ سے بارگاہ خداوندی سے مردود و لعین ہوا ہے لہذا نام سے کیا کام، اس لقب کا اثر جس جس میں پایا جائے وہ شیطان کا ساتھی ہے (اولئك حزب الشیطن) اس کی شیطنت وشرارت سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔

یہ بات بھی یادر ہے کہ شیطان برائی پر آمادہ کرتا ہے برائی کرانے پر مجبور نہیں کرتا گناہ تو انسان اپنے اختیار وارادے سے کرتا ہے، لہٰذا برائی کا محرک تو شیطان ہے مگر کاسب خود انسان ہے جبکہ ہر شی کا خالق ربّ رحمان ہے اور برائی کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا نقص اور عیب نہیں بلکہ اس کی شان کا اعلان ہے، برائیاں گنتے جاؤ اور ہر برائی اور گناہ سے اللہ کی پناہ مانگتے جاؤ کیونکہ ہر برائی کے کرنے کا خیال پیدا کرنا شیطان کا کام ہے اور ہر برائی سے روکنا اللہ کی توفیق سے ہی ہو سکتا ہے یہی مفہوم ہے لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ کا۔ ہم زنا سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔ چوری ڈاکے سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں اور ہر قسم کی نافرمانی سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

آندھی بارش معمولی ہو تو گھر میں بھی پناہ لی جاسکتی ہے اگر طوفان آجائے تو کسی قلعے میں ہی پناہ لے کر بچا جا سکتا ہے یہ شیطان کوئی بڑی مصیبت ہی ہے جس سے اللہ نے اپنی پناہ طلب کرنے کا حکم دیا ہے۔

حضور علیہ السلام کی پناہ:

بارگاہ مصطفیٰ ﷺ میں آنا خدا کی پناہ میں آنا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ

ایک شخص حضور کی بارگاہ میں آپ کے حلقے کے اندر بیٹھا تو آپ نے فرمایا اس نے اللہ کی پناہ طلب کی جو اللہ نے دے دی دوسرا ذرا پیچھے ہو کر بیٹھا تو فرمایا اس نے اللہ سے شرم محسوس کی اللہ نے اس سے حیا کی اور تیسرا واپس چلا گیا تو آپ نے فرمایا اس نے اللہ سے منہ موڑا تو اللہ نے اس سے اعراض فرمایا (صحاح ستہ) لہٰذا وہیں جا کر پناہ لو جہاں بلال کو ملی، بوذر کو ملی اور سلمان کو ملی (رضی اللہ عنہم) بلکہ اللہ کے گھر کو بھی بتوں کی نجاست سے مصطفیٰ نے پناہ دلوائی کیا خوب کہا علامہ اقبال نے:

؎ نہ کہیں جہاں میں پناہ ملی جو پناہ ملی تو کہاں ملی
میرے جرم خانہ خراب کو تیرے عفو بندہ نواز میں

اور اعلیٰ حضرت نے کہا:

؎ آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے
پھر نہ مانیں گے قیامت کو اگر مان گیا

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ عرض کرتے ہیں:

؎ یا سید السادات جئتك قاصدا
ارجوا رضاك واحتمی بحماك

حضرت نوح علیہ السلام اپنے چاہنے والوں کو بیڑے پہ بٹھا کر پناہ خدا میں لا رہے ہیں۔ حضرت ابراہیم و عیسیٰ علیہما السلام اپنے اپنے ماننے والوں کو اللہ کی پناہ میں بُلا رہے ہیں اور سارے نبی اور ساری امتی بروز قیامت مصطفیٰ کی بارگاہ میں آ کر خدا کی پناہ میں آ رہے ہیں۔ جو آج محبوب خدا کی پناہ میں آئے گا وہی کل قیامت کو خدا کی رضا اور جنت پائے گا۔ اولیاء کرام کے آستانے بھی شیطان سے بچنے کیلئے پناہ گائیں ہیں کہ جس پر شیطان کا حملہ نہیں چلتا اور اس کا اقرار اس نے خود کیا جب اللہ نے اس کو مردود بنایا۔ تو اس نے کہا:

الّا عبادك منهم المخلصين۔

سب کو گمراہ کروں گا مگر تیرے مخلص بندوں پہ میرا بس نہیں چل سکے گا۔ یہ اولیاء الرحمٰن کے آستانے شیطان کے شر سے ایمان کو بچانے کی پناہ گاہیں ہیں یہی وجہ ہے کہ جو ان کے دامن سے وابستہ نہیں ہیں وہ ضلالت کی آندھیروں میں سرگرداں پھر رہے ہیں۔ اور جس کے ہاتھوں میں کسی نہ کسی اللہ والے کا دامن ہوتا ہے وہ کسی نہ کسی طرح ایمان کو بچا ہی لیتا ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے بوقت وصال شیطان آیا اور اللہ کے ایک ہونے پر دلیل طلب کی آپ نے ایک سو دلائل دیے مگر وہ سارے کے سارے دلائل دھرے کے دھرے رہ گئے اور شیطان ہر دلیل کو توڑتا گیا۔ آخر مایوسی کے عالم میں ٹھٹھر کر رہ گئے تو آپ کے شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ کہیں دور وضو فرما رہے تھے وہیں سے انہوں نے پانی کا چلّو پھینکا اور ساتھ فرمایا: ''یوں کیوں نہیں کہتا کہ میں اللہ کو بغیر دلیل کے مانتا ہوں''۔ جب حضور کے غلاموں کی شان یہ ہے تو حضور کی بارگاہ کا مقام کیا ہوگا مگر قیامت کے دن حضور علیہ السلام اسی کو اپنی پناہ میں لیں گے جو آج ان کی بارگاہ کو پناہ گاہ مانے گا اس لئے امام اھل سنت نے ہمیں سبق دیا ہے۔

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے
پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

ٹھوکریں کھاتے پھرو گے ان کے در پر پڑ رہو
قافلہ تو اے رضا اوّل گیا آخر گیا

استعاذہ کے مسائل:

اوّلاً تو یہ بات یاد رہے کہ جمہور فقہاء کے ہاں قرأت سے پہلے استعاذہ واجب نہیں بلکہ مسنون ہے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ میں امر وجوب کیلئے نہیں بلکہ برائے استحباب ہے۔ صرف امام

رازی نے عطاء بن ابی رباح سے اس کا وجوب نقل فرمایا ہے خواہ نماز میں ہو یا نماز کے علاوہ۔

- امام ابن سیرین کے نزدیک زندگی میں اگر ایک بار بھی استعاذہ کر لیا ہے تو وجوب ختم ہو گیا۔
- بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ استعاذہ صرف حضور علیہ السلام پہ واجب تھا امت پر نہیں
- نماز میں استعاذہ صرف امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز کی سنت ہے باقی تمام فقہاء نے تلاوت کی سنت قرار دیا ہے۔ یعنی امام ابو یوسف کے نزدیک مقتدی کیلئے نماز میں بہر حال استعاذہ کرنا سنت ہے خواہ قرأت کرے یا نہ کرے۔
- دوران تلاوت اگر کسی بھی وجہ سے انقطاع ہو گیا خواہ کسی کے سلام کا جواب ہی دیا تو استعاذہ کو دھرانا چاہیے۔
- نماز میں صرف پہلی رکعت کے اندر ثنا کے بعد استعاذہ کیا جائے گا باقی ہر رکعت تسمیہ سے شروع ہو گی۔ (تفسیر مظہری آیت 98 النحل)
- استعاذہ کے الفاظ اگرچہ قرآن پاک کا حصہ نہیں لیکن قرآن پاک میں استعاذہ کرنے کا حکم دیا گیا اور استعاذہ کا شعار و قرآن اور غیر قرآن میں فارق ہے اس لیے کسی اور کتاب کو پڑھتے وقت استعاذہ کو مکروہ و ناپسندیدہ لکھا گیا ہے تا کہ اس کتاب کی قرآن کے ساتھ مشابہت کا شائبہ پیدا نہ ہو اور صرف تلاوت قرآن کے ساتھ ہی اس کو خاص رکھا گیا۔

استعاذہ کے الفاظ:

استعاذہ کے الفاظ احادیث میں اگرچہ مختلف ہیں مگر اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم سے استعاذہ کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ ان الفاظ میں قرآنی الفاظ کی موافقت پائی جاتی ہے۔ یعنی فاستعذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ دیگر الفاظ میں سے کچھ یہ ہیں:

اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم من نفخہ ونفثہ وھمزہ۔

استعیذ باللّٰہ السمیع العلیم من الشیطٰن الرجیم۔

اعوذ باللّٰہ القادر من الشیطٰن الغادر۔

اعوذ باللّٰہ القوی من الشیطٰن الغوی۔

اللّٰھم انی اعوذبك من الشیطٰن الرجیم۔

اللّٰھم اعصمنی من الشیطٰن الرجیم۔

اللّٰھم اعذنی من الشیطٰن الرجیم۔

اللّٰھم انی اعوذبك من ابلیس و جنودہٖ۔

ربنا انا نعوذبك من الشیطٰن الرجیم۔

اعوذ باللّٰہ العظیم وبوجھہ الکریم وسلطانہ القدیم من الشیطٰن الرجیم۔

اللّٰھم انی اعوذبك من الرجس النجس الخبیث المخبث الشیطٰن الرجیم۔

(علاوہ ازیں الفاظ سے بھی استعاذہ کیا گیا ہے)

(کشف النظر فی کتاب النشر فی القرأت العشر للمحقق ابی الخیر محمد بن محمد الدمشقی الشھیر بابن الجوزی المتوفّٰی ۸۳۳ھ)

استعاذہ کے اغراض ومقاصد:

1- بیہودہ اور فحش باتوں کی وجہ سے منہ وزبان میں پیدا ہونے والی پلیدی کو استعاذہ کے ذریعے ختم کر کے زبان کو تلاوت قرآن کیلئے تیار کیا جاتا ہے۔

2- دورانِ تلاوت جو خلل و وسوسے نفس و شیطان کی طرف سے طاری ہوں ان سے استعاذہ کے ذریعے ہی محفوظ رہا جا سکتا ہے۔

3- اللہ کی عظیم الشان قدرت کا اقرار کرنا اور اُس باطنی مگر کھلے دشمن (شیطٰن رجیم) کے مقابلہ میں بندہ کا اپنی کمزوری و عاجزی کا اعتراف کرنا جس (کی شیطنت و بُرائی) کی مدافعت ورکاوٹ پر بجز خالق وقادرِ مطلق ذاتِ اِلٰہ کے اور کوئی بھی طاقت نہیں رکھتا۔ اِس لیے کہ وہ (طبعًا شریر ہے۔ پس وہ) نہ تو مدارات ونرمی کو

قبول کرتا ہے اور نہ حُسنِ سُلوک وبھلائی سے اُس کی دشمنی دفع ہوسکتی ہے۔ نہ تو وہ کسی قسم کی رشوت ووظیفہ ہی قبول کرتا ہے۔ اور نہ اُس میں کسی قسم کی خوش خُلقی وخندہ پیشانی ہی اثر انداز ہوتی ہے (بلکہ اس کی برائی سے بچانے والا تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس لیے استعاذہ کیا جاتا ہے) بخلاف اُس ظاہری دشمن کے جو انسانوں کی جنس سے ہو (کہ اس کے ضرر کو مدارات ونرمی اور سُلوک وحُسنِ خُلق سے دفع کیا جاسکتا ہے) جیسا کہ قرآن مجید کی درج ذیل وہ تین آیات و مقامات اِس پر دال ہیں جن میں انسانی وشیطانی (ظاہری وباطنی) دونوں ہی قسم کے دشمن کے ضرر وکید کی مدافعت (کے طرق) کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔ (کہ ان میں ظاہری وانسانی دشمن کی عداوت و بدی کو تو اخلاق وکردار کی خوبی سے دفع کرنے کا حکم ہے۔ لیکن باطنی وشیطانی دشمن کی خباثت وضلالت اور جہالت وعداوت کو خاص حق تعالیٰ کی حفاظت وپناہ کے ذریعہ ہی دفع کرنے کا امر ہے کیونکہ اس کی عداوت شدید تر ہے۔ اور وہ تین مقامات یہ ہیں:

(i) سورۂ اعراف میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ۔

"درگذر کرنے کی عادت رکھو، بھلائی کا حکم کیا کرو اور جاہلوں سے منہ موڑ لیا کرو"۔

یہ وہ طریقہ ہے جو انسانی دشمن (کی بُرائی کے دفع کرنے) سے متعلق ہے۔ پھر (شیطانی دشمن کے دفعِ ضرر کے بارے میں) ارشاد فرمایا:

وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ...... الی اخرہ۔

"اگر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ اور کچوکا لگے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرلیا کرو یقیناً وہ سُننے والا جاننے والا ہے"۔

(ii) سورۂ مؤمنون میں ارشاد خداوندی ہے:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَۃَ

''بُرائی کو نہایت اچھے طریقے اور بھلائی سے ٹال دیا کرو''۔

پھر فرمایا:

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُبِکَ مِنْ ھَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ۔ الخ

''اور کہا کرو کہ خدایا! شیاطین کے وسوسوں اوران کی حاضری سے ہم تیری پناہ میں آتے ہیں''۔

(iii) سورۂ فصلت میں ارشادِ باری ہے:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ۔ (اس سے آگے دو آیات کے آخر تک)

''احسن طریقہ سے دفع کرو کہ ناگہاں تم میں اور جس دوسرے شخص میں عداوت ہوگی وہ ایسا ہو جائے گا۔ جیسے دِلی وگرم جوش دوست یہ کام صبر کرنے والوں اور نہایت نصیب والوں کا ہے۔ اور جب شیطانی وسوسہ آجائے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ چاہو بالیقین وہ سُننے والا جاننے والا ہے''۔

اور اس بارہ میں (درج ذیل منظوم کلام) ہے۔ جس میں عمدہ ترین اکتفاء اور دلچسپ ترین اقتباس واتباعِ قرآنی ہے (یعنی آخری مصرع میں تیسری آیت کا محض اختصار اُو اشارۃً ایک اقتباس وانتخاب بھی شامل ہے)

شَیْطَانُنَا الْمُغْوِیْ عَدُوٌّ فَاعْتَصِمْ
بِـاللّٰـہِ مِنْـہُ وَالْتَجِیْ وَتَعَوَّذْ!

''گمراہ کنندہ ساتھی شیطان ہمارا دشمن ہے۔ پس تو اس سے اللہ کی حفاظت وصیانت اور قوت وپناہ پکڑ لے''۔

وَعَـدُوُّکَ الْاِنْسِـیُّ دَارِ وِدَادَہٗ
تَمْلِکْہُ وَادْفَعْ بِالَّتِیْ فَاِذَا الَّذِیْ ﷺ

"اور تیرا انسانی دشمن جو ہے اس کو اظہارِ محبت کے ذریعہ دفع کر۔ اس طرح تو اُس پر قابو پالے گا۔ اور حُسنِ سلوک سے اُس کی برائی دور کرو کیونکہ ناگہاں وہ تمہارا دشمن دلی دوست کی طرح ہو جائے گا"۔

پس اِن مقاصد و فوائدِ استعاذہ کا مقتضا بھی یہی ہے کہ استعاذہ، قرأت سے پہلے ہو تاکہ شروع ہی سے حق تعالیٰ کی حفاظت شاملِ حال ہو جائے۔ اور قاری تلاوت کے دوران میں ہر قسم کی خرابی و غلطی سے محفوظ رہے۔

اب اصل مسئلہ کی طرف آتے ہیں کہ تلاوت سے پہلے استعاذہ کا فلسفہ کیا ہے؟

استعاذہ کا فلسفہ:

1- جس طرح شاہی دربار میں جانے کے کچھ آداب ہوتے ہیں اسی طرح دربار خداوندی میں حاضری کے آداب میں سے استعاذہ ہے کیونکہ تلاوت کرنے والا اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل کر رہا ہے۔

2- چونکہ ہماری زبان کذب، غیبت اور دیگر گناہوں سے آلودہ ہو جاتی ہے استعاذہ کے ذریعے اس کو پاک کیا گیا تاکہ تلاوت قرآن کے قابل ہو جائے۔

3- قرآن پاک میں استعاذہ کرنے کا حکم دے کر بندوں کو ایک بڑے عظیم مقصد کے حصول پر آمادہ کیا گیا اور وہ یہ کہ بندہ استعاذہ کر کے اوفوا بعھدی پر عمل کرتا ہے اور اپنے رب سے اوف بعھدکم کی التجا کرتا ہے کہ اے اللہ! میں نے استعاذہ کر کے تجھ سے پناہ طلب کرنے کا وعدہ پورا کر لیا ہے اب تو مجھے پناہ عطا فرما کر میری لاج رکھ لے۔

4- برائیاں چونکہ تین طرح کی ہیں اعتقادی، عملی اور بدنی اور بندہ ان تمام کے مقابلے میں بے بس ہو کر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے کہ میرا کام تیری پناہ میں آنا تھا اب تو مجھے اپنی پناہ میں لے کر ان تمام شرور (برائیوں) سے بچالے۔

5- جس طرح ظاہری اعضاء کو پاک کرنے کیلئے وضو ہے کہ بے وضو قرآن کو ہاتھ

لگانا ناجائز ہے اسی طرح زبان کی طہارت استعاذہ سے ہے کہ اس سے زبان، قرآن پڑھنے کے قابل ہو جاتی ہے۔

6- چونکہ تلاوت قرآن سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے اور ایمان بڑھتا ہے۔ زادتھم ایمانا تو ضروری تھا کہ دل کو تکبر و رعونت کی میل سے پاک کیا جائے تا کہ اس میں نور آ سکے استعاذہ کرنے سے تکبر ٹوٹتا ہے اور عاجزی پیدا ہوتی ہے اور جس طرح چراغ سے چراغ جلانا ہو تو اس کو جھکانا پڑتا ہے استعاذہ سے بندے میں عاجزی اور جھکاؤ پیدا ہوتا ہے جس سے ایمان کی شمع کو جلا ملتی ہے۔

7- انسان چونکہ ہر وقت شیطان کے نرغے میں رہتا ہے جو کہ انسان کا کُھلا اور طاقتور دشمن ہے جیسا کہ فرمایا گیا: انه یرلکم هو وقبیله من حیث لا ترونهم۔ کہ شیطان اور اس کا قبیلہ تمہیں دیکھ رہا ہے جب کہ تم ان کو نہیں دیکھ رہے۔ تو مقابلہ چونکہ بڑا سخت ہے انسان میں بغیر توفیق الٰہی یہ طاقت نہ تھی کہ اپنے قوی تر دشمن کے سامنے ٹھہر بھی سکے اس لئے اللہ تعالیٰ نے خود ہی مہربانی فرمائی اور فرمایا واما ینزغنك من الشیطن نزغ فاستعذ باللّٰه کہ جب شیطان تیرے اوپر حملہ کرے تو اللہ کی پناہ طلب کر۔

اس لئے اللہ کے ہر مقبول سے مقبول تر بندے نے اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کی چنانچہ قرآن مجید میں آدم علیہ السلام، نوح علیہ السلام، یوسف علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، سیدہ مریم اور دیگر اہل اللہ کے واقعات موجود ہیں۔

حضور علیہ السلام کو استعاذہ کا حکم:

خود حضور علیہ السلام کو حکم ہوا کہ شیطان کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو وقل رب اعوذبك من همزات الشیطین واعوذبك رب ان یحضرون۔

چنانچہ حضور علیہ السلام نے اکثر مختلف الفاظ سے شیطان کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی ہے۔ مثلاً

اعوذبك من شر كل ذی شر انت أخذ بنا صيته۔ (ترمذی)

''اے اللہ! میں تجھ سے پناہ طلب کرتا ہوں ہر شریر کے شر سے جس کی پیشانی تیرے قبضے میں ہے''۔

نعوذ باللّٰہ من عذاب النار۔

''ہم عذاب نار سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں''۔

صحابۂ کرام کو استعاذہ کا حکم:

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

تعوذوا باللّٰہ من الفتن ما ظهر منها وما بطن۔

''ظاہر و باطن کے فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگو''۔

تعوذوا باللّٰہ من فتنة الدجال۔

''دجال کے فتنے سے اللہ کی پناہ طلب کرو''۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس فرمان میں عمل کرتے ہوئے ان لفظوں سے پناہ مانگی۔

نعوذ باللّٰہ من الفتن ما ظهر منها وما بطن۔ نعوذ باللّٰہ من فتنة الدجال۔

مزید دعائیں اس حوالے سے اس طرح ہیں:

اللهم انی اعوذبك من فتنة النار و عذاب القبر و فتنة القبر ومن شر فتنة الغنى ومن شر فتنة الفقر و اعوذبك من فتنة المسيح الدجال۔ اللهم انی اعوذبك من الكسل والهَرَم والمأثم و المغرم والجبن ومن فتنة المحيا والممات ومن فتنة سوء القضاء ومن درك الشقاء ومن شماتة الاعداء ومن جهد البلاء۔

توجب شیطان انسان کو معمولی نیکی کرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تو تلاوت قرآن جس کے ایک ایک حرف پہ دس دس نیکیاں ملتی ہیں، دل میں نور اور ایمان میں کمال پیدا ہوتا ہے یہ نیکی وہ کمینہ دشمن کیسے برداشت کرسکتا ہے۔ لہٰذا استعاذہ کا حکم دیا گیا۔

استعاذہ کا فائدہ:

صحیحین میں حضرت سلمان بن صرد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام کے سامنے دو شخص لڑ رہے تھے اور ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہہ رہے تھے جبکہ ہم (صحابہ کرام علیہم الرضوان) آپ کی خدمت اقدس میں حاضر تھے، ان دو شخصوں میں سے ایک تو غصے سے چہرہ سُرخ کیے ہوئے تھا اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا "یقیناً میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر یہ شخص وہ کلمہ کہہ لے تو جو کچھ (غصہ کی شدت) یہ اپنے اندر محسوس کر رہا ہے وہ ختم ہو جائے اور وہ کلمہ ہے: اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ (الی اخر الحدیث)

کوئی بھی اپنے آپ کو شیطان کے شر سے محفوظ نہ سمجھے:

اس ضمن میں چند واقعات ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کاتب وحی، خال المؤمنین رضی اللہ عنہ کی ایک دن صبح کی نماز جماعت سے رہ گئی تو آپ سارا دن روتے رہے۔ اگلے دن جماعت سے پہلے ہی کوئی شخص آپ کو جگا رہا ہے کہ اُٹھیے باجماعت نماز پڑھیے، آپ نے پوچھا! تو کون ہے؟ اس نے کہا میں شیطان ہوں، فرمایا شیطان کا کام تو نماز سے روکنا ہے نہ کہ نماز پڑھنے کی تبلیغ کرنا۔ اس لعین نے جواباً کہا! کہ کل آپ کی جماعت سے نماز رہ گئی تھی تو آپ اتنا روئے کہ آپ کو بجائے ستائیس کے ستر نمازوں کا ثواب دیا گیا تو میں چاہتا ہوں کہ آپ ستائیس کا ہی ثواب لیں اور ستر کا نہ لے سکیں۔

شیطانی حملوں کے انداز معاندانہ:

حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ عبادت میں مصروف تھے کہ اچانک بادل کا ٹکڑا آپ کے اوپر آ گیا اس میں سے ایک نورانی تخت نمودار ہوا جس پر ایک پُرجلال شخصیت بیٹھی تھی اور شیخ کو کہہ رہی تھی اے عبدالقادر میں تیرا رب ہوں تیری عبادت سے راضی ہو کر میں نے تجھے بخش دیا ہے اب تجھ مزید عبادت کی ضرورت نہیں۔ آپ نے یہ سن کر

فرمایا: "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہ" تم تو شیطان ہو مجھے دھوکہ دے کر خدا سے غافل کرنا چاہتے ہو۔ تو شیطان بھاگ اٹھا اور کہا: عبدالقادر تم خوش نصیب ہو کہ میرے حملے سے بچ گئے، میں نے اس داؤ سے کئی ابدال گمراہ کر دیئے ہیں۔ تمہیں تمہارے علم نے بچالیا۔ آپ نے فرمایا ارے ظالم! جاتے ہوئے پھر حملہ کر رہے ہو مجھے مغرور کرنا چاہتے ہو۔ مجھے میرے علم نے نہیں اللہ کے فضل نے بچایا ہے ورنہ تجھ سے بچنا آسان نہ تھا۔ (اگر علم بچاتا ہوتا تو تجھے بھی بچالیتا کیونکہ علم کے لحاظ سے تو تجھے بھی معلّم الملکوت کہا جاتا ہے)

خلاصہ یہ کہ ہر وقت اس مکّار وعیّار دشمن سے اللہ کی پناہ مانگتے رہنا چاہئے۔ قرآن پاک میں اللہ پاک فرماتا ہے جب شیطان کو جنت سے نکالا گیا تو اس نے کہا:

ثم لا تینھم من بین ایدیھم و من خلفھم وعن ایمانھم وعن شمآئلھم، ولا تجد اکثرھم شکرین۔ (اعراف:17)

"اے اللہ! میں لوگوں پر حملہ آور ہوں گا ان کے آگے سے، پیچھے سے، ان کے دائیں سے اور بائیں سے اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔

بنی اسرائیل کے عابد وزاہد پہ شیطانی حملہ:

امام ابولیث ثمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے تنبیہ الغافلین میں ایک روایت لکھی ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک عابد وزاہد شخص کو علم ہوا کہ فلاں بستی میں لوگ ایک درخت کو پوجتے ہیں اسے سجدہ کرتے ہیں وہ شخص کندھے پر کلہاڑا رکھ کر اسے کاٹنے کو چل کھڑا ہوا راستے میں شیطان نے اس کا راستہ روک کر کہا کہاں جا رہے ہو؟ کہا: اس درخت کو کاٹنے، لوگ اس کی پرستش کرتے ہیں۔ شیطان نے کہا: تمہیں لوگوں کی مخالفت مول لینے کی کیا ضرورت ہے، خواہ مخواہ جان خطرے میں ڈالتے ہو جاؤ سکون سے عبادت کرو، اس نے کہا نہیں میں اسے ضرور کاٹوں گا۔ دونوں لڑ پڑے۔ عابد نے شیطان کو نیچے گرالیا۔ شیطان نے کہا مجھے چھوڑ دو میں تمہیں کام کی بات بتاتا ہوں۔ تم واپس چلے جاؤ جب تم سو کر اٹھو گے تو ہر روز تمہارے بستر کے نیچے سے اتنی اشرفیاں نکلا کریں

گی۔ یہ سن کر عابد کا دل بدل گیا۔ وہیں سے واپس ہو گیا اور سوچا کہ واقعتاً مجھے اس پوری قوم سے ٹکر لینے کی کیا ضرورت ہے اور مفت میں رقم بھی مل جایا کرے گی، سکون سے عبادت کروں گا۔ چند روز تو اسی طرح بستر کے نیچے سے اسے اشرفیاں ملتی رہیں، پھر ختم ہو گئیں۔ اب وہ پھر کلہاڑا کندھے پر رکھ کر وہ درخت کاٹنے کیلئے نکل کھڑا ہوا۔ شیطان نے پھر آ کر راستہ روکا۔ وہی پہلے والی گفتگو ہوئی۔ دونوں لڑ پڑے اب شیطان نے عابد کو نیچے گرا لیا اور کہا خیریت اسی میں ہے کہ کلہاڑے سمیت واپس ہو جاؤ ورنہ اسی سے تمہارا سر اڑا دوں گا۔ عابد نے لرزتے ہوئے پوچھا تم کون ہو؟ پہلی مرتبہ میں نے تمہیں گرا لیا تھا اب تم نے مجھے گرا لیا ہے ایسا کیوں ہوا؟ اس نے کہا: میں پہلے والا شیطان ہی ہوں۔ بات دراصل یہ ہے کہ پہلی مرتبہ تم اخلاص اور ایمانی ولولے سے جا رہے تھے میں تمہاری قوتِ ایمانی کے سامنے میں بے بس تھا۔ اب تم مالِ دنیا نہ ملنے کی وجہ سے لالچ میں آ کر نکلے ہو اب خیریت چاہتے ہو تو واپس چلے جاؤ۔ (تنبیہ الغافلین کتاب الاخلاص)

معلوم ہوا بندہ خدا کی محبت میں ڈوب جائے تو خدا اسے اپنی پناہ دے دیتا ہے اور شیطان بندے کے سامنے بے بس ہو جاتا ہے۔ اور یہی وہ حقیقی پناہِ خداوندی ہے جو اَعُوْذُ بِاللّٰہِ میں مانگی جاتی ہے۔ اے اللہ تو ہم ضعیفوں کو یہی حقیقی پناہ عطا فرما۔ انك علی کل شیء قدیر۔ (تفسیر بینات القرآن)

اے مسلمانو! اللہ کی پناہ میں آ جاؤ، مگر کیسے؟:

1- حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی سوتے ہوئے ڈر جاتا ہو تو وہ یہ کلمات پڑھا کرے:

اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّاتِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعِقَابِهٖ وَشَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّیٰطِیْنِ وَاَنْ یَّحْضُرُوْنِ۔

''میں اللہ تعالیٰ کے مکمل کلمات کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں اس کے غضب،

ناراضگی، بندوں کے شر، شیطانوں کے وسوسوں سے اور اس سے کہ وہ (شیاطین) میرے پاس آئیں"۔

یہ کلمات پڑھنے کی وجہ سے ہرگز کوئی نقصان نہ ہوگا۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنی بالغ اولاد کو یہ کلمات سکھا دیتے تھے اور نابالغ اولاد کے گلے میں کاغذ پہ لکھ کر (تعویذ بنا کر) ڈال دیتے تھے۔ (مشکوۃ صفحہ 217، رواہ ابوداؤد والترمذی)

2- حضرت کعب الاحبار (مشہور تابعی) فرماتے ہیں اگر میں مندرجہ ذیل کلمات نہ پڑھتا ہوتا تو یہود (جادو کے زور پر) مجھے گدھا بنا دیتے۔ کلمات یہ ہیں:

اَعُوْذُ بِوَجْهِ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ الَّذِیْ لَيْسَ شَیْءٌ اَعْظَمُ مِنْهُ وَبِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّاتِ الَّذِیْ لَا يُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ وَّ بِاَسْمَآءِ اللّٰهِ الْحُسْنٰی مَا عَلِمْتُ مِنْهَا وَمَالَمْ اَعْلَمْ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذَرَاَ وَبَرَاَ۔

(مشکوۃ صفحہ 218، رواہ مالک)

میں پناہ چاہتا ہوں عظمت والے اللہ کی جس سے بڑی کوئی ذات نہیں اور اللہ تعالیٰ کے مکمل کلمات کے ساتھ جن سے کوئی نیک و بد آگے نہیں بڑھ سکتا، اور اللہ تعالیٰ کے تمام اچھے ناموں کے ساتھ، جنہیں میں جانتا ہوں یا نہیں جانتا ہر مخلوق کی برائی سے جس کو پیدا کیا گیا اور پھیلایا گیا۔

3- یحیٰی بن سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور علیہ السلام کو معراج ہوئی تو آپ نے ایک شرارتی جن دیکھا جو آپ کو آگ کے شعلے کے ساتھ طلب کر رہا تھا، جب بھی آپ ادھر متوجہ ہوتے تو اس کو دیکھتے، جبریل امین علیہ السلام نے عرض کیا! کیا میں آپ کو ایسے کلمات بتاؤں کہ جن کو آپ پڑھ لیں گے تو آگ کا شعلہ بجھ جائے گا (اور آپ اس کے شر سے بچ جائیں گے) حضور علیہ السلام نے فرمایا: "بتاؤ"۔ تو جبریل علیہ السلام نے یہ کلمات بتائے۔

اَعُوْذُ بِوَجْهِ الْكَرِيْمِ وَبِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّاتِ اللَّاتِیْ لَا يُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ مِّنْ شَرِّ مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ شَرِّ مَا يَعْرُجُ فِيْهَا وَشَرِّ مَا

ذَرَأَ فِی الْاَرْضِ وَشَرِّ مَا یَخْرُجُ مِنھَا وَمِنْ فِتَنِ اللَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَمِنْ طَوَارِقِ اللَّیْلِ وَالنَّھَارِ اِلَّا طَارِقًا یَّطْرُقُ بِخَیْرٍ یَا رَحْمٰنُ۔

''میں پناہ چاہتا ہوں خدا کی کریم ذات کی اللہ تعالیٰ کے مکمل کلمات کے ساتھ جن سے کوئی اچھا یا بُرا تجاوز نہیں کرسکتا، ہر اس برائی سے (پناہ چاہتا ہوں) جو آسمان سے اترتی ہے یا آسمان کی طرف چڑھتی ہے۔ اور ان اشیاء کی برائی سے جو زمین میں پیدا کی گئیں اور جو زمین سے نکلیں، میں رات اور دن کے فتنوں سے پناہ چاہتا ہوں اور شب و روز کی آفتوں سے بھی، مگر جو حادثہ اپنے اندر بھلائی لیے ہو۔ اے رحم فرمانے والے''۔

4- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسلم قبیلے کے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ میں آج ساری رات سو نہیں سکا۔ آپ نے پوچھا! کس وجہ سے؟ اس نے عرض کیا! مجھے بچھو نے کاٹ لیا تھا۔ آپ نے فرمایا اگر تو مندرجہ ذیل کلمات پڑھ کر سوتا تو بچھو تجھے ہرگز نقصان نہ پہنچاتا۔ کلمات یہ ہیں۔

اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّآمَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ۔ (مسلم شریف جلد ۲ صفحہ ۳۴۷)

''میں اللہ تعالیٰ کے جامع کلمات کے ساتھ ہر اس شئی کے شر سے پناہ طلب کرتا ہوں جس کو اس نے پیدا فرمایا''۔

وھھنا تمت الابحاث المتعلقة بالاستعاذہ وللہ الحمد والمنة اللّٰھم انت عالم الغیب والشھادۃ وانك انت العزیز الحکیم فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنیا والاخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔ اللّٰھم صل من الصلوات ازکھا ومن التسلیمات اطیبھا ومن التحیات اسنٰھا علی حبیبك ومحبوبك ونبیك و رسولك سیدنا مولانا محمد و علیٰ الہ و اصحابہ ومن تبعہ باحسان الی یوم الدین۔

(آغاز درس قرآن 05-05-21 بعد نماز عشاء چاندنی مسجد ریگل چوک لاہور)

دوسرا درس

الحمد للہ العلی الاعلیٰ الذی خلق فسوی والصلوۃ والسلام علی
حبیبہ المصطفیٰ الذی دنا فتدلی فکان قاب قوسین او ادنیٰ
وعلی الہ التقیٰ و النقیٰ الذکی المجتبی و اصحابہ الذین فازوا
بالدرجات العلی وعلینا معھم یا اھل المغفرۃ و التقویٰ اما بعد۔

فاعوذباللّٰہ من الشیطٰن الرجیم
بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم
ان اللّٰہ وملائکتہ یصلون علی النبیؕ یا ایھا الذین امنوا صلوا
علیہ وسلموا تسلیما۔
الصلوۃ و السلام علیك یا سیدی یا رسول اللّٰہ
الصلوۃ و السلام علیك یا سیدی یا حبیب اللّٰہ
بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

حرف ''ب'' سے بسم اللہ شریف کا آغاز کرنے میں حکمتیں

اسم اللّٰہ ابداًبہ بھی کہا جا سکتا تھا مگر بسم اللہ کہا گیا۔ کیونکہ الف میں لکھنے اور پڑھنے کے لحاظ سے بلندی ہے اور ب میں پستی و عاجزی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے من تواضع للّٰہ فقدر فعہ اللّٰہ یہی حکمت ب کے مکسور ہونے میں بھی

ہے حرف ''ب'' جب ضمیر یا اسم پر داخل ہوتی ہے تو اس کے نیچے کسرہ پڑھا جاتا ہے جیسے بہ، بھا بزید۔ جس میں انکسار ہے اور انکسار والے دل اللہ تعالیٰ کی جلوہ گاہ ہیں۔ حدیث قدسی ہے انا عند المکسرۃ قلوبھم۔ (میں ٹوٹے ہوئے دلوں کے پاس ہوتا ہوں) ب کے نیچے ایک نکتہ ہے گویا اس کی حالت محبّ جیسی ہے کہ جس طرح وہ ایک محبوب والا ہے اسی طرح یہ بھی ایک نکتے والی ہے۔ اگرچہ جیم اور نون میں بھی ایک ہی نکتہ ہے مگر فرق یہ ہے کہ ب نے نکتے کو اپنے نیچے چھپا لیا اور اس پر فخر نہ کیا بخلاف جیم فا اور نون کے ''الف، واؤ'' ویسے ہی حرف علّت ہے جس کا معنی بیماری بھی ہے اور ب اس معنی سے پاک ہے۔ الف، ب کے تابع ہے کہ جب با لکھیں گے الف خود ہی ساتھ لکھا جائے گا۔ اسی طرح تلفظ میں بھی ب کے بعد الف پڑھا جاتا ہے۔

پھر ''ب'' عمل کرنے والا حرف ہے کہ اسم کو جر دیتا ہے۔ جبکہ الف ایسا نہیں ہے یہ مرتبہ ''ب'' کو اس کی عاجزی کی وجہ سے ملا ہے۔ کہ بڑے سے بڑے اسم کو بھی ''زیر'' کر دیتی ہے۔

پھر ب کے بہت معانی ہیں استعانت، الصاق، تعدیت وغیرہ اور الف ایسا نہیں ہے۔ شاید اسی لئے مولائے کائنات علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں انا النقطۃ تحت الباء۔ ''میں با بھی نہ کہا بلکہ ''با'' کا نکتہ جو معمولی ہوتا ہے اور وہ بھی اس حرف کا نہیں جس کے اوپر ہوتا ہے بلکہ نیچے والا نقطہ۔ شان کیا ہے اور عاجزی کیسی ہے۔ جس علی کے فرزند کی شان یہ ہے کہ

اے حسین ابن حیدر تو شہید کربلا ہے
تو علی کا جگر گوشہ تو نواسہ مصطفٰی ہے
قال الحسین منی وان من الحسین
سُن لو جہان والو! یہ حدیث مصطفٰی ہے

تو ایسے فرزندارجمند کے پدر بزرگوار کی عظمت کون بیان کر سکتا ہے۔

آجائے جس کے لب پہ صدا یا علی مدد
ہوتی ہے دور سُن کے قضا یا علی مدد
مشکل میں سر جھکا کے کہو یا علی مدد
مومن! گلے لگا کے کہو یا علی مدد

بسم اللہ شریف میں تین ناموں کا انتخاب:

بسم اللہ میں خاص تین ناموں کو کیوں اختیار فرمایا گیا اور ان تینوں کے اندر حصر کرنے میں کیا راز ہے کیونکہ فِعْلُ الْحَکِیْمِ لَا یَخْلُوْعَنِ الْحِکْمَۃِ
''حکیم کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا''۔

صاحبو! نکتہ اس میں یہ ہے کہ جب دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ کل مدارج دنیا اور آخرت میں تین ہیں یعنی مفرد اور تثنیہ اور جمع اور آدمی کے بھی تین حال ہوتے ہیں لڑکپن، جوانی اور بڑھاپا۔ اور آدمی کی حیثیات بھی تین ہی ہوتی ہیں۔ امیری، غریبی، فقیری اور عالم بھی تین ہی ہیں عالم دنیا اور عالم برزخ اور عالمِ آخرت اور اوقات بھی تین ہی ہیں زندگی اور نیند اور موت عقبیٰ میں بھی تین ہی چیزیں ہیں۔ دوزخ اور اعراف اور بہشت اس واسطے اللہ پاک نے تین ناموں کو اختیار فرمایا۔ تو تین ناموں کو اختیار کرنے میں جو نکتہ تھا معلوم ہو گیا مگر یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ پاک کے انہی تین ناموں کو بسم اللہ شریف کیوں خصوصیت ہوئی باوجودیکہ اسماءِ الٰہی اور بھی بہت ہیں۔ تو وجہ خصوصیت ان تینوں کی یہ ہے کہ ہر کام کا حصول خواہ دنیوی ہو خواہ دینی ان تین ہی چیزوں پر موقوف ہے اوّل موجود ہونا تمام عالم اسباب کا یہ امر ساتھ اسم اللہ کے مناسبت رکھتا ہے کہ کمال درجہ کی تمام کی تمام صفات کو گھیرے ہوئے ہے۔ دوسرے کل اسباب کا باقی رہنا اس کام کے شروع سے آخر تک یہ صفت خصوصیت رحمانیت کی ہے کیونکہ ہر عالم کی بقاء اسی صفت کے ساتھ ملی ہوئی ہے تیسرا یہ کہ فائدہ

دینا اس کام کا، یہ عالم رحیمی کا وصف ہے کہ اپنی رحمت سے بندوں کی محنت برباد نہیں کرتا اسی واسطے ان ہی تینوں ناموں کے ساتھ تعلیم کیا تا کہ بندہ کا کام کسی طرح برباد نہ ہو اور ہر کام کا شروع اور اختتام ان ہی تین ناموں کی مدد سے پایا جائے۔ یہ نکات امام اجل ابوسعید احمد حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں لکھے ہیں:

بسم اللہ کے چار کلمات:

دوستو! اللہ پاک نے بسم اللہ کو چار کلمے اور اُنیس حرفوں پر ختم کیا ہے یہ چار اور انیس کی خصوصیت میں کیا نکتہ ہے۔ دوستو! چار کلمے پر ختم کرنے میں یہ نکتہ ہے کہ جہاں تک دیکھا ہر شے کی اصلاح خواہ دنیوی ہو یا اخروی چار کلموں میں ہے۔ جیسے زمانہ کی اصلاح ربیع، خریف، شتا، صیف میں ہے اور جسموں کی اصلاح آتش، باد، آب، خاک میں اور بدنوں کی اصلاح دم، صفرا، بلغم، سودا میں اور نفوس کی اصلاح صلوٰۃ، صوم، حج، زکوٰۃ میں اور حرارت، برودت، رطوبت، یبوست میں اور باطن کی اصلاح عقل، علم، خوف، رجا میں اور اقوال کی اصلاح سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ میں اور ملائکہ کی اصلاح جبرئیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل میں اور کتابوں کی اصلاح زبور، تورات، انجیل، قرآن میں ہے اور نبوت کی اصلاح خلیل، کلیم، روح، حبیب میں اور خلافت کی ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی اور علی مرتضیٰ میں اسی طرح اللہ پاک نے بھی اپنے کلام کی کُل آیتوں کی اصلاح چار کلموں میں رکھی تو اشارہ اس میں یہ ہے کہ جو شخص اس کو پڑھے گا تو اللہ پاک اس کو اصلاح جسمی اور اصلاح روحانی سے منوّر کرے گا۔ یہ نکات تفسیر حقائق التنزیل فی دقائق التاویل میں مسطور ہیں۔

بسم اللہ شریف کے انیس حروف:

اور اُنیس حروف کی خصوصیت میں یہ نکتہ ہے کہ رات دن کی کل ساعتیں چوبیس ہیں۔ پانچ ساعتوں میں پانچ نمازیں فرض مقرر ہیں باقی رہیں اُنیس ساعتیں ان میں

آدمی چلتا پھرتا، اٹھتا بیٹھتا، سوتا جاگتا، کھاتا پیتا ہے اس لیے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو مقرر کیا اور حرف بھی بسم اللہ میں اُنیس ہیں لہٰذا ہر حرف کو ہر ایک ساعت پر مؤکل سمجھنا چاہیے کہ اس کی برکت سے آدمی ہر ایک بلا سے محفوظ رہے گا پس لازم ہے کہ ہر ساعت میں پوری بسم اللہ اُنیس اُنیس مرتبہ پڑھ لیا کرے تا کہ آٹھوں پہر یعنی چوبیس ساعتیں عبادت میں لکھی جائیں اسی واسطے بسم اللہ کے انیس حروف رکھے ہیں اور حدیث میں آیا ہے کہ بسم اللہ میں اُنیس حرف ہیں اور عذاب دوزخ کے بھی اُنیس (جن کو قرآن میں الزبانیہ کہا گیا) مؤکل ہیں۔ جو شخص روز بعد نماز فجر اور مغرب کے اُنیس اُنیس بار بسم اللہ کو خالص نیت اور درست عقیدے سے پڑھے گا۔ تو ان اُنیس مؤکلوں کے عذاب سے پناہ میں رہے گا۔

خلاصہ چونکہ دوزخ کے مؤکل اُنیس ہیں اور دن رات کی چوبیس ساعتوں سے نماز کے پانچ وقت نکال دینے کے بعد اُنیس ساعتیں ہی باقی رہتی ہیں لہٰذا بسم اللہ کو بھی انیس حروف پر ختم کیا تا کہ مؤکلات کے عذاب سے بچا رہے اور ہر وقت عبادت میں شمار ہو جائے۔ تفسیر مظہر العجائب میں یہ نکات موجود ہیں۔

قرطبی میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے یہی روایت بسم اللہ شریف کو کثرت کے ساتھ پڑھنے پر مندرجہ بالا فضیلت کا مستحق گردانتی ہے۔ (واللہ اعلم)

حرف ''ب'' کے علوم ومضامین:

المجالس السعیہ صفحہ 3 پہ ہے۔ تمام آسمانی کتابوں اور صحیفوں کا علم قرآن میں ہے سارے قرآن کا علم سورۃ فاتحہ میں ہے سورۃ فاتحہ کے تمام مضامین بسم اللہ میں اور بسم اللہ کے سارے علوم اس کی با میں ہیں۔ نیز با وہ حرف ہے کہ عالم ارواح کے اندر جب اللہ نے الست بربکم فرمایا تو خلق خدا کی زبان سے سب سے پہلے یہی حرف آیا قالوا بلیٰ چنانچہ اسی سے اللہ نے اپنے کلام پاک کا آغاز فرمایا تا کہ میری مخلوق کو ہر وقت وعدۂ الست یاد رہے۔ تفسیر روح المعانی نے اس سلسلہ میں بڑی عمدہ گفتگو فرمائی جس کا

ماحصل اور خلاصہ یہ ہے کہ

الف ذاتِ حق کی طرف اشارہ کرتا ہے اسی لئے وہ بسیط و مفرد اور نقطوں سے پاک ہے جیسے کہ وجود حق بھی ہر تعین و تشخص سے پاک ہے اور جیسے اللہ سے قبل کوئی وجود نہیں الف سے قبل کوئی حرف نہیں۔ چونکہ وجودِ حق غیب الغیب اور سر الاسرار ہے (اس لئے بِسْمِ اللّٰہِ میں الف کو محذوف کیا گیا اور اس کی جگہ باء کو لایا گیا) باء کا نقطہ سب سے پہلی تخلیق اور مقدم ترین تشخص کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ سب سے پہلے باء ہی کا نقطہ ہے پھر باقی حروف کے ہیں یعنی نقطۂ با نقطہ اولیٰ ہے اور کائنات کے تشخص اول پر دال ہے اور وہ حقیقت محمدیہ ہے۔ جیسا کہ حدیث مبارک میں ہے:

اول ما خلق اللہ نوری۔ ''سب سے پہلے اللہ نے جو چیز بنائی وہ میرا نور تھا''۔

اور اسی نور کے واسطہ سے ساری کائنات کو وجود ملا۔ جیسے کہ حدیث نبوی ''لولاك لما خلقت الا فلاك'' اسی طرف اشارہ کرتی ہے پھر چونکہ نبی اکرم ﷺ پر رحمت کی صفت غالب تھی اور اسی لئے فرمایا گیا: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ○ (الحج) اور بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ○ (توبہ) اس لئے باء کے نیچے کسرہ مناسب ٹھہرا جو انکسار اور رحمت کا اشارہ ہے اور اس باء کے ساتھ ابتداء اس بات کی بھی رمز ہے کہ آپ ﷺ اسلام کے داعی اول ہیں۔ آگے اسم اللہ سے مدعو کی طرف اشارہ ہوا اور رحمٰن و رحیم کے ساتھ مدعو کا رحمت سے موصوف ہونا بندوں کیلئے تشویق تام اور ترغیب عظیم ہے اور ہر سورتِ قرآنیہ کی ابتدا بِسْمِ اللّٰہِ سے کر کے نبی ﷺ کا حال بتایا گیا تا کہ آپ کا مقام بلند ہو اور سننے والوں کو بشارت ملے اور سورۃ برأت کے آغاز میں یہ بشارت نہ رکھی گئی کیونکہ حال بدلا ہوا ہے پھر بھی وہاں ابتداء باء مفتوحہ سے کی گئی (براءۃ من اللّٰہ و رسولہ) اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حقیقت محمدیہ کی طرف اشارہ کلیتاً ترک نہ فرمایا۔ صرف تغیر حال کی وجہ سے کسرہ کو جو انکسار و الطاف پر دال ہے فتح سے بدل دیا۔

آگے امام آلوسی فرماتے ہیں اس سے بڑھ کر ہمیں بیان کی طاقت نہیں ارباب

حجاب سے خوف حائل ہے ابھی اس کے پیچھے بڑا سرِّ مخفی ہے۔

(روح المعانی جلد اول صفحہ 52)

آیات نوں شعراں چہ ادا کون کرے گا
ودھ رب توں محمد دی ثنا کون کرے گا
جے تینوں پتہ شان محمد دا نہیں لگدا
وچہ حشر دے پھر تیرا پتہ کون کرے گا
ہو جاوے صدف تے وی شہا نظر کرم دی
بن تیرے میرے دُکھ دی دوا کون کرے گا

اگرچہ ''ب'' خود برائے استعانت بھی ہے اور استعانت حقیقی اللہ ہی سے ہو سکتی ہے مگر باللہ کہنے کی بجائے بسم اللہ اس لئے فرمایا گیا کہ یہ ایسا اسم ہے جو عین مسمّٰی ہے اس معنیٰ میں کہ نفس ذات پر دلالت کرتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: سبح اسم ربك الاعلیٰ۔ اپنے رب کے نام کی تسبیح کیجئے۔ یعنی دل کا تعلق رب کے ساتھ کیجئے۔ اسی طرح فرمایا: تبرك اسم ربك ذی الجلال و الاکرام۔ ذوالجلال و الاکرام اللہ کی صفت ہونے کے باوجود اسم کی صفت ہے۔ اور باللہ نہ فرمانے میں ایک یہ بھی حکمت ہے کہ صرف لفظ اللہ سے ہی برکت حاصل نہیں ہوتی بلکہ بسم اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے ہر نام سے برکت نصیب ہوتی ہے کیونکہ اس کی جب ذات بابرکت ہے تو اس ذات کے سارے نام بھی بابرکت ہیں وللہ الا سماء الحسنیٰ۔ کائنات میں ہر سو برکتیں بھی اسی کے ناموں کی ہیں اور ہر جانب جلوے بھی اسی کی ذات کے ہیں۔

اسی کے جلوے ہیں چاروں جانب ذرا نظر کو گھما کے دیکھو
قدم قدم پہ وہ خود ملے گا مگر قدم تو اٹھا کے دیکھو
وہ کب چھپا ہے وہ کب جدا ہے، ہر ایک دل میں تو بس رہا ہے
وہ جان سے بھی قریب تر ہے نفس کا پردہ ہٹا کے دیکھو

جہاں کی وسعت سمیٹ لیں گے اندھیرے بستر لپیٹ لیں گے
اسی کی الفت کے دیپ دل کے نگر میں یارو جلا کے دیکھو
یہ کنت سمع الذی کے قصے یہ کنت رجل التی کی باتیں
یہ ساری اس کی عنائتیں ہیں تم اس سے نسبت لگا کے دیکھو
ہیں بایزید و فرید و باھو ہے کوئی منصور کوئی خواجہ
ہے غوث کوئی تو کوئی داتا خدا سے لو تو لگا کے دیکھو
کمی نہیں ہے ''نہیں'' نہیں ہے عطاؤں کی بارشیں لٹیں گی
شکستہ ہو کر کریم کے در پہ دامن اپنا پھیلا کے دیکھو
خدا کی رحمت خدا کی برکت کمال اس کا جلال اس کا
جو دیکھنا ہو جمال اس کا مدینے کی طرف جا کے دیکھو
سفر میں وہ ہے حضر میں وہ ہے ہر ایک دل کے نگر میں وہ ہے
ہو نور تم بھی جو اس کے طالب تو اپنے سر کو جھکا کے دیکھو

الرحمٰن الرحیم اور ان کے معانی کا فرق:

ان دونوں کا مادۂ اشتقاق ایک ہے اور وہ ''رحمت'' ہے اور یہ اس مادے سے اسم مبالغہ کے صیغے ہیں۔ ترمذی شریف کی حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں رحمان ہوں، میں نے رحم (رشتہ داری) کو پیدا فرمایا اور اس کو اپنے نام سے نکالا جو اس کو جوڑے (صلہ رحمی کرے) گا میں اس کو جوڑوں گا اور جو اس کو توڑے (قطع رحمی کرے) گا میں اس کو توڑ دوں گا۔ جنہوں نے رحمٰن و رحیم کے معنوں میں فرق کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔ رحمٰن کا معنی ہے تمام مخلوق پہ رحم کرنے والا خواہ مومن ہو یا کافر اور رحیم کا معنیٰ ہے اہل ایمان پر خصوصی مہربانی فرمانے والا (وکان بالمؤمنین رحیما) جیسا کہ آگے آتا ہے (جو عیسیٰ علیہ السلام نے معلّم کو جواب عطا فرمایا) تو اس طرح عام کے بعد خاص کا ذکر بڑا ہی مناسب ہے۔ اگر چہ بعض جگہ یہ الفاظ مترادف المعنیٰ

ہو کر بھی آتے ہیں جیسا کہ ایک دعا میں ہے رحمن الدنیا و الاخرہ ورحیمھما
لیکن بہر حال رحمٰن میں عموم اور رحیم میں خصوص ہے یعنی دنیا و آخرت میں سب کیلئے
رحمان اور دنیا و آخرت میں اہل ایمان کیلئے رحیم۔

رحمٰن صرف اللہ ہی کا نام ہے کسی دور میں مخلوق میں سے کسی کو رحمان نہ کہا گیا
مسیلمہ کذاب نے اپنا نام رحمان رکھنے کی جرأت کی مگر اللہ رحمٰن نے اس کو رحمٰن کی
بجائے کذّاب مشہور کر دیا اور ثابت کر دیا کہ صرف اللہ ہی رحمٰن ہے (ابن کثیر قرطبی)
جبکہ رحیم تو اللہ نے اپنے حبیب کو بھی فرمایا ہے (وبالمؤمنین رؤف رحیم)

میرا اللہ بھی رحیم اس کے محمد بھی رحیم
میرا اللہ بھی کریم اس کے محمد بھی کریم
دو کریموں میں گنہ گار کی بن آئی ہے (جل جلالہ۔ صلی اللہ علیہ وسلم)

لفظ رحمٰن کو رحیم پر مقدم کرنے میں حکمت:

یہی وجہ ہے کہ اگرچہ مقام مدح میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی اہل عرب کی
طریقہ تھا مثلاً فلاں عالم نبیل۔ کہا جاتا ہے اس لحاظ سے لفظ رحمٰن بعد میں ہونا زیادہ
مناسب تھا لیکن چونکہ رحمٰن کا اطلاق غیر اللہ پہ نہیں ہوسکتا اس لئے گویا یہ لفظ، لفظ اللہ کی
طرح علم ہو گیا۔ اور رحیم اس کا وصف ٹھہرا اور علم مقدم ہی ہوا کرتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ چونکہ رحمٰن ہر طرح کی عظیم نعمتوں کو شامل ہے جو کہ بہ منزلہ
اصول ہیں اور رحیم اس کا تتمہ ہے جو کہ فروعی اور دقیق نعمتوں کو شامل ہے لہٰذا اصول کو
فروع پر مقدم کر دیا۔ نیز رحمٰن کا تعلق دینا سے ہی اور رحیم کا آخرت سے اور دنیا
آخرت سے پہلے ہے لہٰذا رحمٰن رحیم سے پہلے ہوا۔

بسم اللہ شریف کے فائدے اور حکمتیں:

بسم اللہ شریف پڑھنے کے بے شمار فائدوں اور حکمتوں میں سے چند ایک کا ذکر کیا

جاتا ہے

- اللہ تعالیٰ نے اس سے ہمیں یہ ادب سکھایا ہے کہ ہم اپنے تمام کاموں میں اس کے پاک ناموں سے برکت حاصل کیا کریں۔ (جامع البیان جلد 1 صفحہ 38)

یعنی تا کہ ہر اچھے کام سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھنے کی ہمیں عادت پڑ جائے اور اس طرح بُرے کاموں سے بچنے کا طریقہ بھی ہمیں آجائے گا کہ اگر کبھی برا کام کرنے لگے اور عادت کے مطابق زبان پہ بسم اللہ شریف جاری ہو جائے تو ضمیر ملامت کرے اور برائی سے ہاتھ روک لے۔

- بار بار اللہ کا نام زبان پہ آئے گا تو دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہو گی کیونکہ جس سے محبت ہو اسی کا نام بار بار لیا جاتا ہے (من احب شیئنا اکثر ذکرہ)

بسم اللہ شریف سے مصائب وآلام کا علاج:

بسم اللہ شریف پڑھنے سے انسان کئی روحانی وجسمانی بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے چنانچہ حضرت عثمان بن ابی العاص نے حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں عرض کیا کہ میں جب سے اسلام لایا ہوں میرے جسم میں درد رہتا ہے آپ نے فرمایا (درد والی جگہ پہ ہاتھ رکھ کر تین بار بسم اللہ شریف اور سات بار یہ دعا پڑھو اعوذ بعزۃ اللہ وقدرتہ من شر ما اجد و احاذر۔

- قیصر روم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ میرے سر میں ہر وقت درد رہتا ہے اس کا کوئی حل بتائیں آپ نے ایک ٹوپی بھیجی کہ اس کو سر پہ پہن لیا کرو۔ جب وہ پہنتا تو درد ٹھیک ہو جاتا، اتارتا تو پھر درد شروع ہو جاتا، وہ بہت حیران ہوا، آخر اس نے ٹوپی کو کھولا تو اس میں کاغذ کا ایک پرزہ پایا جس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہوا تھا۔

- بعض مجوسیوں نے حضرت خالد بن ولید سے کہا کہ آپ ہمیں دعوت اسلام تو دیتے ہیں مگر صداقت اسلام کی کوئی نشانی نہیں دکھاتے فرمایا! کیا نشانی دیکھنا

چاہتے ہو، انہوں نے زہر ہلاہل (خالص) منگوایا اور کہا اس کو کھاؤ آپ نے بسم اللہ پڑھ کر کھالیا چنانچہ آپ کو بالکل کچھ بھی نہ ہوا اور صحیح وسلامت رہے، اور مجوسی یہ دیکھ کر کہنے لگے کہ واقعی یہ دین حق ہے۔

- ابن ماجہ اور ترمذی میں حدیث ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جب بیت الخلاء میں جاؤ تو اپنی شرم گاہوں اور شیطان کے درمیان بسم اللہ شریف کا پردہ کرلیا کرو۔

(مفہوم حدیث)

- حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک قبر کے پاس سے گزرے جس میں ایک مردے کو عذاب ہورہا تھا، آپ (علیہ السلام) اپنا کام کرکے واپس آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ اسی قبر میں رحمت کے فرشتے نورانی طبق لیکر حاضر ہیں، آپ کو بہت تعجب ہوا نماز پڑھی اور اللہ سے دعا کی اور پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ مرتے وقت اس شخص کی بیوی حاملہ تھی اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا، بچہ سمجھ دار ہوا تو اس کی ماں اس کو معلّم کے پاس لے گئی جس نے اس کو بسم اللہ شریف پڑھائی ہے اور مجھے حیا آئی ہے کہ جس کا بچہ میرا نام لے رہا ہے میں اس کے باپ کو عذاب دوں۔

(تفسیر کبیر صفحہ 87 جلد 1)

- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

ان المعلم اذا قال للصبی قل بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم فقال کتب اللہ براءۃ للصبی وبراءۃ للمعلم وبراءۃ لا بویہ من النار۔

(مسند الفردوس حدیث نمبر 6597)

جب استاذ بچے سے کہتا ہے پڑھ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم اور بچہ پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ بچے کیلئے، استاذ کیلئے اور بچے کے والدین کیلئے دوزخ سے آزادی لکھ دیتا ہے۔

مسائلِ بسم اللہ شریف:

ہر اچھا اور جائز کام بسم اللہ سے شروع کرنا سنت ہے جس طرح کہ کھانا، پینا،

لباس پہننا، گھر میں داخل ہونا، گاڑی پہ سوار ہونا وغیرہ۔ جبکہ برے اور گناہ کے کام سے پہلے بسم اللہ پڑھنا سخت گناہ ہے بلکہ اندیشہ ہے کہ ایسا بندہ کافر ہو جائے۔ جیسا کہ کتب فقہ میں ہے۔ (خلاصۃ الفتاوی، عالمگیری جلد 2 صفحہ 273)

- اگر جانور کو ذبح کرتے وقت جان بوجھ کر بسم اللہ نہ پڑھی تو جانور حرام ہو جائے گا اور اگر بھول کر نہ پڑھ سکا تو حلال ہے۔
- شکار کی طرف تیر پھینکتے وقت اور شکاری کتا چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھنا واجب ہے۔ یا صرف اللہ کا نام لے لے جیسا کہ البحر الرائق میں ہے۔
- نماز میں بسم اللہ شریف پڑھنا سنت ہے یہی زیادہ صحیح ہے۔
- وضو کے آغاز میں بسم اللہ شریف پڑھنا سنت ہے اگر شروع میں بھول جائے تو دوران وضو پڑھ لے مگر یہ مستحب کے زمرے میں آئے گا۔
- کھانا کھانے سے پہلے اگر بسم اللہ پڑھنا بھول گیا تو جب یاد آئے اس طرح پڑھے۔ بسم اللّٰہ اولہ و اخرہ۔
- نماز سری ہو یا جہری سورۂ فاتحہ کے بعد دوسری سورۃ شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے۔
- شبہ والی چیزوں کو استعمال کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا مکروہ ہے۔ جیسا کہ تمبا کو نوشی کے وقت۔ جنبی و حائض بطور تلاوت بسم اللہ نہ پڑھے۔ بطور ذکر پڑھ سکتے ہیں۔ (حاشیہ طحطاوی علی الدر المختار جلد 1 صفحہ 6،5)
- کھانا شروع کرنے سے پہلے یہ کہنا کہ بسم اللہ کیجئے یا دوکاندار یہ کہے کہ میں نے تو ابھی بسم اللہ بھی نہیں کی اس طرح کہنا سخت منع ہے۔ (بہار شریعت 32/16)

فضائل بسم اللہ شریف:

- حدیث میں ہے کہ جب بسم اللہ شریف نازل ہوئی تو بادل مشرق کی طرف سرک گئے، ہوا رک گئی، سمندر مین ہلچل مچ گئی، جانور ہمہ تن گوش ہو گئے،

شیطان کو آسمان سے پتھر مارے گئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی عزت وجلال کی قسم اُٹھا کر فرمایا کہ جو شخص کسی (جائز اور بابرکت) کام سے پہلے بسم اللہ پڑھے گا میں اس کو ضرور برکت عطا فرماؤں گا۔ (رواہ ابن مردویہ عن جابر رضی اللہ عنہ)

- آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ازدواجی حقوق کی ادائیگی کے وقت جو اس طرح پڑھے: بسم اللہ اللھم جنبنا الشیطان وجنب الشیطان ما رزقتنا۔ "اللہ کے نام سے اے اللہ ہمیں شیطان سے بچا اور جو تو ہمیں (اولاد کا) رزق عطا فرمائے اس سے شیطان کو دور رکھ، تو شیطان اس (کی اولاد) کو کبھی نقصان نہ پہنچا سکے گا"۔

(بخاری، مسلم)

بلکہ ایک حدیث میں فرمایا کہ ایسی اولاد کی سانسوں اور نسلوں کی سانسوں کی تعداد برابر والدین کو نیکیاں ملیں گی (تفسیر کبیر بروایت ابی ہریرہ)

- حضور علیہ السلام نے فرمایا: کوئی بھی بابرکت کام اگر بسم اللہ سے شروع نہ کیا جائے تو اس سے برکت کو اُٹھا لیا جاتا ہے۔ (درمنثور جلد 1 صفحہ 26 بروایت ابی ہریرہ)

- ایک روایت میں ہے:

من قال بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لم یبق من ذنوبہ ذرۃ۔

"جو شخص بسم اللہ شریف پڑھ لے گا اس کے ذمے (صغیرہ) گناہ کا ذرہ بھی نہ رہے گا"۔

- اذا قال العبد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یذوب الشیطٰن کما یذوب الرصاص فی النار۔

"جو بسم اللہ شریف پڑھ لے تو شیطان ایسے پگھل جاتا ہے جیسے شیشہ آگ میں پگھلتا ہے"۔

- سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

طوبی لمن قال بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کیف ینغمس غذا فی جنت النعیم۔

''مبارک ہے اس کو جو بسم اللہ شریف پڑھتا ہے کہ وہ کل (قیامت کو) خدا کی نعمتوں میں جنت کے اندر ڈوبا ہوگا''۔

- حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

من قال بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم في عمره مرة لم يبق من معاصيه ذرة۔

''جو زندگی میں ایک بار بسم اللہ شریف پڑھے گا اس کے ذمے (صغیرہ) گناہوں کا ذرہ بھی نہیں رہے گا''۔

- ایک روایت حضرت ابوبکر صدیق سے یہ بھی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

من قال بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم كتب اللّٰه تعالىٰ له عشرة الاف حسنة ومحیٰ عنه عشرة الاف سيئة ورفع لهٗ عشرة الاف درجة۔

''جو شخص بسم اللہ شریف پڑھے گا اس کو دس ہزار نیکیاں ملیں گی دس ہزار گناہ معاف ہوں گے اور دس ہزار درجے بلند ہوں''۔

(وعظ بے نظر۔ مولانا محمد ضمیر الدین چاٹگامی)

بسم اللہ شریف کی تفسیر عیسوی:

- آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو جب ان کی والدہ تعلیم کیلئے معلم کے پاس لے گئیں تو معلّم نے بسم اللہ شریف لکھنے کو کہا، آپ نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم بھی ہے کہ بسم اللہ شریف کیا ہے؟ اس نے نفی میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا: سُن! بسم اللہ کی با ''بہاء'' یعنی حُسن حقیقی کا جلوہ ہے، سین اللہ کی ''سناء'' یعنی عظمت پر دلالت کر رہی ہے، میم اللہ کی مملکت اور حکومت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ لفظ اللہ احکم الحاکمین کا نام ہے الرحمٰن کا معنی دنیا و آخرت میں رحم کرنے والا اور الرحیم کا مطلب ہے دنیا میں ہر کسی پر رحم کرنے والا۔

(ابن جریر، ابن عدی، ابن مردویہ، ابونعیم، در منثور بروایت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ)

- تفسیر قرطبی میں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو بسم اللہ شریف لکھتے ہوئے دیکھ کر ارشاد فرمایا: اس کو عمدہ کر کے لکھو اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو صرف اس لئے بخش دیا تھا کہ اس نے بسم اللہ شریف کو خوبصورت کر کے لکھا تھا۔
- اسی طرح ایک شخص نے کاغذ پر بسم اللہ شریف لکھی دیکھی تو اس نے محبت سے چوما۔ آنکھوں سے لگایا تو اللہ نے اس کو بخش دیا۔
- قرآن پاک کے مطابق اللہ کے نبیوں علیہم السلام نے ہر کام شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھی یا لکھی جس طرح کہ نوح علیہ السلام نے اپنی کشتی طوفان میں ڈالتے ہوئے کہا: بسم اللہ مجرٖھا و مرسھٰا سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو خط لکھا تو آغاز اس طرح فرمایا: انہ من سلیمان و انہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بسم اللہ شریف کی برکت سے نوح علیہ السلام کا بیڑا سلامتی سے کنارے لگ گیا۔ اور ملکہ بلقیس مطیع ہو کر سلیمان علیہ السلام کے دربار مین حاضر ہوگئی۔

بسم اللہ شریف کے احترام نے شرابی کو ولی بنا دیا:

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بہت مشہور ہے کہ شراب خانے جا رہے تھے راستے میں کاغذ کا پرزہ ملا جس پر بسم اللہ شریف لکھی ہوئی تھی اُس کو اُٹھایا، چوما، دھویا اور خوشبو لگا کر بلند جگہ پہ رکھا اللہ نے دنیوی شراب غلیظ سے بچایا اور اپنے عشق کی شراب پلا کر ولیوں کا سردار بنا دیا۔ چنانچہ آپ کو حافی اس لئے کہا جاتا ہے کہ حافی کا معنی ہے ننگے پاؤں والا، جس وقت آپ نے بسم اللہ شریف کا احترام کیا تو آپ کے پاؤں میں جوتا نہ تھا تو آپ نے ساری عمر اسی حالت میں رہنا پسند فرمایا (آپ کا مقام یہ تھا کہ امام احمد بن حنبل بھی طریقت کے مسائل کیلئے ان کی طرف رجوع فرماتے تھے۔

(تذکرۃ الاولیاء صفحہ 68)

اور چوپائے بھی آپ کا احترام فرماتے تھے کہ آپ کے راستے میں تا حیات گوبر وغیرہ نہ کرتے۔ (احسن الوعاء صفحہ 137)

❁ المستدرک للحاکم جلد 1، صفحہ 738، حدیث 2071: حضرت ابن عباس اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما نے حضور علیہ السلام سے بسم اللہ شریف کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک ہے، اسم اعظم اور بسم اللہ کے درمیان ایسا ہی قرب ہے جس طرح آنکھ کی سیاہی اور سفیدی میں۔

❁ تفسیر نعیمی جلد 1 صفحہ 46 پہ ہے کہ جو شخص کسی جانور پہ سوار ہوتے وقت بسم اللہ اور الحمد للّٰہ پڑھ لے، جانور کے ہر قدم پر اس کیلئے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے۔ اسی طرح کشتی پہ سواری ہوتے وقت (یا کسی بھی سواری پہ سوار ہوتے وقت) اگر بسم اللہ اور الحمد للہ پڑھ لی جائے تو جب تک سوار رہے گا نیکیاں لکھی جاتی رہیں گی۔ (ایضاً)

شیطان کی طاقت و کمزوری کا راز:

اسرار الفاتحہ صفحہ 155 پہ ہے کہ ایک مرتبہ دو شیطانوں کی آپ میں ملاقات ہوئی ان میں سے ایک تو خوب موٹا تازہ تھا جبکہ دوسرا نہایت ہی دُبلا پتلا تھا موٹے شیطان نے پتلے شیطان سے پوچھا کہ تم نے اپنا کیا حال کر رکھا ہے اور تو اتنا کمزور کیوں ہے تو اس نے جواب دیا میری ڈیوٹی جس مسلمان پہ لگی ہوئی ہے وہ کھاتے پیتے وقت بسم اللہ پڑھ لیتا ہے جس کی وجہ سے مجھے اس کھانے سے کچھ بھی نصیب نہیں ہوتا بلکہ وہاں سے دور بھاگنا پڑتا ہے تو بتا تو اتنا صحت مند کیسے ہو گیا؟ تو اس نے کہا میں ایک ایسے مسلمان پہ مسلط ہوں کہ جو گھر میں داخل ہو تو بسم اللہ نہیں پڑھتا اور نہ ہی کھاتے پیتے وقت بسم اللہ پڑھتا ہے اس لئے مجھے کھانے پینے کا خوب موقع مل جاتا ہے اور یہی میری صحت کا راز ہے۔

شیطان کے نو شتونگڑے:

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے شیطان کی نو قسم کی اولاد کے نام بمعہ ان کے کام درج کئے ہیں۔ جو مندرجہ ذیل ہیں۔

1- زَلِیتُون: بازار میں اپنا جھنڈا گاڑ کر بیٹھا رہتا ہے اور بازار میں جتنے گناہ ہوتے ہیں سب اس کی کارستانی ہے۔
2- وَثِین: خلق خدا کو نا گہانی آفتوں میں پھنساتا رہتا ہے۔
3- لَقُوس: آتش پرستوں کے ساتھ رہتا ہے۔
4- اَعْوَان: حکمرانوں سے غلط فیصلے کرواتا ہے۔
5- ھَفّاف: شرابیوں کا مددگار۔
6- مُرّہ: گانے باجے بجانے والوں کا ساتھی و غمخوار۔
7- مُسَوّط: افواہیں اڑا کر لوگوں سے گناہ کرانے والا۔
8- وَلْھَان: وضو، نماز اور دیگر عبادات میں وسوسے ڈالنے والا (ایک حدیث میں نماز میں وسوسے ڈالنے والے کا نام خِنزَب بھی ہے۔)
9- داسِم: گھروں پہ مقرر ہے اگر کوئی گھر میں بغیر بسم اللہ شریف پڑھے داخل ہو تو ان کی آپس میں لڑائی کرا کے معاملہ مار کٹائی اور طلاق و خلع تک پہنچا دیتا ہے۔

جو شخص گھر میں داخل ہوتے وقت بسم اللہ شریف پڑھ کر پہلے دایاں پھر بایاں قدم رکھے اور گھر والوں کو سلام کہے اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو یوں کہے: السلام علیک ایھا النبی ورحمة الله و برکاته، اور ساتھ قل هو الله احد...... پڑھ لے تو اس کا گھر ہر قسم کی نحوستوں سے بچا رہے گا اور برکات کا نزول ہوگا۔ (مراۃ شرح مشکوۃ صفحہ 9 جلد 6)

کھانے پہ بسم اللہ شریف پڑھنے کی برکت:

ایک شخص نے کھانے کے آخری لقمے پہ بسم اللہ شریف پڑھی تو حضور علیہ السلام نے مسکراتے ہوئے فرمایا: شیطان اس کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا جب اس نے بسم اللہ پڑھی ہے تو شیطان نے جو کھایا تھا وہ اگل دیا۔ (ابوداؤد)

اسی طرح حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ حضور علیہ السلام کے ساتھ تھے جب کھانا کھانے لگے تو ابتداءً اتنی برکت دیکھی کہ جتنی کبھی کسی

کھانے میں نہ دیکھی تھی مگر آخر میں بڑی بے برکتی دیکھی چنانچہ ہم نے یہ معاملہ بارگاہِ رسالت میں عرض کیا تو آپ نے فرمایا: ابتداءً یہ برکت بسم اللہ شریف کی تھی اور آخر میں ایک شخص جو تمہارے ساتھ شامل ہوا اور اس نے بسم اللہ شریف نہ پڑھی تو اس کے ساتھ شیطان بھی شامل ہو گیا یہ ساری نحوست ان (دونوں) کی تھی۔

(شرح السنہ جلد 6، صفحہ 26 حدیث 2818)

اس سے ایک مسئلہ تو یہ معلوم ہوا کہ جس طرح ہمارا معدہ مکھی والا کھانا قبول نہیں کرتا اور فوراً قے آجاتی ہے، شیطان بھی بسم اللہ شریف والا کھانا قبول نہیں کرتا، اس لئے فوراً اگل دیتا ہے۔ تو جس کھانے پہ چاروں قُل سورۃ فاتحہ اور قرآن پاک کی دیگر آیات (شان مصطفیٰ اور عظمت اولیاء والی) پڑھ لی جائیں اس کو ''شیطان'' کیسے برداشت کر سکتا ہے؟ ؎ شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات

دوسرا مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی نگاہ پاک سے یہ بھی چھپا ہوا نہیں کیونکہ شیطان دوسروں کو نظر بھی نہیں آتا مگر آپ کو آتا، جاتا، کھاتا اور قے کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اسی لیے تو آپ نے مسکرا کر مندرجہ بالا ارشاد فرمایا۔

؎ میں کب کہتا ہوں اے زاہد کہ میں نے راز دیں سمجھا
فقط اتنا تو سمجھا ہوں کہ تو بھی کچھ نہیں سمجھا

بسم اللہ پڑھنے پر ثواب و جزا:

فردوس الاخبار جلد 4 صفحہ 26 حدیث نمبر 5573: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ بسم اللہ شریف پڑھنے والے کو ہر حرف کے بدلے چار ہزار نیکیاں ملتی ہیں، اس کے چار ہزار گناہ بخشے جاتے ہیں اور چار ہزار درجے بلند کر دیے جاتے ہیں۔

؎ بھرے خزانے رب دے فریدا: دوئیں ہتھیں لٹ

بسم اللہ شریف کی وجہ سے بخشش:

تفسیر عزیزی میں ہے کہ ایک بزرگ نے مرتے وقت وصیت کی کہ میرے کفن میں بسم اللہ شریف لکھ کر رکھ دینا تا کہ قیامت کے دن میں اپنے رب کی بارگاہ میں اس کی رحمت کے حصول کا تحریری ثبوت پیش کر سکوں۔ (تفسیر نعیمی پارہ اول صفحہ 46)

درمختار صفحہ 156 جلد 3 پہ ہے کہ ایک شخص نے وصیت کی کہ مرتے وقت میرے سینے اور پیشانی پہ (انگلی کے ساتھ نہ کہ سیاہی کے ساتھ) بسم اللہ شریف لکھ دینا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، جب دفن کیا گیا، فرشتے آئے اور پیشانی پہ بسم اللہ شریف لکھی دیکھی تو بولے تو عذاب سے بچ گیا۔

نزہۃ المجالس جلد 1 صفحہ 35 پہ ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص کو عذاب کے فرشتے پکڑے ہوئے ہوں گے، حکم ہوگا کہ اس کے اعضاء کو دیکھو، کوئی نیکی ہے؟ کوئی نہیں۔ زبان نکالے گا تو اس پر سفید خط میں بسم اللہ شریف لکھی ہوگی، اس پر اس کو بخش دیا جائے گا۔

بسم اللہ شریف نے جان بچالی:

ایک یہودن لڑکی نے بسم اللہ شریف کے فضائل سُنے تو اسلام قبول کر لیا، اب ہر وقت اس کی زبان پہ بسم اللہ کا ورد رہتا والدین جو کہ یہودی تھے سخت ناراض ہوتے تکالیف دیں مگر وہ باز نہ آئی تو یہودی والد نے اپنی ہی لڑکی پر کوئی الزام لگا کر قتل کروا دینے کا منصوبہ بنالیا۔ چنانچہ باپ نے (جو کہ بادشاہ کا وزیر بھی تھا) اس کو شاہی مہر والی انگوٹھی دی تو اس نے بسم اللہ پڑھ کر پکڑ لی اور جیب میں رکھ کر سو گئی، سوتے میں باپ نے وہ انگوٹھی نکالی اور دریا میں پھینک دی، اس کو مچھلی نے نگل لیا، صبح ماہی گیر نے مچھلی پکڑی اس نے لا کر وزیر کو تحفہ دی وزیر نے پکانے کیلئے اپنی اسی لڑکی کے حوالے کی اس نے بسم اللہ پڑھ کر مچھلی کا پیٹ چاک کیا تو وہی انگوٹھی مل گئی جو اس نے بسم اللہ

پڑھ کر پھر جیب میں ڈال لی، باپ کو مچھلی کھلائی اس نے کہا انگوٹھی لاؤ میں دربار شاہی میں جا رہا ہوں لڑکی نے بسم اللہ پڑھ کر جیب میں ہاتھ ڈالا اور انگوٹھی نکال کر باپ کے حوالے کر دی وہ حیران رہ گیا اور بسم اللہ کی برکت سے اِس لڑکی کی جان بچ گئی۔

(لمعانِ صوفیہ)

بسم اللہ شریف کو نگل لینے سے نجات ہوگئی:

نزہۃ المجالس جلد 1 صفحہ 27 پہ ہے کہ ایک شرابی شخص فوت ہوگیا تو اس کے بھائی نے اس کو خواب میں دیکھا کہ وہ جنت میں ٹہل رہا ہے تو اس نے کہا میں نے کاغذ کے ایک ٹکڑے پہ بسم اللہ لکھی دیکھی جس کو میں نگل گیا اسی وقت میں پانی میں گرا اور مر گیا، جب قبر میں فرشتے آئے اور انہوں نے مجھ سے سوال کی من ربك؟ تو میں نے عرض کیا: ابھی تو میرے رب کا نام میرے پیٹ میں ہی ہے چنانچہ غیب سے ندا آئی صدق عبدی قد غفرت له میرے بندے نے سچ کہا ہے میں نے اس کو بخش دیا ہے۔

سیدنا منصور بن عمار رحمۃ اللہ علیہ کی توبہ کا واقعہ یہ ہوا کہ انہوں نے بسم اللہ شریف لکھا ہوا کاغذ زمین پہ دیکھا اور احترام کے پیش نظر اس کو نگل لیا، رات خواب میں سُنا کہ کوئی اعلان کر رہا ہے "اس مقدس کاغذ کے احترام کی برکت سے ہم نے تجھ پہ حکمت کے دروازے کھول دیے"۔ (تیری توبہ قبول کر لی ہے) (رسالہ قشیریہ صفحہ 48)

بسم اللہ شریف کی برکت سے زہر نے اثر نہ کیا:

کتاب النصائح میں ہے کہ سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ کی لونڈی نے ایک مرتبہ آپ سے عرض کیا: کیا آپ جن تو نہیں؟ فرمایا نہیں۔ الحمد للہ میں تو انسانوں میں سے ہوں، اس نے کہا: میں آپ کو مسلسل چالیس دن سے زہر کھلا رہی ہوں اور آپ کھا رہے ہیں۔ مگر آپ کو تو کچھ بھی نہیں ہوا آپ نے فرمایا: جو ہر حال میں ذکر خدا کرتے رہتے ہیں ان کو کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی اور پھر میں تو اسم اعظم کے ساتھ ذکر کرتا ہوں (اور کھانا

کھانے سے پہلے تین بار یہ دیا پڑھتا ہوں) بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شئی فی الارض ولا فی السماء و ھو السمیع العلیم۔ اللہ ہی کے نام سے شروع کر رہا ہوں کہ جس کے نام کے ساتھ زمین و آسمان کی کوئی شئی نقصان نہیں پہنچا سکتی اور وہ سننے جاننے والا ہے۔ پھر آپ نے لونڈی سے پوچھا کہ تو ایسا کیوں کرتی رہی تو اس نے کہا مجھے آپ سے عداوت تھی اس لئے۔ آپ نے فوراً فرمایا کہ میں نے تجھے معاف بھی کیا اور آزاد بھی کیا۔ (حیات الحیوان الکبریٰ جلد 1 صفحہ 391)

عربی ادب کی کتاب جو دینی مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔

(قلیوبی حکایت 64 صفحہ 52)

میں حضرت ابو مسلم خولانی (جن کو مسلیمہ کذاب نے کہا کیا میں نبی نہیں ہوں؟ فرمایا مجھے سنائی نہیں دیتا، اس نے کہا کیا محمد اللہ کے رسول ہیں؟ فرمایا ہاں وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اس نے پھر کہا کیا میں رسول نہیں ہوں؟ فرمایا: مجھے سنائی نہیں دیتا، اس نے پھر پوچھا کیا محمد اللہ کے رسول ہیں؟ فرمایا ہاں کیوں نہیں وہ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ اس کو غصہ آیا اس نے آگ جلائی اور آپ کو آگ میں پھینک دیا اللہ کے حکم سے آگ گلزار ہوگئی آپ جب مدینہ حاضر ہوئے تو حضرت عمر نے سینے سے لگایا، پیشانی چومی اور فرمایا اللہ نے تیرے ساتھ تو ابراہیم علیہ السلام والا معاملہ کیا ہے) کے بارے میں بھی ایسا ہی واقعہ ہے کہ آپ کی لونڈی عرصہ دراز تک آپ کو زہر دیتی رہی، اور آپ بالکل محفوظ رہے، آخر اس نے پوچھا کہ آپ کے بہت بوڑھا ہونے کی وجہ سے میں آپ سے جان چھڑانے کیلئے کئی دنوں سے آپ کو زہر دے رہی ہوں آپ پر اثر کیوں نہیں ہو رہا؟ فرمایا: اس لیے کہ میں کھانا کھانے سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھتا ہوں۔

تفسیر کبیر جلد 1 صفحہ 152 پہ ہے کہ فرعون نے خدائی کا دعویٰ کرنے سے پہلے ایک محل بنایا تھا اور اس کے مین گیٹ پہ بسم اللہ شریف لکھوائی جب اس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور موسیٰ علیہ السلام نے اس کو بہت سمجھایا مگر نہ مانا تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ

میں عرض کیا اے اللہ اس سے اب واپس حق کی طرف آنے کی امید نہیں رہی اس کو تباہ کر دے۔ اللہ نے فرمایا! اے پیارے موسیٰ مجھے تو اس کے محل کے دروازے پہ اپنے نام کی حیاء آ رہی ہے (یعنی اس کو اس محل سے باہر ہی مارا جائے گا)۔

جنّت کی چابی:

معراج کی رات نبی اکرم ﷺ نے جنت میں ایک بہت ہی خوبصورت قبّہ دیکھا جو سفید موتی کی طرح چمک رہا تھا اور اتنا بڑا تھا کہ تمام جن اور انسان اس پر جمع ہو جائیں تو پہاڑ کی چوٹی پر ایک پرندے کی طرح دکھائی دیں، آپ ﷺ اس کو دیکھ کر واپس جانے لگے تو کسی نے کہا: اس کے اندر کیوں نہیں جاتے؟ آپ نے فرمایا: اس کو تو تالا لگا ہوا ہے، عرض کیا گیا: بسم اللہ شریف اس کی چابی ہے۔ آپ نے بسم اللہ شریف پڑھی تو تالا کھل گیا۔ فیھا انھر من ماء غیر اسن۔ اس میں بسم اللہ شریف کے لفظ اللہ کی "ھا" سے صاف وشفاف پانی کی ایک نہر پھوٹ رہی تھی و نھر من خمر لذۃ لشار بین۔ دوسری نہر شراب طہور کی جو پینے والوں کو لذت دے، الرحمٰن کی میم سے نکل رہی تھی۔ ونھر من عسل مصفّٰی۔ تیسری نہر خالص شہد کی الرحیم کی میم سے جاری تھی۔ حکم ہوا کہ آپ کا امتی جو ان ناموں سے مجھے یاد کرے گا میں اس کو ان نہروں سے پانی پلاؤں گا۔

بسم اللہ کی برکت سے ظاہری غذا کی ضرورت نہ رہی:

روضۃ الاصفیاء میں لکھا ہے کہ مکہ معظّمہ میں ایک مجاور تھا صائم الدہر قائم اللّیل روزہ نماز کے سوا کبھی اس کو کسی نے دنیا کے کام کرتے نہیں دیکھا تھا بلکہ کسی نے کبھی اس کو کھاتے اور پیتے بھی نہیں سنا تھا، افطار کے وقت ایک کاغذ کا پرچہ اپنی جیب سے نکال کر نظر بھر کے اسے خوب دیکھ بھال کے پھر اپنی جیب میں رکھ لیتا تھا جب اُس نے انتقال کیا غسل دینے والے نے اس پرچہ کاغذ کو اس کی جیب سے نکال لیا اس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی تھی اس کی قوت وزور پر اس شخص کی زندگی تھی کھانے پینے سے کچھ مطلب نہ تھا۔ دیکھنے والوں کو اس بات پر نہایت تعجب آیا تو کہنے والے نے غیب سے

بآواز بلند فرمایا:

لا تعجبوا یا عجباہ لانا بالالوھیۃ ربیناہ وبالرحمۃ وقفناہ وبالرحیمیۃ غفرناہ۔

''نہ تعجب کرو تم اے تعجب کرنے والو اس واسطے کہ ہم نے اپنی الوہیّت سے اس کی پرورش کی اور ہم نے اپنی رحمانیت سے اس کو توفیق دی اور ہم نے اپنی رحیمیت سے اس کو بخشا''۔

سبحان اللہ! کیا پرورش اور مہربانی ہے کہ بسم اللہ شریف کی برکت سے کیا کیا شرف بندوں کو مرحمت فرمائے، شاعر لکھتے ہیں: (مثنوی)

ہر کر اشد تسمیہ تعویذ جان
می دہد رزقش خدا خود از جناں

دوزخ سے آزادی:

اسرار الفاتحہ میں لکھا ہے کہ ایک اعرابی نے جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہو کر عرض کی:

یا رسول اللہ تظاھر علیّ ذنبی فاستغفرلی۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بڑا گناہگار ہوں خداوند کریم سے میرے واسطے مغفرت مانگئے''۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِقْرَاْ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط یعنی تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو پڑھا کر، وہ ارحم الراحمین تیرے گناہ بخش دے گا۔ مولانا روم فرماتے ہیں:

دادِ حق را قابلیت شرط نیست
بلکہ شرطِ قابلیت دادِ اوست

پھر اس اعرابی نے متعجب ہو کر عرض کیا:

اَبَدًا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ
"بس اتنا ہی سا، یارسول اللہ"۔

جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو مسلمان مرد ہو یا عورت سچے یقین سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا وظیفہ پڑھا کرے گا تو پاک پروردگار اپنے فضل و کرم سے اس بندہ کو دوزخ سے آزاد کر دے گا۔ (مثنوی)

تسمیہ را ورد جاں باید مدام
آتشِ دوزخ کند بر خود حرام

اللہ تعالیٰ بطفیل بسم اللہ ہم کو اور ہمارے بھائیوں اور مسلمانوں کو اپنی سیدھی راہ نصیب کرے خدمت اور محبت میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی ہمیشہ رکھے۔ آمین یارب العالمین ثم آمین۔ اس لیے شاعر کیا ہی خوب لکھتا ہے۔ (مثنوی)

ہر کہ عزت تسمیہ را می دہد
حق بخاصان خودش شامل کند

بسم اللہ کی برکت سے یہودی جوڑے کو ایمان نصیب ہوگی:

ایک یہودی لڑکا ایک یہودن لڑکی کے عشق میں مبتلا ہو گیا، اس کی حالت دیوانوں کی سی ہوگئی ایک دن حضرت سیدنا عطاء الاکبر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور ان کو اپنا حال سنایا، آپ نے کاغذ کے پرزے پہ بسم اللہ شریف لکھ دی اور فرمایا اسے نگل لے۔ اس نے جب بسم اللہ شریف والا کاغذ نگل لیا تو اس کے اندر تو ایک انقلاب آ گیا اور عرض کیا مجھے کلمہ پڑھا دیجیے، جب یہودن (معشوقہ) نے یہ بات سُنی تو رات کو سوئی اور اس کو خواب آیا کہ اگر تو جنت میں اپنا ٹھکانہ دیکھنا چاہتی ہے تو تُو بھی حضرت عطاء الاکبر کی خدمت میں حاضر ہو جا، صبح اُٹھی تو حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ مجھے جنت میں میرا ٹھکانہ دکھائیں فرمایا جنت کا دروازہ کھولنے کیلئے چابی کی ضرورت ہے اور وہ ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم چنانچہ اس کو بھی ایمان نصیب ہو گیا، اسی

رات سوئی تو جنت میں ایک محل دیکھا جس پر کلمہ طیبہ لکھا ہوا تھا اور کوئی کہہ رہا تھا یہ تیرا ہے، بیدار ہوئی تو دعا کی اے اللہ! تو نے مجھے جنت سے کیوں نکال دیا۔ اپنی قدرت سے مجھے غم دنیا سے نجات دے دے چنانچہ ابھی دعا ختم نہ ہوئی تھی کہ گھر کی چھت گری اور نیچے آ کر شہید ہوگئی اور بسم اللہ کی برکت سے جنت میں چلی گئی۔

(قلیوبی صفحہ 22، 23 حکایت 26)

خدا تعالیٰ اس جوان جوڑے کے عشق صادق کا صدقہ ہمارے دور کے بھٹکے ہوئے جوانوں کو بھی اپنے عشق کا قبلہ درست کرنے کی توفیق عطا فرمائے، علامہ اقبال نے اپنی مشہور زمانہ دعا میں دربارِ خداوندی میں یہی رونا رویا ہے۔ آپ بھی ذرا رو لیں ہوسکتا ہے قبول ہو جائے کیونکہ ۔ جو بات دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

یا رب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے
بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل
اس شہر کے خوگر کو پھر وسعت صحرا دے
اس دور کی ظلمت میں ہر قلب پریشاں کو
وہ داغ محبت دے جو چاند کو شرما دے
بے لوث محبت ہو بے باک صداقت ہو
سینوں میں اجالا کر دل صورت مینا دے
میں بلبل نالاں ہوں اس اجڑے گلستاں کا
تاثیر کا سائل ہوں، محتاج کو، داتا! دے

بسم اللہ شریف کے چند اعمال:

۞ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جو شخص گھر کا دروازہ بند کرتے وقت بسم اللہ شریف پڑھ لے گا اس کا گھر شیطان اور سرکش جنون سے

محفوظ ہو جائے گا۔ (مفہوم)

- کھانے پینے کے برتنوں کو ڈھکنے کیلئے کوئی چیز اگر نہ ہو تو بسم اللہ شریف کا پڑھنا کافی ہے۔ (ایضاً)
- کاروبار اور لین دین میں بسم اللہ شریف پڑھ کر لیا دیا جائے تو انشاء اللہ خوب برکت ہوگی۔
- رات کو سونے سے پہلے بسم اللہ پڑھ لی جائے اور تین بار بستر جھاڑ لیا جائے تو ہر قسم کی موذی چیزوں سے حفاظت ہوگی۔
- کپڑے اتارنے سے قبل بسم اللہ پڑھ لی جائے تو جنات ستر نہیں دیکھ سکیں گے۔

(عمل الیوم واللیلۃ لابن سنی صفحہ 8)

- سر میں تیل لگاتے وقت بسم اللہ شریف پڑھ لی جائے تو انسان ستر شیطانوں کی نحوست سے بچ جائے گا۔
- بلا ناغہ سات دن متواتر سات سو چھیاسی مرتبہ بسم اللہ شریف پڑھنے سے ہر جائز حاجت پوری ہوگی۔ ان شاء اللہ
- کسی ظالم کا سامنا ہو تو پچاس مرتبہ بسم اللہ شریف پڑھنے سے اس ظالم کے دل میں اس (بسم اللہ پڑھنے والے) کی ہیبت بیٹھ جائے گی۔
- کمزور ذہن والا اگر 786 بار بسم اللہ پڑھ کر پانی پہ دم کر کے پی لے تو حافظہ مضبوط ہوگا۔ (انشاء اللہ)
- قحط سالی کے خاتمے اور طلب باراں کیلئے اکسٹھ مرتبہ بسم اللہ شریف پڑھ کر دعا کی جائے تو انشاء اللہ خشک سالی دور ہوگی اور باران رحمت کا نزول ہوگا۔
- کاغذ پہ 35 مرتبہ بسم اللہ شریف لکھی جائے اور گھر یا دوکان میں لٹکا دیں تو گھر محفوظ رہے، دوکان خوب چلے اور شیطان کے شر سے امن ہوگا۔ انشاء اللہ۔
- بچے اگر زندہ نہ رہتے ہوں تو اکسٹھ بار بسم اللہ شریف لکھ کر اس عورت کو تعویذ دیا جائے۔ (شمس المعارف صفحہ 73،74 از شیخ احمد بن علی بونی رحمۃ اللہ علیہ)

مندرجہ ذیل دعائیہ اشعار پر بسم اللہ شریف کا درس مکمل کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

تو نفس نفس میری کر مدد — تو قدم قدم میرا ساتھ دے
مجھے ہر ملال سے دور رکھ — مجھے ہر الم سے نجات دے
جو بصیرتوں کو حسیں کرے — جو سماعتوں میں چمن بھرے
میرے ذہن و دل کو وہ سوچ دے — میرے نطق و لب کو وہ بات دے
ہرے موسموں میں گذر کروں — بھرے گلشنوں میں بسر کروں
مجھے نخل سبز میں ڈھال دے — مجھے پھول دے مجھے پات دے
مجھے سیم و زر کی طلب نہیں — مجھے منصبوں کی ہوس نہیں
میرے دشمنوں کو شریف کر — مجھے دوست نیک صفات دے
تیرے باغ و راغ کی خیر ہو — تیرے سارے پھول کھلے رہیں
مِرے خار کو گلِ تر بنا — میرے گل کو رنگ ثبات دے
میں کسی کے کام نہ آسکوں — تو بجھا دے شعلۂ جاں مرا
میں کسی کو راہ دکھا سکوں — تو مجھے چراغِ حیات دے
میری ارض پاک میں چار سو — رہے پیار، امن، سلامتی
وہ جو خیر خواہِ وطن نہ ہو — اسے موت دے اسے مات دے

(عاصی کرنالی)

اللھم انك مليك مقتدر ما تشاء من امر يكون فاسعد نی فی الدارين و كن لی ولا تكن علی وانصر نی علی من بغٰی علی واعذنی من هم الدين و قهر الرجال وشماتة الاعداء وصل اللهم وسلم علی سيدنا محمد وعلی اٰله وصحبه اجمعين۔ والحمد لله رب العالمين۔

تیسرا درس

اللّٰھم انی احمدك حمدا كما حمدت واثنیٰ علیك كما اثنیت و اصلی و اسلم علی سید العالم من بنی عدنان الذی رتل القران بافصح البیان و اصدق تبیان وعلی اله و اصحابه و ذریاته یا ذاالجود والاحسان۔ اما بعد:

فاعوذ باللّٰه من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم

قال اللہ تبارك و تعالیٰ فی شان حبیبه مخبرا و أمرا ان اللّٰه و ملائکته یصلون علی النبیؕ یاایھا الذین امنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما۔

الصلوۃ و السلام علیك یا رسول اللّٰه

وعلی الك و اصحابك یا حبیب اللّٰه

تعارف سورۂ فاتحہ

کثرت اسماء کثرت فضائل پہ دلالت کرتے ہیں جس طرح کہ ایک بندہ عالم بھی ہو حافظ بھی ہو قاری بھی ہو مفتی بھی ہو تو جتنے نام زیادہ ہوں گے اتنی اس کی شانیں زیادہ ہوں گی۔ چنانچہ سورۂ فاتحہ کے بیس سے زیادہ نام ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں۔

1-فاتحہ الکتاب:

اس کو فاتحہ الکتاب اس لیے کہتے ہیں کہ اس سورۃ سے قرآن پاک کا، تعلیم قرآن کا، نماز میں قرآت کا افتتاح ہوتا ہے اور ایک قول کے مطابق نزول کے اعتبار سے سب سے پہلی سورت بھی یہی ہے حضور علیہ السلام نے کئی احادیث میں اس کو فاتحہ الکتاب فرمایا۔ جیسے لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب۔ (ترمذی صفحہ 63)

خود لفظ فاتحہ فتح سے ہے جن کا معنیٰ ہے کھولنا، اس کھولنا کی کئی توجیہات کی گئی ہیں مثلاً یہ سورۃ مشکلات کو کھولنے (ختم کردینے) والی ہے۔ برکات کا دروازہ کھولنے والی ہے، غیبی علوم و ہدایت کا راستہ کھول دیتی ہے، مشکلات و مہمات کو کھول کر غلبہ و تسلط عطا کرتی ہے۔ شبہات کو کھول کر انکشاف حق کرتی ہے۔ یہ تمام توجیہات و معانی مفردات امام راغب اور دیگر کتب تفاسیر میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ امام راغب نے یہ بھی لکھا ہے فاتحہ کل شئی مبدأہ الذی یفتح بہ ما بعدہ۔ ہر شئی کا فاتحہ اس کا نقطۂ آغاز ہے جس سے اس کا مابعد کھلتا ہے۔

2-امّ القرآن:

ام کا معنیٰ اصل و مقصود ہے اور قرآن کا مقصود چار موضوعات ہیں الوہیّت، معاد، نبوت، قضا و قدر اور اس سورت میں اجمالاً یہ چاروں موضوعات بیان ہوئے۔ پہلی دو آیات میں الوہیت۔ تیسری میں معاد، چوتھی میں قضا و قدر اور اس کے بعد والی آیات میں نبوّت کیونکہ انعام یافتہ بندوں میں پہلا درجہ انبیاء کرام علیہم السلام کا ہے۔ انعم اللہ علیھم من النبیین حضور علیہ السلام نے خود اس سورت کو ام القرآن، ام الکتاب اور سبع مثانی فرمایا ہے۔ (سنن دارمی جلد 2، صفحہ 321)

لا صلوۃ لمن لم یقرأ بام القرآن۔ (مسلم شریف جلد 1، صفحہ 169)

3-ام الکتاب:

بخاری شریف میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہے کہ میں نے بچھو کے

کاٹے ہوئے کو ام الکتاب (سورۃ فاتحہ) کے ساتھ دم کیا۔ (جلد 2 صفحہ 749)

4-السبع المثاني:

اس سورت میں سات آیات ہیں اور چونکہ صرف یہی آیات دو بار نازل ہوئیں اس لئے اس کو مثانی کہا گیا یا نماز کی پہلی دو رکعتوں میں (جو کہ اصل نماز ہیں) اس سورۃ کو دو بار پڑھا جاتا ہے، حدیث میں ہے ابتداءً ہر نماز دو رکعتیں تھی پھر سفر میں وہی دو قائم رہیں اور حضر میں اضافہ کیا گیا یا اس سورت کے دو حصے ہیں پہلے میں اللہ تعالیٰ کی صفت وثنا اور دوسرے میں دعا ہے، یا اس سورت کو پڑھنے کے بعد ہی نماز میں کوئی دوسری سورت پڑھی جاتی ہے، ان وجوہات کی بنا پر اس کا نام مثانی رکھا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ولقد اتیناك سبعا من المثاني۔ (الحجر، صفحہ 87)

5-الوافيه:

اس سورت کے مضامین میں بہت جامعیت ہے اس لئے اس کا نام وافیہ رکھا گیا۔ نیز اس سورت کو نماز میں آدھا آدھا کر کے نہیں بلکہ پورا پڑھا جاتا لہٰذا اس کا نام الوافیہ ہوا۔

6-الكافيه:

حدیث شریف میں ہے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ام القرآن دوسری سورتوں کا عوض ہے (دوسری سورتوں کے بدلے اس کو پڑھا جا سکتا ہے) اور دوسری کوئی سورت اس کا بدل نہیں (اس سورت کے بدلے کسی دوسری سورت کو نہیں پڑھا جا سکتا)۔

(تفسیر کبیر جلد 1 صفحہ 90)، (الجامع لاحکام القرآن جلد 1 صفحہ 113)

قرآن مجید کے تمام مضامین کی نشاندھی کیلئے یہ سورۃ کافی ہے مثلاً اللہ کی ذات و صفات کے مضامین الحمد سے لیکر الرحیم تک آگئے قیامت سے متعلقہ مضامین

مالک یوم الدین میں ہیں، عبادت واحکام کا خلاصہ ایاک نعبد میں رکھ دیا گیا۔ اعلیٰ انسانی اخلاقیات کی تعلیمات اھدنا الصراط المستقیم میں جلوہ گر ہیں۔ انبیاء سابقین وصلحاء امم سابقہ جن کے حالات وواقعات جابجا پورے قرآن پاک میں ملتے ہیں ان کا خلاصہ صراط الذین انعمت علیھم میں موجود ہے۔ اور پہلی قوموں کے نافرمانوں کا تذکرہ غیر المغضوب علیھم ولاالضالین میں آ گیا۔ گویا سورۃ فاتحہ اجمال ہے اور پورا قرآن اس اجمال کی تفصیل ہے۔

7-الشفاء:

حدیث میں ہے کہ سورۂ فاتحہ ہر بیماری کا علاج ہے۔ (دارمی جلد 2 صفحہ 320)

چونکہ اس سورت میں اصول وفرع کا ذکر ہے لہٰذا اس پر ایمان وعمل رکھنے والا روحانی وجسمانی امراض سے محفوظ رہے گا۔ ایمان والا چونکہ اس سورت کو پورے یقین کے ساتھ پڑھتا ہے اللہ کی ثناء اور دعا کرتا ہے جس سے اس کی جسمانی وروحانی ہر طرح کی بیماریوں کا علاج ہوتا رہتا ہے اور منافق چونکہ ایمان ویقین کی دولت سے عاری ہے اس لئے فرمایا گیا: فی قلوبھم مرض فزادھم اللّٰہ مرضا۔ اس کی بیماری میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

8-سورۃ الحمد:

سنن دارمی کی روایت کے مطابق حضور علیہ السلام نے خود اس سورۃ کو سورۃ الحمد فرمایا ہے، یہ وہ پہلی سورۃ ہے کہ جس کا آغاز الحمد للہ سے ہوا۔

9-سورۃ الصلوۃ

حدیث شریف میں صرف اسی سورۃ کو صلوۃ فرمایا گیا: قسمت الصلوۃ بینی و بین عبدی نصفین ولعبدی ما سأل۔ اللہ فرماتا ہے میں نے نماز یعنی (سورۃ فاتحہ) کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیاں تقسیم کر دیا ہے میرا بندہ جو مانگے گا اس کو ملے گا۔

(اس حدیث کی تفصیل فضائل میں آئے گی۔ انشاءاللہ) (مسلم شریف جلد 1 صفحہ 170,169)

10- سورۃ الدعاء:

چونکہ اس سورت میں دعا مانگنے کا سب سے عمدہ طریقہ بتایا گیا ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہو۔ پھر بندے کی عاجزی و بندگی کا ذکر ہو پھر صراط مستقیم پہ گامزن رہنے کی دعا کی جائے۔

اس سورۃ کے باقی نام اس طرح ہیں۔

اساس، کنز، واقیہ، رقیہ، شکر، فاتحہ القرآن، تعلیم المسئلہ، سورۃ السوال، سورۃ المناجاۃ، سورۃ التفویض، سورۃ النور، شافعیہ۔ (نظم الدرر جلد 1 صفحہ 19,20)

سورۂ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ اور بندوں کے ناموں کی تقسیم:

پھر جس طرح اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ کے کئی نام (صراحتاً و اشارۃً) مذکور ہوئے اللہ تعالیٰ کے ہر نام کے ساتھ بندے کا بھی ایک نام سمجھ میں آ رہا ہے۔ مثلاً اللہ محمود ہے (الحمدللہ) تو بندہ حامد ہے۔ وہ رب ہے تو بندہ مربوب ہے اللہ خالق ہے تو بندہ مخلوق ہے، بندہ مدد چاہنے والا اور اللہ مدد فرمانے والا، اللہ تعالیٰ رحمان الدنیا و الاخرۃ ہے، تو بندہ محتاج فی الدنیا و الاٰخرۃ ہے بندہ مطیع ہے اللہ تعالیٰ مطاع، بندہ مملوک و محکوم ہے اللہ تعالیٰ مالک و حاکم، اللہ تعالیٰ مُنعِم (انعمت) ہے، بندہ منعم علیہ ہے، اللہ تعالیٰ ہادی ہے (اھدنا الصراط المستقیم) بندہ طالب ہدایت، اللہ تعالیٰ نافرمانوں (مغضوب علیھم اور ضالین) کیلئے قہار ہے اور وہ مستحق قہر و غضب اور مغضوب و مقہور ہو کر ضلالت و گمراہی کے سزاوار ہیں۔ گویا بارہ صفات بندے کی اور بارہ صفات اس صورت میں نمایاں طور پر اللہ تعالیٰ کی بیان ہوئی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ محمود، الہ، رب، رحمان، رحیم، مالک، معبود، مستعان، ہادی، مُنعِم، قہار و مضل ہے اور بندہ حامد، مخلوق، مربوب، دنیا و آخرت میں اس کے محتاج، مملوک و محکوم، عابد و مطیع، مستعین و مستمد (مدد

چاہنے والا) طالب ہدایت یاہدایت یافتہ، منعم علیہ یا انعام یافتہ مستحق قہر وغضب، مستحق ضلالت وگمراہی قرار پایا۔

سورت فاتحہ کو پورے قرآن کا خلاصہ اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ ساری کائنات اسماء الٰہیہ کاظہور ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ایک نام کے معانی کی وسعتوں پہ غور کیا جائے تو ساری کائنات اس میں سمائی ہوئی نظر آتی ہے لہٰذا یہ سورۃ نہ صرف پورے قرآن کا خلاصہ ہے بلکہ اسرار کائنات کا بھی خلاصہ ہے۔اس میں حمد وذکر بھی ہے، رحمت پہ نظر بھی ہے، اس میں فکر آخرت واحساس حساب وکتاب بھی ہےاور ذات باری پہ بھروسہ وتوکل کرنے کا سبق بھی ہے اس میں شوق عبادت، طلب توفیق عمل بھی ہے اور طلب ہدایت واستقامت علی الصراط المستقیم کا تذکرہ بھی ہے، اس میں احتباب من الحرام وصحبت گمراہوں سے بچنے کی تلقین بھی ہےاور اہل اللہ کی پیروی کا حکم بھی ہے۔

مسائل فاتحہ (فاتحہ خلف الامام):

- امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں بلکہ واجب ہے کہ اگر بھول کر نہ پڑھ سکا تو سجدۂ سہو سے نماز ہو جائے گی دوسرے تین آئمہ کے نزدیک فرض ہے۔
- مقتدی کیلئے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ممنوع ہے جس پر بے شمار دلائل ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں۔

قرآن مجید میں فرمایا گیا واذا قری القران فاستمعو اله و انصتوا لعلکم ترحمون۔ (الاعراف:204) اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور چپ رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

تفاسیر میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو امام کے ساتھ قرآت کرتے ہوئے پایا تو ارشاد فرمایا: اما ان لکم ان تفقهوا و اذا قری فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمونه کما امر کم الله۔ کیا ابھی اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو

سمجھنے کا تمہارے لئے وقت نہیں آیا کہ جب قرآن پڑھا جائے تو تم چپ ہو کر غور سے سنو۔ (خازن جلد 2 صفحہ 165)

جس طرح ابتداء نماز میں گفتگو کرنا جائز تھا پھر وقومو اللّٰہ قانتین سے گفتگو کرنے سے روک دیا گیا۔ اسی طرح مذکورہ آیت کے ذریعے فرض نماز میں مقتدی کو قرأت کرنے اور سورۃ فاتحہ پڑھنے سے بھی منع فرمایا گیا۔ جیسا کہ تفسیر ابن عباس میں ہے۔ اور مدارک میں ہے وجمہور الصحابۃ علی انہ فی استماع المؤتم۔ جمہور صحابہ کرام اس آیت کو مقتدی کیلئے قرأت نہ کرنے بلکہ قرآن سننے کو لازم کرنے پر محمول فرماتے۔ (جلد 2 صفحہ 165)

❁ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: من صلی رکعۃ لم یقرأ فیھا بام القرآن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام۔ (ترمذی)
جس نے نماز کی کسی رکعت میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہ ہوئی ہاں مگر جبکہ امام کے پیچھے ہو۔

❁ مسلم شریف میں ہے حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ (تابعی) نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ کیا امام کے ساتھ (مقتدی) قرات کرسکتا ہے؟
فرمایا: لا قراۃ مع الامام فی شئی۔ امام کے ساتھ کسی شئی میں مقتدی کیلئے کوئی قرات نہیں۔ (نہ فاتحہ نہ کچھ اور) (جلد 1 صفحہ 215 باب سجود التلاوۃ)

❁ سنن دار قطنی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: جس نے امام کی پشت سیدھی ہونے سے پہلے امام کو رکوع میں پالیا اس نے نماز (کی اس رکعت) کو پالیا۔ (جلد 1 صفحہ 347)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر مقتدی کیلئے بھی سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہ ہونے کا حکم لگایا جائے تو مقتدی کی وہ رکعت کیسے ہوگئی۔

ثابت ہوا کہ امام و منفرد کیلئے ہر رکعت میں فاتحہ ضروری ہے اور لا صلوۃ لمن لم

يقرأ بفاتحة الكتاب انہی کیلئے ہے اور مقتدی کیلئے فاستمعوا له وانصتوا کا حکم ہے۔ چاہے امام قرات اونچی آواز سے کر رہا ہو یا آہستہ آواز سے کیونکہ قریٰ کا معنیٰ ہے جب قرآن پڑھا جا رہا ہو اس میں آہستہ اور اونچی آواز کی قید نہیں ہے۔

- نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ بطور دعا پڑھنا جائز ہے اور بطور تلاوت منع ہے۔ جس طرح کہ جنبی اور حیض و نفاس والی عورت بطور دعا قرآن پاک کے کچھ الفاظ پڑھ سکتی ہیں نہ کہ بطور تلاوت۔

سورۂ فاتحہ کے فقہی مسائل کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فضائل فاتحہ بیان کرنے سے پہلے اس سورۃ کا شان نزول بیان کر دیا جائے۔ چنانچہ سورۂ فاتحہ کا شان نزول اس طرح ہے۔

سورۃ فاتحہ کا شانِ نزول:

اس بارے میں مختلف روایات ہیں۔ بعض کے مطابق یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے اور بعض کے مطابق مدینہ منورہ میں۔ ایک غریب روایت ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں اور امام بیہقی و ابونعیم نے اپنی اپنی دلائل النبوۃ میں ذکر کی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: جب میں تنہا ہوتا ہوں، تو ایک آواز سنتا ہوں، واللہ میں ڈرتا ہوں کہ یہ کوئی معاملہ نہ ہو، چنانچہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ورقہ (بن نوفل) کے پاس بھیجا۔ آپ (ﷺ) نے اسے بتایا کہ میں تنہائی میں سنتا ہوں کوئی مجھے پکارتا ہے یا محمد! یا محمد! تو میں بھاگ جاتا ہوں۔ ورقہ نے کہا: آئندہ یہ آواز آئے تو آپ ٹھہرے رہیں اور سنیں وہ آپ کو کیا کہتا ہے۔ چنانچہ پھر تنہائی میں آپ کو یہ آواز آئی یا محمد کہو "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ رب العلمین"۔ آگے اس نے "ولا الضالین" تک پڑھا۔ پھر کہا یہ کہو "لا الہ الا اللہ" آپ نے ورقہ کو آ کر یہ بتایا تو اس نے کہا: آپ کو بشارت ہو، پھر بشارت ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ہی وہ رسول ہیں جن کی

بشارت حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہا السلام نے دی اور آپ کے پاس بھی ناموس موسیٰ علیہ السلام کی مثل چیز ہے اور آپ اللہ کے بھیجے ہوئے نبی ہیں۔ (درمنثور جلد 1 صفحہ 10)

اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلی وحی یہی سورۃ فاتحہ ہے۔ اور اسی سے نزول قرآن کا آغاز ہوا مگر امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں ارسال ہے اور اس میں غرابت ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد سوم صفحہ 10 مطبوعہ دار الدیان قاہرہ مصر) یعنی یہ روایت بخاری شریف کی بدء وحی والی حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے معارضہ نہیں کرسکتی کیونکہ وہ حدیث مرفوع وصحیح ہے اور اس کے مطابق پہلی وحی قرآنی "اقرا باسم ربك الذی خلق" ہے۔ اسی طرح مصر کے ایک معاصر مفسر ابن خلیفہ فاضل جامعہ ازہر کا بھی کہنا ہے کہ اس روایت کی سند سے صحابی کا نام ساقط ہے۔ اس لئے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کا معارضہ نہیں کرسکتی اور اگر اسے صحیح مان لیا جائے تو یہ پہلی قرآنی وحی کے بعد اترنے والی دوسری قرآنی وحی ہے۔ (جامع النقول فی اسباب النزول جلد اول صفحہ 27 مطبوعہ ریاض)

بہرحال خود قرآن کریم سے ثابت ہے کہ سورۃ فاتحہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ چنانچہ قرآن میں ہے "ولقد اتینك سبعا من المثانی و القران العظیم"۔ اور ہم نے آپ کو سات آیتیں دیں جو بار بار دہرائی جاتی ہیں اور قرآن عظیم دیا۔ (حجر: 87) اور حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "الحمد لله رب العلمین"۔ یہی ام القرآن ہے یہی ام الکتاب اور یہی السبع المثانی ہے۔ اس حدیث کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بخاری، دارمی، ابوداؤد، ترمذی وغیرہ ہم نے روایت کیا ہے (درمنثور جلد اول صفحہ 13) اور سورۂ حجر مکی سورت ہے۔ جس کا یہ مضمون ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۃ فاتحہ دی گئی، تو سورۃ فاتحہ کا مکہ میں نازل ہونا ظاہر ہوگیا، پھر نماز پنجگانہ مکہ مکرمہ میں فرض ہوئی شب معراج نماز فرض کی گئی اور اس امر کی کوئی دلیل نہیں کہ پہلے نماز سورۃ فاتحہ کے بغیر پڑھی جاتی تھی۔ یہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ فرضیت نماز سے قبل سورۃ فاتحہ نازل ہو چکی تھی۔

لیکن ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور طبرانی نے اوسط میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب سورۃ فاتحہ اتری تو شیطان بہت رویا اور یہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ اسی طرح وکیع اور فریابی نے اپنی اپنی تفسیر میں۔ ابو عبیدہ نے فضائل القرآن میں، ابن ابی شیبہ نے مصنف میں، ابن منذر نے اپنی تفسیر میں، ابوبکر بن انبازی نے کتاب المصاحف میں اور ابو نعیم نے الحلیہ میں متعدد طرق کے ساتھ مجاہد سے روایت کیا ہے کہ سورۃ فاتحہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ (درمنثور جلد اول صفحہ 11)

اس لیے ممکن ہے کہ مدینہ طیبہ میں اسے دوبارہ نازل کیا گیا ہو۔ بعض دیگر آیات کا بھی متعدد بار نازل ہونا ثابت ہے۔ (تفسیر بینات القرآن)

فضائلِ فاتحہ

بے مثال سورۃ:

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لابی بن کعب كيف تقرا فی الصلوة فقرا ام القران فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم والذی نفسی بيده ما انزلت فی التورة ولا فی الانجيل ولا فی الزبور ولا فی الفرقان مثلها وانها سبع من المثانی والقرآن العظيم الذی اعطيته۔ (رواہ الترمذی، مشکوۃ المصابیح جلد 1 صفحہ 187)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب سے پوچھا تم نماز میں کس طرح پڑھتے ہو؟ اُنہوں نے سورۂ فاتحہ پڑھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ ایسی کوئی سورت نہ تورات میں نازل کی گئی نہ انجیل میں اور نہ زبور میں نازل کی گئی نہ قرآن میں، اس سورت میں سات آیتیں ہیں جو بار بار نماز میں پڑھی جاتی ہیں اور یہ سورت قرآن عظیم ہے جو مجھ کو عطا کیا گیا ہے۔ (ترمذی)

فائدہ: تورات انجیل زبور میں فاتحہ جیسی سورت نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کتابوں کے قاری کو وہ ثواب عطا نہیں فرماتا تھا جو فاتحہ کے قاری کو عطا فرماتا ہے اس لیے کہ حق سبحانہ، وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اس اُمت کو باقی سب اُمتوں پر فوقیت و بزرگی بخشی ہے اوراس کو اپنے کلام کی تلاوت پر باقی تمام اُمتوں سے زیادہ اجر وفضل عطا فرماتا ہے (یہ قول علامہ قرطبی نے نقل کیا ہے) (تفسیر قرطبی جلد صفحہ نمبر 78)

بچھو کا زہر ختم ہو گیا:

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال بعثنا رسول الله صلی الله علیه وسلم وسلم فی سریة ثلاثین رکبا فنزلنا بقوم من العرب فسالنا هم ان یضیفونا فابو افلدغ سیدهم فاتونا فقالوا هل فیکم احد یرقی من العقرب؟ فقلت نعم انا ولکن لا افعل حتی تعطونا شیئا قالو انا نعطیکم ثلاثین شاة قال فقرات علیه الحمد لله سبع مرات فلماقبضنا الغنم عرض فی انفسنا منها فکففنا حتی اتینا النبی صلی الله علیه وسلم فذکرنا ذلك له فقال اما علمت انها رقیة اقسموها و اضربو الی بسهم۔

(رواہ البخاری ومسلم، ابواب الفرج صفحہ 104,103)

حضرت ابوسعد خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ہم تیس اشخاص کو جناب رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنگ میں روانہ فرمایا، ہم نے راستے میں ایک عرب قوم (یہودیوں کے ایک قبیلے) کے پاس قیام کیا اور اُن سے مہمان نوازی کا مطالبہ کیا مگر انہوں نے مہمان نوازی سے انکار کر دیا، (کچھ ہی دیر کے بعد) اُن کے سردارِ قبیلہ کو بچھو نے ڈس لیا (یہودیوں نے ہر قسم کا علاج کیا اور جھاڑ پھونک کی لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا) تو وہ ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے کیا تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جو بچھو کے ڈسے

ہوئے آدمی کو جھاڑ پھونک کر دے، ابو سعید کہتے ہیں میں نے جواب دیا جی ہاں! میں کرتا ہوں لیکن ایسے ہی نہ کروں گا بلکہ اس پر کچھ نذرانہ بھی وصول کروں گا۔ کہنے لگے کہ ہم آپ کو تیس عدد بکریاں دے دیں گے، ابو سعید کہتے ہیں کہ میں نے اُن کے سردار پر سات مرتبہ سورۃ الحمد للہ یعنی سورۃ الفاتحہ پڑھ کر دم کر دیا (اس طرح پر کہ ہر دفعہ فاتحہ پڑھ کر منہ میں تھوک اکٹھا کر کے بچھو کی کاٹی ہوئی جگہ پر تھوکتے جاتے تھے اللہ تعالیٰ نے اس کو صحت عطا فرما دی) جب ہم نے تیس بکریاں وصول کر لیں تو ہمارے دِلوں میں اُن کے متعلق کچھ خدشہ اور شبہہ پیدا ہوا کہ نہ معلوم شرعاً یہ عطیہ جائز بھی ہے یا نہیں؟ لہٰذا ہم اُن کی تقسیم سے رُکے رہے یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو گئے اور آپ ﷺ سے یہ پورا قصہ ذکر کیا آپ نے ارشاد فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہ رُقیہ (ایک قسم کا علاج) ہے لہٰذا اس عطیہ کو باہم تقسیم کرو اور اس میں سے میرا حصہ دو (یہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے اطمینان اور دلداری کیلئے ارشاد فرمایا)۔ (بخاری و مسلم)

سورۂ فاتحہ کی اللہ اور بندے کے درمیان تقسیم

عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول قال اللہ عزو جل قسمت الصلوٰة بينی و بين عبدی نصفين و لعبدی ما ساله فاذا قال "الحمد لله رب العلمين" قال الله تعالیٰ "حمد نی عبدی" و اذا قال "الرحمٰن الرحيم" قال الله تعالیٰ "اثنیٰ علی عبدی" فاذا قال "مٰلك يوم الدين" قال الله تعالیٰ "مجدنی عبدی"، وقال مرةً "فوض الی عبدی"۔ فاذا قال "اياك نعبد واياك نستعين" قال "هٰذا بينی وبين عبدی و لعبدی ما سال"۔ فاذا قال "اهدنا

الصراط المستقیم، صراط الذین انعمت علیهم غیر المغضوب علیهم ولا الضآلین"۔ قال اللّٰه "هٰذا لعبدی ولعبدی ما سال"۔ رواه مسلمٌ۔ وفی روایةٍ للبیهقی، فاذا قال "بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم"۔ یعنی فی اول الفاتحة قال اللّٰه تعالیٰ "ذکرنی عبدی"۔

(تلاوۃ القرآن المجید صفحہ 138,137)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا یہ ارشاد عالی سُنا کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ میں نے صلوٰۃ (یعنی سورۂ فاتحہ) کو اپنے، اور اپنے بندے کے درمیان نصف نصف تقسیم کر دیا ہے (یعنی حمد و ثنا میرے لیے اور دُعاء و درخواست بندے کیلئے ہے) اور میرے بندے کے واسطے وہ مقصود حاصل ہے جو اُس نے طلب کیا۔ جب بندہ کہتا ہے ''الحمد للّٰه رب العٰلمین"۔ (سب تعریفیں اللہ کو لائق ہیں جو مُربی ہے ہر ہر عالم کا) تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ''میرے بندے نے میری حمد بیان کی''۔ اور جب وہ کہتا ہے "الرحمٰن الرحیم"۔ (جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے) تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''میرے بندے نے میری خصوصی تعریف کی''۔ اور جب بندہ کہتا ہے "مٰلك یوم الدین"۔ (جو مالک ہے روزِ جزا کا) تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی''۔ اور کبھی یوں فرماتا ہے ''میرے بندے نے اپنا معاملہ مجھے سونپ دیا''۔ اور جب بندہ کہتا ہے۔ ''ایاك نعبد و ایاك نستعین"۔ (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اور تجھی سے درخواست اِعانت کی کرتے ہیں) تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''یہ میرے، اور میرے بندے کے درمیان (یعنی عبادت میرے لیے اور اِعانت بندے کیلئے) اور میرے بندے کیلئے وہ سب کچھ ہے جو اُس نے طلب کیا'' اور جب

بندہ کہتا ہے۔"اھدنا الصراط المستقیم، صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین (دکھادے ہمیں راستہ سیدھا، راستہ اُن لوگوں کا جن پر تو نے انعام فرمایا ہے، نہ راستہ اُن لوگوں کا جن پر غضب کیا گیا اور نہ اُن لوگوں کا جو راستہ سے گُمراہ ہو گئے) تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے"یہ میرے بندے کیلئے ہے اور جو کُچھ اُس نے مانگا ہے اُسے ملے گا"۔ یہ صحیح مسلم کی روایت ہے اور بیہقی کی ایک اور روایت میں ہے کہ جب فاتحہ کے شروع میں بندہ کہتا ہے......"بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم"۔ (شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے) تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے"میرے بندے نے مجھے یاد کیا ہے"(مسلم، بیہقی)

دو نوروں کی بشارت:

عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنھما قال بینما جبریل علیہ السلام قاعدٌ عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا سمع نقیضا ای صوتا من فوقہٖ فرفع راسہٗ الی السماء فقال ای جبریل! ھذا باب من السماء فتح الیوم لم یفتح قط الا الیوم۔ فنزل منہ ملکٌ فقال جبریل ھذا ملک نزل الی الارض لم ینزل قط الا الیوم فسلم و قال ابشر بنورین اوتیتھما لم یؤتھما نبیٌّ قبلک فاتحۃ الکتاب و خواتیم سورۃ البقرۃ لم تقرا بحرف منھما الا اعطیتہ (مسلم شریف)

"مسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اُن کا یہ ارشاد روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ جبرئیل علیہ السلام، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ یکا یک انہوں نے اوپر کی جانب سے ایک دھماکہ کی سی آواز سُنی تو انہوں نے اپنا سر آسمان کی طرف اُٹھایا اور یہ ماجرا دیکھ کر کہنے لگے کہ یہ آسمان کے اُس دروازے کے کُھلنے کی آواز ہے جو آج ہی کھولا گیا ہے آج سے پہلے کبھی

نہیں کھولا گیا تھا پھر اُس دروازے میں سے ایک فرشتہ اُترا، جبرئیل امین نے کہا یہ ایک ایسا فرشتہ ہے جو آج ہی زمین کی طرف اُترا ہے اس سے پہلے کبھی نہیں اُترا تھا پھر وہ فرشتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کیا اور کہا کہ آپ ایسے دو نوروں کی بشارت لیجئے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے ایک سورۂ فاتحہ دوسرے سورۂ بقرہ کی آخری آئتیں۔ آپ ان میں سے جو کچھ بھی پڑھیں گے وہی آپ کو عطا ہوگا''۔ (یعنی اِن دونوں حصوں میں جتنی دُعائیں مذکور ہیں وہ سب کی سب قبول ہوں گی۔ اور اِن کو نور اس لئے فرمایا کہ قیامت کے دِن اپنے پڑھنے والے کے آگے آگے چلیں گے)

قرآن کی افضل سورت:

حضرت ابو سعید بن معلّٰی نماز پڑھ رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بُلایا تو وہ نماز کی وجہ سے جواب نہ دے سکے۔ جب فارغ ہو کر حاضر ہوئے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے پُکارنے پر جواب کیوں نہیں دیا؟ اُنہوں نے نماز کا عُذر کیا۔ حضور نے فرمایا کہ قرآن شریف کی آیت میں نہیں پڑھا یا ایھاالذین امنوا استجیبوا للّٰہ وللرسول اِذا دعاکم (اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی پُکار کا جواب دو جب بھی وہ تم کو بُلائیں) پھر حضور نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں قرآن شریف کی سب سے بڑی یعنی افضل سورت بتلاؤں گا۔ اور وہ الحمد کی سات آیتیں ہیں، یہ سبع مثانی ہیں اور قرآن عظیم۔

(بخاری و مسلم وغیرہما)

سورۂ فاتحہ کے متفرق فضائل:

- سائب بن یزید پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ فاتحہ پڑھ کر دم فرمایا اور یہ سورت پڑھ کر لُعابِ دہن، درد کی جگہ لگایا۔

- جو شخص سونے کے ارادہ سے لیٹے اور سورۂ فاتحہ اور قل ھو اللہ احد پڑھ کر اپنے اوپر دم کر لے۔ موت کے سوا ہر بلا سے امن پائے گا۔ انشاء اللہ۔
- سورۂ فاتحہ ثواب میں دو تہائی قرآن کے برابر ہے۔

(رواہ عبداللہ فی مسندہ وعبد بن حمید عن ابن عباس)

- آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: عرش کے خاص خزانہ سے مجھ کو چار چیزیں ملی ہیں کہ اور کوئی چیز اس خزانہ سے کسی کو نہیں ملی۔ سورۂ فاتحہ، آیۃ الکرسی اور سورۂ بقرہ کی آخری آیات اور سورۂ کوثر۔
- حضرت حسن بصری نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ جس نے سورۂ فاتحہ کو پڑھا اُس نے گویا تورات انجیل زبور اور قرآن شریف کو پڑھا۔

شیطان کی آہ وزاری:

ابلیس کو اپنے اوپر نوحہ وزاری کرنے اور سر پر خاک ڈالنے کی چند مرتبہ نوبت آئی اول جبکہ اُس پر لعنت ہوئی دوسرے جبکہ اُس کو آسمان سے زمین پر ڈالا گیا تیسرے جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملی چوتھے جبکہ سورۂ فاتحہ نازل ہوئی۔

ایک بار تلاوت پر چار انعامات:

دیلمی میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب قرآن مجید کے چار حصے (سورۂ فاتحہ، آیت الکرسی، سورۂ آل عمران کی دو آیات شھد اللّٰہ انہ لا الٰہ الا ھو و الملائکہ و اولوا العلم ......اور قل اللھم ملک الملک...... آیت نمبر 26,18) نازل فرمانے کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا تو یہ چاروں ٹکڑوں عرش الٰہی کے ساتھ چمٹ گئے اور بارگاہ رب العزت میں عرض کرنے لگے! اے اللہ تو ہمیں ایسے لوگوں کے پاس بھیج رہا ہے جو تیری نافرمانی کرنے والے ہیں، فرمایا! مجھے اپنے جلال کی قسم ہے اور اپنے مرتبہ ومقام کی قسم! جو بندہ فرضی نماز کے بعد تمہیں پڑھ لیا کرے گا

میں اس پر چار انعامات کروں گا۔

1- اس کے تمام گناہوں کو بخش دوں گا۔

2- اسے جنت الفردوس عطا کروں گا۔

3- روزانہ اس پر ستر بار نظر رحمت سے نگاہ کروں گا۔

4- اس کی ستر حاجات کو پورا فرماؤں گا۔ (تفسیر نعیمی جلد 3 صفحہ 375,376)

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اوراک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

آسمانی کتابوں میں سورۂ فاتحہ کا انعام:

تفسیر کبیر میں ہے کہ رب تعالیٰ نے آسمان سے ایک سو چار کتابیں اور صحیفے اتارے۔ مگر سو کتابوں کے علوم چار میں رکھے۔ یعنی توریت وانجیل وزبور مگران تین کے علوم قرآن پاک میں رکھے۔ پھر قرآن پاک کے تمام علوم مفصلات (سورۂ حجرات سے والناس تک) میں رکھے گئے۔ پھر مفصل کے علوم سورۂ فاتحہ میں رکھے گئے۔ لہٰذا جس نے سورۃ فاتحہ سیکھ لی اس نے گویا ساری آسمانی کتابیں سیکھ لیں اور جس نے سورۃ فاتحہ پڑھ لی، اس نے تمام آسمانی کتابیں پڑھ لیں۔ نیز یہ سورۃ بالکل رحمت کی سورت ہے اس لئے اس میں رب تعالیٰ کے قہر اور جبر اور دوزخ کے عذاب وغیرہ کا ذکر نہیں بلکہ اس میں وہ حرف بھی نہیں آئے جو جہنم وغیرہ کے اول میں آتے ہیں۔ چنانچہ اس سورت میں سات حرف نہیں، ث، ج، خ، ز، ش، ظ، ف، کیونکہ ث، ثبور کا پہلا حرف ہے جس کے معنے ہیں ہلاکت۔ ج، جہنم کا پہلا حرف ہے جس کے

معنے ہیں دوزخ۔ خ، خزیٰ کا پہلا حرف ہے جس کے معنی ہیں رسوائی ز، زفیر اور زقوم کا پہلا حرف ہے زفیر دوزخیوں کی آواز اور زقوم تھوہر (جہنمیوں کی غذا) ش شہیق کا پہلا حرف ہے جس کے معنی ہیں جہنمیوں کی آواز۔ ظ سے ظل ہے جس کا معنی قرآن پاک میں اس طرح مذکور ہے۔ ظلِ ذی ثلاثِ شُعبٍ اور ظ، ظلمٌ کا پہلا حرف ہے۔ "تفسیر روح البیان" میں ہے کہ جس وقت یہ سورت اتری اس وقت حضرت جبریل امین علیہ السلام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے آئے تھے۔

فوائد سورۂ فاتحہ:

سورۂ فاتحہ کے بے شمار فائدے ہیں۔ جن میں سے چند بیان کئے جاتے ہیں جو شخص سورۂ فاتحہ سو بار پڑھ کر دعا مانگے۔ حق تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائے گا۔ جو شخص مریض لا دوا ہو وہ چینی کے سفید برتن میں آبِ زمزم اور زعفران سے سورۂ فاتحہ لکھ کر دھو کر اکتالیس روز تک پیتا رہے تو انشاء اللہ شفا ہو گی۔ اگر آب زمزم نہ ملے تو عرق گلاب سے پی لے۔ اگر یہ بھی میسر نہ ہو تو کنوئیں کا پانی ہی کافی ہے۔ "تفسیر کبیر" میں ہے کہ بعض گنہگار قوموں پر عذابِ الٰہی آنے والا ہو گا مگر ان میں سے کوئی بچہ مکتب میں جا کر فاتحہ پڑھے گا۔ اس کی برکت سے چالیس سال تک عذاب دور ہو جائے گا۔ جو شخص کسی دنیوی بلا میں پھنس گیا ہو وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی میم کو الحمد کے لام میں ملا کر پڑھا کرے۔ انشاء اللہ اس سے نجات ملے گی۔ بعض صوفیاء کے یہاں یہ عمل ہوتا ہے کہ اگر کسی شہر میں طاعون یا کوئی اور وبائی بیماری پھیلے تو ایک تاشہ یا نقارہ پر دائرہ کی شکل میں سورۃ جمعہ اور بعد میں سورۃ فاتحہ کو لکھتے ہیں اور بیچ میں پندرہ کا نقش بناتے ہیں۔ پھر ایک دنبے کے سامنے یہ تاشہ بجاتے ہیں اور تاشہ بجاتے ہوئے اس دنبے کو گلی کوچے میں گشت کراتے ہیں۔ اس کے بعد اس دنبے کو کنارہ شہر پر ذبح کر کے اس کا خون دفن کر دیتے ہیں اور اس کا گوشت فقیروں پر خیرات کر دیتے ہیں تو بفضلہٖ تعالیٰ اس وبا سے امان ملتی ہے۔ (تفسیر نعیمی پارہ اول)

سورۂ فاتحہ کو چینی کے برتن پر گلاب اور مُشک و زعفران سے لکھ کر اور دھو کر پلانا چالیس روز تک پُرانے امراض کیلئے مُجرب ہے۔ نیز دانتوں کے درد اور سر کے درد پیٹ کے درد کیلئے سات بار پڑھ کر دَم کرنا مُجرب ہے۔ (مظاہر حق)

اللهم صل وسلم و بارك على حبيبك و محبوبك و ضفيك و نبيك قائد الانبياء و سيد الورىٰ وعلى اله المجتبىٰ و اصحابه الكرماء وعلينا وعلى سائر امته معه يا رب العالمين يا ذالجلال و الاكرام امين۔

چوتھا درس

الحمد للہ الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین بشیرا و نذیرا و الصلوۃ والسلام علی من ارسلہ الی کافۃ الخلق سراجا منیرا وعلی الہ وصحبہ الذین جزاھم اللّٰہ جنۃ و حریرا۔

اما بعد! فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔

الحمد للہ رب العالمینO

''تمام تعریفیں تمام حامدین کی، تمام زمانوں میں خاص اللہ ہی کیلئے ہیں جوتمام جہانوں کا پالنے والا ہے''۔

؎ثنا گو پتّا پتّا ہے خدایا دم بدم تیرا
زمین و آسماں تیرے یہ موجود و عدم تیرا
جو دنیا میں تیرا کھا کر تیرے شکوے کریں یارب
تعجب ہے کہ ان پر بھی رہے لطف و کرم تیرا

کلام خدا کا آغاز الحمدللہ سے کیوں؟:

اس کی چند وجوہات مفسرین نے بیان فرمائی ہیں۔ جو مندرجہ ذیل ہیں۔

1- یہ الفاظ سب سے پہلے انسان کے منہ سے نکلے جیسا کہ احادیث میں ہے کہ آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا گیا تو پیدا ہوتے ہی ان کو چھینک آئی تو انہوں نے پڑھا

الحمد للّٰہ رب العالمین۔

اسی لئے ان کی اولاد کو بھی حکم دیا گیا کہ چھینک لینے والا اللہ کی حمد بیان کرتے ہوئے یہ الفاظ پڑھے اور سننے والا جواب میں یرحمك اللّٰہ کہے اور پھر چھینک لینے والا کہے یھدیکم اللہ ویصلح بالکم۔

ڈاکٹروں کی تحقیق:

چھینکنے والے کو اللہ کی حمد بیان کرنے کا حکم کیوں دیا گیا ہے اس کی وجہ دیندار ڈاکٹرز یہ بیان کرتے ہیں کہ جب چھینک آنے لگتی ہے تو دماغ کی رگوں میں ایک ایسا کھچاؤ پیدا ہوتا ہے کہ خطرہ ہے کوئی دماغی رگ ٹوٹ جانے کی وجہ سے موت واقع ہو جائے اور جب بندہ چھینک کے بعد صحیح سلامت بلکہ پہلے سے زیادہ چست و چالاک ہو جاتا ہے تو اس نعمت کے ملنے پر اہل اسلام کو اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرنے کا حکم دیا گیا۔

2- الحمد للّٰہ میں آٹھ حروف ہیں جو جنت کے آٹھ دروازوں کی طرف اشارہ کر کے بتا رہے ہیں کہ جو خلوص نیت سے اللہ کی حمد کرے اور قرآن پاک کی تلاوت کرے وہ جنت کے آٹھوں دروازوں سے گذرنے کا حق دار ہے۔

3- ہر عبادت کی روح اور جان اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے بلکہ ہر عبادت کا مقصد و فلسفہ بھی اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرنا ہے چنانچہ ان اللّٰہ و ملئکتہ یصلون علی النبی۔ سے بتایا گیا کہ میں اپنے حبیب کی تعریف کرتا ہوں اور میرے حبیب کے امتی میری تعریف کریں بخاری شریف میں ہے کہ اللہ کی صلوۃ یہ ہے کہ وہ اپنے نبی کی تعریف فرماتا ہے۔(صلوٰۃ اللّٰہ تعالیٰ ثناء ہ علیہ او کما قال) یہی وجہ ہے کہ جو اللہ کی حمد وتعریف میں زندگی بسر کرے گا اللہ کی ساری مخلوق اس کی تعریف میں لگ جائے گی (من کان اللّٰہ کان اللّٰہ لہ) جو اللہ کا ہو گیا اللہ اس کا ہو گیا۔ اولیاء کرام کی پاکیزہ زندگیاں اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا۔

؎ جانور پیدا کیے تیری وفا کے واسطے
کھیتیاں سرسبز کیں تیری غذا کے واسطے
چاند سورج اور ستارے ہیں ضیاء کے واسطے
یہ سب کچھ ہے تیرے لیے اور تو خدا کے واسطے
دی زبان رب نے ثنائے مصطفیٰ کے واسطے
دل دیا حُب حبیب کبریا کے واسطے

4- اہل اسلام کو درس دینے کیلئے کہ جب اللہ کا کلام اللہ تعالیٰ کی حمد سے شروع ہو رہا ہے تو تمہارا بھی ہر کلام اور ہر کام اللہ کی حمد سے ہی شروع ہونا چاہیے۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے جس بابرکت کام کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد (الحمد للہ) سے نہ کیا گیا وہ کام کبھی مکمل نہیں ہو سکے گا بلکہ بے برکت، نامکمل اور نا تمام رہے گا۔

(ابوداؤد جلد 2 صفحہ 309 ابن ماجہ صفحہ 136 عن ابی ہریرہ)

ایک روایت میں ہے کہ جس مجلس میں اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اللہ کے محبوب پر درود نہ بھیجا گیا وہ مجلس اہل مجلس پہ حسرت بلکہ مردار گدھے سے بھی زیادہ اہل مجلس پر حسرت و ندامت کا باعث رہے گی۔ (اوکما قال) اور حمد و درود والی مجلس اس مجلس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گی۔

5- کسی بڑے سے ہم کلام ہونا ہو بالمشافہ یا بالواسطہ، تو پہلے تعریفی کلمات جو اس کے حال کے مطابق ہوں ادا کرنے ضروری ہوتے ہیں ورنہ اس کی عطاؤں اور مہربانیوں سے محرومی ہو گی۔ اللہ کا کلام پڑھنا خدا سے ہم کلام ہونا ہے لہٰذا ضروری تھا کہ بندوں کو خدا سے ہم کلام ہونے کے ادب سکھائے جاتے تا کہ بندے اللہ کے کرم سے جھلیاں بھر سکیں۔

؎ تو کریمی من کمینہ بندہ ام
لیک از لطف شما پروردہ ام

الحمد پہ الف لام کونسا ہے؟:

سب سے پہلے تو یہ قاعدہ ذہن میں رہے کہ الف لام کی دو قسمیں ہیں اسمی اور حرفی۔ الف لام اسمی وہ ہوتا ہے جو اسم فاعل یا اسم مفعول پر داخل ہو اور اسم موصول کے معنی میں ہو جیسے الضارب ای الذی ضرب والمضروب ای الذی ضُرب اور الف لام حرفی وہ ہوتا ہے جو اسم موصول کے معنی میں نہ ہو۔ پھر الف لام حرفی دو قسم پر ہے۔ الف لام حرفی زائد اور الف لام حرفی غیر زائد۔ الف لام حرفی زائد وہ ہوتا ہے۔ جس سے تحسینِ لفظ مقصود ہوتی ہے۔ اور اس کے اسقاط سے معنی مختلف نہیں ہوتا اور الف لام حرفی غیر زارد چار قسم پر ہے الف لام جنسی، استغراقی، عہد خارجی اور عہد ذہنی۔ الف لام جنسی وہ ہوتا ہے جس سے اس کے مدخول کی نفسِ ماہیت مراد ہوتی ہے اور افراد کا بالکل لحاظ نہیں ہوتا۔ جیسے الرجل خیر من المراۃ۔ الرجل اور المراۃ دونوں پر الف لام جنسی ہے۔ یعنی جنس رجل (ذکر من بنی آدم جاوز عن حد الصغرالی الکبر) جنس مرأۃ (مؤنث من بناتِ آدم جاوزت عن حد الصغر الی الکبر) سے بہتر ہے اگر چہ مرأۃ کے بعض افراد رجل کے بعض افراد سے بہتر ہیں جیسے حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت خاتون جنت، حضرت مریم پارسا رضی اللہ عنہن اور حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا۔ اور الف لام استغراقی وہ ہوتا جس سے اس کے مدخول کے تمام افراد مراد ہوتے (ای ان یدل علی الماھیۃ من حیث الانطباق علی جمیع الافراد) جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد "ان الانسان لفی خسر الاالذین آمنوا۔ الایۃ۔ الانسان پر الف لام استغراقی ہے۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد "الا الذین آمنوا" سے استثناء متصل صحیح ہے۔ الف لام عہد خارجی وہ ہوتا ہے جس سے اِس کے مدخول کے فرد معین یا افراد متعینہ۔ بین المتکلم والمخاطب مراد ہوں۔ جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد "فعصی فرعون الرسول"۔ الرسول پر الف لام عہد خارجی ہے جس سے فرد معین، یعنی حضرت موسی علیہ السلام مراد ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ الف لام عہد ذہنی وہ ہوتا ہے جس سے اِس کے مدخول کا فر

غیر معین عند السامع مراد ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد (حضرت یعقوب علیہ السلام کی حکایت کرتے ہوئے) "اخاف ان یاکله الذئب" الذئب پر الف لام عہد ذہنی ہے کیونکہ اس سے ذئب کا فرد غیر معین عند السامع مراد ہے۔اب اس تمہید کے بعد جواب کی تقریر یہ ہے کہ "الحمد" پر الف لام حرفی غیر زائد کی اقسام اربعہ میں سے تین اقسام کا مراد لینا صحیح ہے۔ الف لام جنسی، استغراقی، عہد خارجی۔ لیکن بعض نے الف لام جنسی کو ترجیح دی ہے کیونکہ اِس صورت پر "الحمد" کا معنی یہ ہوگا کہ جنسِ حمد اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے اور اللہ تعالیٰ کیلئے جنس حمد کا اختصاص اسی صورت میں ثابت ہوسکتا ہے جبکہ حمد کے تمام افراد اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہوں تو پھر الف لام جنسی، الف لام استغراقی کو مستلزم ہوا اور اُس سے کنایہ ہوا اور کنایہ تصریح سے ابلغ ہوتا ہے۔اور الف لام عہد خارجی کی صورت میں حمد سے مراد وہ حمد ہوگی جو باری تعالیٰ نے اپنی حمد آپ کی ہے جس کی طرف اس حدیث شریف میں اشارہ ملتا ہے "انت كما اثنيت على نفسك"۔

حمد کیا ہے؟:

هوالثناء بالجميل الاختيارى على قصد التعظيم سواء تعلق بالنعمه او بغيرها

حمد یہ ہے کہ زبان سے اختیاری خوبی پر تعظیم کے ارادے سے تعریف کرنا نعمت کے مقابلہ میں ہو یا بغیر نعمت ملے۔

ثناء کا مطلب ہے زبان سے ذکر خیر کرنا۔اور جمیل اختیاری خواہ حقیقۃً ہو یا حکماً، اس عموم سے اللہ تعالیٰ کی صفات سبعہ پہ کی گئی تعریف بھی حمد میں شامل ہو جائے گی جو اگرچہ اللہ تعالیٰ سے اختیاراً تو صادر نہیں لیکن ان میں غیر کا دخل بھی نہیں ہے۔اور وہ صفات سبعہ یہ ہیں حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام، ان میں سے ہر خوبی حکماً اختیاری ہے لہٰذا ان پر کی گئی تعریف بھی حمد میں داخل ہوگی۔

حمد کی تعریف میں "الثناء" جنس ہے جو مدح، استہزاء اور شکر کو شامل تھی پھر الجمیل الاختیاری پہلی فصل ہے جس سے مدح خارج ہوئی کیونکہ مدح ہر خوبی کو شامل

ہے چاہے وہ اختیاری ہو یا غیر اختیاری۔ علی قصد التعظیم سے استہزاء کو خارج
کیا اور اگلی عبارت (تعلق بالنعمة او بغیر ها) سے شکر جدا ہو گیا جو کہ انعام و نعمت
کے بدلے میں ہوتا ہے۔

حمد کے بارے میں مزید وضاحت سے پہلے بہتر ہے کہ شکر اور مدح کے بارے
میں بھی کچھ عرض کر دیا جائے۔ تو مدح کی تعریف یہ ہے۔

مدح کی تعریف:

هو الثناء بالجميل مطلقا على قصد التعظيم سواء تعلق بالنعمة او بغيرها
''اختیاری و غیر اختیار خوبی پر زبان سے تعریف کرنا مقابلہ میں نعمت ہو یا نہ ہو''۔ تعظیم
کے ارادے سے اس تعریف میں بھی الثناء جنس ہے اور الجمیل الاختیاری فصل ہے کہ
جس نے حمد کو خارج کر دیا کیونکہ حمد جمیل اختیاری پر ہی ہوتی ہے اور "علیٰ قصد
التعظیم" سے استہزا خارج ہو گیا اور "سواء تعلق بالنعمة او بغیرها" سے شکر
خارج ہو گیا کیونکہ یہ انعام کے مقابلہ میں ہی ہوتا ہے۔ حمد اور مدح میں عموم خصوص
مطلق کی نسبت ہے۔ مدح اعم ہے اور حمد اخص ہے یعنی ہر حمد ضروری طور پر مدح ہو گی
اور یہ ضروری نہیں کہ ہر مدح حمد بھی ہو جیسے مدحت اللؤلؤ علیٰ صفائها (میں نے
موتی کی صفائی پر اُس کی مدح کی) تو کہہ سکتے ہیں لیکن حمدت اللؤلؤ علی صفائها
(میں نے موتی کی صفائی پر اس کی حمد کی) نہیں کہہ سکتے۔ بعض کے نزدیک حمد اور مدح
میں کوئی فرق نہیں جس طرح مدح جمیل اختیاری و جمیل غیر اختیاری دونوں کو عام ہے اسی
طرح حمد بھی جمیل اختیاری و غیر اختیاری دونوں کو عام ہے جیسے اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس
ارشاد "و عسیٰ ان یبعثك ربك مقاما محمودا" اور حدیث شریف (دعا بعد الاذان
میں ہے "وابعثه مقاما محمودا الذی وعدته" اور مقام میں نہ شعور ہے نہ ارادہ۔

شکر کی تعریف:

شکر کی تعریف یہ ہے کہ الشکر فعل ینبیء عن تعظیم المنعم لکونه منعما

سواء کان باللسان او بالجنان او بالارکان۔ شکر اس فعل (امر) کو کہتے ہیں جس سے منعم کی بحیثیت منعم ہونے کے تعظیم کا اظہار ہوتا ہو یہ فعل زبان سے ہو یا دل سے یا دیگر اعضاء سے حمد و مدح اور شکر کی تعریفات سے یہ امر واضح ہو رہا ہے کہ حمد و مدح کا مورد صرف زبان ہے کہ حمد و مدح کا صدور صرف زبان سے ہوتا ہے اور ان دونوں کا متعلق عام ہے کبھی نعمت ہوتی ہے اور کبھی نہیں۔ اور شکر کا مورد عام ہوتا ہے کہ اس کا صدور زبان سے اور دل و دیگر اعضاء سے ہوتا ہے، اور اس کا متعلق صرف نعمت ہوتی ہے۔ تو اس بناء پر حمد و مدح۔ شکر سے مورد کے اعتبار سے اخص اور متعلق کے اعتبار سے اعم ہیں اور شکر، حمد و مدح دونوں سے متعلق کے اعتبار سے اخص اور مورد کے اعتبار سے اعم ہے پس حمد و مدح ایک طرف اور شکر ایک طرف ان میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہو گی ایک مادہ اجتماعی اور دو مادے افتراقی ہوں گے۔ اگر انعام کے مقابلہ میں زبان سے تعریف ہو تو اس صورت میں حمد و مدح و شکر تینوں متحقق ہیں اور یہ مادہ اجتماعی ہے اور اگر انعام کے مقابلہ میں زبان سے تعریف نہ ہو بلکہ دل یا دیگر جوارح سے ہو، تو اس صورت میں شکر تو متحقق ہے اور حمد و مدح متحقق نہیں اور یہ مادہ افتراقی من جهة الشكر ہے اور اگر بغیر انعام کے زبان سے تعریف ہو تو اس صورت میں حمد و مدح متحقق ہیں اور شکر متحقق نہیں یہ دوسرا مادہ افتراقی ہے۔ من جهة الحمد و المدح۔

(التقریرات علی المرقات)

حمد کا عام فہم معنیٰ و مفہوم:

علامہ جوہری کے مطابق حمد، ذم کی ضد اور نقیض ہے۔ اور حمد تحمید سے زیادہ بلیغ ہے اور حمد، شکر سے زیادہ عام ہے نیز جس شخص میں بہت زیادہ اچھے اوصاف و عادات ہوں اسے محمد کہتے ہیں۔ (الصحاح جلد 2 صفحہ 422)

صاحب قاموس لکھتے ہیں:

''حمد کا معنیٰ ہے شکر، رضا، جزاء، ادائیگی حق۔ بار بار تعریف کیا جانا''۔

(قاموس جلد 1 صفحہ 563,562)

بعض (لحیانی و اخفش) نے حمد اور شکر میں کوئی فرق نہیں کیا ان کے نزدیک الحمد للہ کا معنیٰ الشکر للہ ہے اور بعض (ازہری) نے نعمت پر کی جانے والی تعریف کو شکر کہا ہے اور نعمت کے بغیر کی گئی تعریف کو حمد کہا ہے۔ (لسان العرب جلد 3 صفحہ 100)

حمد کی اقسام:

حمد قولی۔ اللہ تعالیٰ کی وہ تعریف اپنی زبان سے کرنا جو اللہ تعالیٰ نے نبیوں کی زبانوں کے ذریعے خود اپنی تعریف کی ہے۔

حمد فعلی: اللہ کو راضی کرنے کیلئے اپنے جسم کے ذریعے اعمال صالحہ بجالانا۔

حمد حالی: دل و روح سے اللہ کی تعریف کرنا یعنی اپنے آپ کو علمی اور عملی کمالات سے متصف کرنا۔ یہ بھی اللہ کی تعریف ہے کیونکہ اللہ کی اطاعت بھی اس کی تعریف کرنا ہی ہے۔ اسی طرح اس کے اخلاق سے متخلق ہونا بھی۔

حمد عُرفی: کوئی ایسا کام کرنا جس سے منعم کے انعام کی وجہ سے اس کی تعظیم ظاہر ہو خواہ اس کام کا تعلق زبان سے ہو یا دیگر اعضاء سے۔

(کتاب التعریفات صفحہ 42,41۔ تبیان القرآن جلد 1 صفحہ 166)

معلوم ہوا کہ نعمت ملنے پہ اللہ کا شکر کرنا، تکلیف آنے پہ صبر کرنا، یہ بھی اللہ کی تعریف کے زمرے میں آتا ہے لہٰذا ہر وقت کسی نہ کسی طریقے سے کسی نہ کسی طرح بندے کو اللہ تعالیٰ کی تعریف میں مصروف رہنا چاہیے الحمد للہ علیٰ کل حال۔

ویلی نہ بہو کُجھ کردی رہو
خالی بھانڈا بھر دی رہو

مخلوق کی تعریف خالق کی تعریف ہے:

یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کی مخلوق کی تعریف حمد کے ضمن میں نہیں آتی بلکہ مدح کے ضمن میں آتی ہے کیونکہ مخلوق کی ہر خوبی اللہ کی عطا کردہ ہے اور اس کی ذاتی نہیں ہے

جبکہ حمد ذاتی اور اختیاری خوبی پر کی جاتی ہے۔
اور پھر مخلوق کی تعریف بھی درحقیقت خالق ہی کی تعریف ہے مگر بالواسطہ۔ کیونکہ چیز کی تعریف حقیقت میں اس کے بنانے والے ہی کی تعریف ہوتی ہے مگر اس چیز کے واسطے سے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی شئی کو قابل تعریف بنایا ہے تبھی آپ اس کی تعریف کررہے ہیں تو جیسے مکان کی تعریف دراصل مکان کو بنانے والے کی تعریف ہے، خط کی تعریف خط لکھنے والے کی تعریف ہے تو پھر شعار اللہ کی تعظیم اللہ ہی کی تعظیم ہوئی اور حضور ﷺ کی تعریف ونعت کیوں نہ اللہ کی حمد وتعریف ہوئی؟
جس طرح حکومت کے دفتروں، افسروں کی عزت وتکریم حکومت ہی کی تعریف ہے اوران کی توہین حکومت کی توہین ہے اسی طرح نبیوں، ولیوں کی تعظیم وتکریم خدا کی تعظیم وتکریم ہے اور خدا کے محبوبوں کی توہین خدا کی توہین ہے کیونکہ جب خدا نے ان کو قابل تعریف وتکریم بنایا ہے تو ان کی توہین کرنا حقیقت میں خدا کی توہین کرنا ہے اسی لیے فرمایا: ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب۔ (الحج)
جو اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے بس یہی دلوں کا تقویٰ ہے۔ اور اگر الحمد للہ کا معنی یہ کرلیا جائے کہ اصل تعریف تو اللہ ہی کیلئے ہے۔ تو تمام اعتراضات خود بخود ہی ختم ہوجائیں۔ پھر جس طرح ہر نعمت پر اللہ کی تعریف کرنے کا انداز جداگانہ ہے۔ مثلاً تندرستی کی نعمت ملے تو اس کا شکرانہ یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کی جائے، بیماروں کی عیادت کی جائے، بے دست وپا کی مدد کی ہے، اس صحت کو اللہ کی نعمت سمجھا جائے اور کوئی بیمار نظر آئے تو ان لفظوں سے اللہ تعالیٰ کی حمد کی جائے۔

الحمد للہ الذی عافانی مما ابتلاك به وفضلنی علی کثیر ممن خلق تفضیلا۔
''تمام تعریفیں اس اللہ کیلئے ہیں جس نے مجھے اس بیماری سے بچایا جس میں تو مبتلا ہے۔ اور مجھے اپنی بہت ساری مخلوق پر فضیلت عطا فرمائی''۔ اسی طرح ہر عضو کی حمد اور شکر علیحدہ علیحدہ ہے آنکھ سے مظاہر قدرت دیکھے، کعبہ وقرآن کی زیارت کرے،

کان سے اچھی باتیں اور اچھے کلمات سُنے۔ گانے وغیرہ سننے سے پرہیز کرے۔ ہاتھ پاؤں کے ذریعے اللہ ورسول کی ناراضگی والے کام نہ کرے۔

اگرچہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی کماحقہ تعریف نہیں ہوسکتی کیونکہ جب اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا انسان کے بس میں نہیں۔(وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها)تو ان کا شکر اور ان نعمتوں پر اس کی کماحقہ تعریف کیسے ہوسکتی ہے؟لیکن یہ اس کی مہربانی ہے کہ ہم پوری طرح اس کی تعریف نہ بھی کرسکیں تو وہ شاکر علیم۔ ہمیں مزید نعمتیں عطا فرماتا رہتا ہے اور اس مالک ومولیٰ کا اعلان ہے۔لئن شکر تم لا زیدنکم۔

"اگر تم میری نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہو گے تو میں تمہیں اور زیادہ نعمتیں دیتا رہوں گا"۔

نکتۂ حمد:

علماء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو پہلے ہی علم تھا کہ میرے بندے میری کماحقہ تعریف وشکر نہیں کرسکیں گے اس لئے اس نے الحمد للہ فرما کر خود ہی اپنی حمد فرمالی اور حضور علیہ السلام جو تمام حامدین سے بڑھ کر اللہ کی حمد فرمانے والے ہیں انہوں نے بھی اللہ کی حمد کرتے ہوئے یوں ہی عرض کیا:

لا احصی ثناء علیك انت كما اثنیت علی نفسك۔

(مسلم شریف جلد 1 صفحہ 192)

"اے اللہ! جس طرح تو نے خود اپنی تعریف فرمائی ہے اس طرح میں تیری تعریف نہیں کرسکتا"۔

اور حدیث شفاعت میں حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن جب میں شاعت کیلئے اپنے رب کو سجدہ کروں گا تو اللہ تعالیٰ ایسی حمدیں مجھے القاء فرمائے گا جو اس سے پہلے مجھے القاء نہ کی ہوں گی۔اور ان حمدوں سے میں اپنے رب کی تعریف کرتا جاؤں گا اور میرا رب میری امت کو بخشتا جائے گا۔بات میری مانتا جائے گا کام گناہ

گاروں کا بنتا جائے گا۔ حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا۔

یعطیك ربك داس تساں　　فترضیٰ تھیں پوری آس اساں
لجپال کریسی پاس اساں　　واشفع تشفع صحیح پڑھیاں

نعمتوں کا شکر کیسے ادا ہو؟:

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک ایک نعمت ایسی ہے کہ اگر بندہ ساری عمر بھی اس کا شکرادا کرتا رہے تو نہ کر سکے کسی قائم اللیل اور صائم الدہر کی بات کرتے ہیں کہ مرنے کے بعد اللہ نے اس سے پوچھا کہ میں تجھ سے تیرے اعمال کے مطابق معاملہ کروں یا اپنے فضل کے مطابق؟ تو اس نے کہا! میرے اعمال کے مطابق۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو نے جتنی بھی نیکی یا عبادت کی ہے دینا میں جو میں نے تجھے آنکھوں کی نعمت عطا فرمائی تھی تیری ساری عبادت میں نے اس شکرانے میں رکھ لی ہے اب آگے بتا۔ باقی نعمتوں کا شکر کہاں ہے؟ بخشش تو بعد کی بات ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا: اے اللہ میں تو ساری زندگی تیری ایک نعمت کا بھی شکرادا نہیں کرسکتا۔ پھر تیری ساری نعمتوں کا شکر کیسے ادا ہو؟

اللہ نے فرمایا: جب تیرے دل میں یہ احساس پیدا ہو گیا کہ تو میری نعمتوں کا شکر ادا کرنے سے عاجز ہے تو میری نعمتوں کا شکرادا ہو گیا اور اپنی طاقت کے مطابق شکرادا کرتے رہو۔

حمد خداوندی اور فرمانِ مصطفویٰ:

❁ حضور علیہ السلام نے فرمایا: تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومن کا نصیب کیسا اچھا بنایا ہے کہ اگر اس کو خیر ملتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کر کے اس کا شکرادا کرتا ہے۔ (یہ بھی اس کیلئے بہتر ہے) اور اگر اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو اس پر صبر کرتا ہے (یہ بھی اللہ

کی حمد ہے اور مومن کے حق میں بہتر ہے)

(مسند احمد جلد 2 صفحہ 182۔ عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ)

- اسی میں حضرت انس سے ہے کہ جب حضور علیہ السلام کسی ٹیلے یا اونچی جگہ کی طرف چڑھتے اپنے رب کی بارگاہ میں عرض کرتے اے اللہ! ہر بلندی سے بڑھ کر بلندی تیرے ہی لئے ہے اور ہر حمد سے بڑھ کر حمد تیرے ہی لیے ہے۔

(مسند احمد جلد 3 صفحہ 127)

یاد رہے! کہ بلندی پہ چڑھتے ہوئے اللہ اکبر کہنا سنت ہے (تا کہ بلند ہوتے ہوئے خدا کی بلندی نہ بھول جاؤ) اور بلندی سے اترتے ہوئے سبحان اللہ کہنا سنت ہے۔ (تا کہ یہ عقیدہ قائم رہے کہ ہم نیچے ہو رہے ہیں لیکن ہمارا اللہ نیچا ہونے سے پاک ہے۔

- حضور علیہ السلام نے فرمایا: جب کسی کا بچہ فوت ہوتا ہے تو اللہ پاک فرشتوں سے فرماتا ہے تم نے میرے بندے کا بچہ اُٹھا لیا؟ وہ کہتے ہیں ہاں باری تعالیٰ (تیرے حکم سے ہی تو اُٹھایا ہے) پھر اللہ فرماتا ہے تم نے اس کے دل کا ٹکڑا اُٹھا لیا؟ وہ عرض کرتے ہیں ہاں اے اللہ۔ اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے (حالانکہ وہ سب کچھ جانتا ہے) میرے بندے نے (اس مصیبت پر) کیا کہا؟ عرض کرتے ہیں: تیرے بندے نے تیری تعریف کی اور انا للّٰہ و انا الیہ راجعون پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے کیلئے جنت میں گھر بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔ (ترمذی جلد 4 صفحہ 415 عن ابی موسیٰ الاشعری)

- نبی اکرم علیہ السلام جب سونے کا ارادہ فرماتے تو بھی اللہ کی حمد کرتے (اللھم باسمك اموت و احیا) اور بیدار ہو کر بھی اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے (الحمد للّٰہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور) (عن حذیفہ بن یمان، ترمذی صفحہ 492)

- حضور علیہ السلام نے فرمایا! جب تم میں سے کوئی اپنا پسندیدہ خواب دیکھے تو وہ (چونکہ) اللہ کی طرف سے ہے (لہٰذا) اس پر اللہ کی حمد کرتے ہوئے الحمد للّٰہ

کہتے۔(بخاری جلد 2 صفحہ 1034، عن ابی سعید خدری)

❁ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا! جب تم میں سے کسی کو چھنک آئے تو الحمد للہ کہے۔

(ایضاً جلد 2 صفحہ 919 عن ابی ہریرہ)

❁ حضور علیہ السلام جب کوئی چیز کھاتے پیتے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے (الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا مسلمین) (ترمذی صفحہ 499۔)

❁ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: جس نے کھانا کھایا اور ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی حمد کی (تمام تعریفیں اس اللہ کیلئے ہے جس نے مجھے کھلایا اور بغیر میری کوشش کے مجھے یہ رزق دیا) غفرله ما تقدم من ذنبه اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے گئے۔(ترمذی صفحہ 499)

الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:

"الحمد للہ الذی رزقنیه من غیر حول منی ولاقوۃ"۔

حمد باری تعالیٰ کے فضائل:

❁ نبی اکرم علیہ السلام کا فرمان ہے صفائی نصف ایمان ہے، الحمد للہ میزان کو بھر دے گا اور سبحان اللہ بھی اگر ساتھ ہو تو زمین و آسمان کے درمیان کو (ثواب سے) بھر دے گا۔ (مسلم جلد 2 صفحہ 118 عن ابی مالک الاشعری)

❁ حضور علیہ السلام نے فرمایا چار کلام افضل ہیں اور قرآن میں سے ہیں ان میں سے جس سے چاہو آغاز کر لو کوئی حرج نہیں۔

(1) سبحان اللہ۔ (2) الحمد للہ۔ (3) لا الہ الا اللہ۔ (4) اللہ اکبر۔

(مسند احمد جلد 5 صفحہ 20)

❁ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ جس نے صبح و شام سو سو مرتبہ سبحان اللہ پڑھا، اس نے گویا سو حج کئے۔ اور جس نے صبح و شام سو سو مرتبہ الحمد للہ پڑھا اس نے گویا سو گھوڑے جہاد کیلئے پیش کیے۔ (ترمذی صفحہ 500 عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ)

- حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ کسی کو تمام دنیا دے دی جائے تو الحمد للہ کہنے کی توفیق مل جانا ساری دنیا کی نعمتوں سے افضل ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن صفحہ 131 جلد 1 عن انس بن مالک)

- انہی سے ہے کہ حضور علیہ السلام کا فرمان عالی شان ہے کہ جب کوئی بندہ نعمت ملنے پر الحمد للہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو پہلی نعمت سے افضل نعمت عطا فرما دیتا ہے۔

(ابن ماجہ)

- انہی سے ہے کہ امام الانبیاء علیہ السلام کا فرمان عظمت نشان ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کی اس بات سے خوش ہوتا ہے جب وہ کچھ کھائے، پیئے اور اللہ کی حمد کرے۔

(مسلم شریف)

- ایک حدیث میں ہے جس نے سو بار سبحان اللہ وبحمدہ پڑھا اس کے گناہ اگر سمندر کی جھاگ کے برابر بھی ہوں تو مٹا دیے جائیں گے۔

(ترمذی صفحہ 500، عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)

- امام ابن جریر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اپنی سند کے ساتھ روایت فرماتے ہیں کہ الحمد للہ شکر ہے۔ اللہ کی فرمانبرداری ہے اور اس کی ہدایت و نعمت کا اقرار ہے۔ (جامع البیان)

- اسی کتاب میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: جب تم الحمد للہ رب العلمین کہتے ہو تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہو اور وہ تمہیں مزید نعمتوں سے نوازے گا۔

(ایضاً جلد 1 صفحہ 46)

- ایک روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: اللہ رب العزت کو حمد سے زیادہ کوئی شئی پسند نہیں ہے اسی لیے اس نے الحمد للہ فرما کر اپنی حمد فرمائی۔

(ایضاً عن اسود بن سریع)

- امام حسن بصری کا فرمان ہے الحمد للہ کہنا ہر نعمت سے افضل ہے۔

(تبیان القرآن صفحہ 170)

مسائل حمد وثنا:

خطبۂ جمعہ میں حمد پڑھنا واجب ہے اور خطبہ نکاح، دعا اور ہر جائز کام کے اول و آخر، اسی طرح کھانے پینے سے پہلے اور بعد حمد کرنا مستحب ہے۔ چھینک آئے تو حمد کرنا سنت مؤکدہ ہے اور اس کا جواب دینا چھینک لینے والے مسلمان کا حق ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

للمؤمن على المؤمن ست خصال۔

''ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں''۔

1- يعوده اذا مرض۔ جب وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت (تیمارداری) کرے۔
2- ويشهده اذا مات۔ جب وہ مر جائے تو اس کی نماز جنازہ پڑھے۔
3- ويجيبه اذا دعاه۔ جب وہ دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کرے۔
4- ويسلمه اذا لقيه۔ جب اس سے ملاقات ہو تو اس کو سلام کرے۔
5- ويشمته اذا عطس۔ جب وہ چھینک لے (کر الحمد للہ کہے) تو اس کو (یرحمك الله کہہ کر) جواب دے۔
6- وينصح له اذا غاب۔ اس کی عدم موجودگی میں اس کی خیر خواہی کرے۔

(نسائی۔ مشکوۃ صفحہ 397 عن ابی ہریرۃ)

اپنی تعریف خود کرنا:

تکبر اور خودستائی کی نیت نہ ہو تو کسی صحیح غرض کیلئے اپنی تعریف کرنے میں حرج نہیں ہے جیسا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے محاصرے کے وقت بلوائیوں کے سامنے اپنی تعریف فرمائی کہ حضور علیہ السلام نے پہاڑ پہ چڑھ کر مجھے شہادت کا مژدۂ جانفزا سنایا۔ غزوۂ تبوک کے موقع پہ میری فلاں فلاں خدمات ہیں۔ بیر رومہ میں نے ہی خرید کر مسلمانوں کیلئے وقف کیا جبکہ مدینہ میں پانی کی بہت

قلت تھی۔ مسجد نبوی کی میں نے ہی توسیع کی خدمت سرانجام دی آج جس میں تم مجھے نماز نہیں ادا کرنے دے رہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

(تفصیل دیکھیے ترمذی صفحہ 531,530)

❁ فلا تزکوا انفسکم ھو اعلم لمن اتقیٰ۔ (النجم:32)

''اپنے آپ کو پاکیزہ ثابت کرنے پر زور لگانے کی ضرورت نہیں اللہ خوب جانتا ہے کون کس حال میں ہے اور کتنا پرہیز گار ہے''۔

تفسیر روح المعانی میں ہے کہ یہ آیت ان مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی جو نیک اعمال (نماز، حج) کر کے پھر بیان کرنے لگ جاتے۔ (جلد 27 صفحہ 67)

❁ امام قرطبی الجامع لاحکام القرآن جلد 5 صفحہ 246 پہ لکھتے ہیں کہ جب یہود و نصاریٰ نے یہ کہا: نحن ابناء اللّٰه واحباءہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں یا بروایت دیگر ''ہم بچوں کی طرح گناہوں سے پاک ہیں؟ تو اس موقع پر قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی۔

الم تر الی الذین یزکون انفسھم بل اللّٰه یزکی من یشاء۔ (النساء:49)

کیا آپ نے انکو نہیں دیکھا جو اپنی پاکیزگی کے دعویدار ہیں۔ ہاں بلکہ اللہ جس کو چاہے پاک فرمادے۔

❁ حضرت ابن عطا فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی بیٹی کا نام برہ (نیک) رکھا تو مجھے حضرت زینب بنت ابی سلمہ نے کہا کہ حضور علیہ السلام نے میرا نام بدل کر برہ سے زینب رکھا تھا اور ساتھ فرمایا تھا اپنی تعریف نہ کیا کرو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کون نیکی کرنے والا ہے۔ (مسلم شریف جلد 2 صفحہ 208، خلاصۃ)

❁ حضور علیہ السلام کے سامنے ایک شخص نے دوسرے کی تعریف کی، جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعریف کرنے والے کو فرمایا: تم نے اپنے ساتھی کی گردن کاٹ دی اور یہ جملہ آپ نے کئی مرتبہ ارشاد فرمایا۔ نیز فرمایا کہ اگر کسی کی تعریف کرنا مقصود ہو تو

یوں کہے کہ میرا فلاں کے بارے یہ گمان ہے اور حقیقت حال اللہ ہی جانتا ہے اور میں کسی کو اللہ کے ہاں تعریف کیا ہوا نہیں کہتا خواہ وہ اس کے متعلق اسی طرح جانتا ہو۔ (عن ابی بکر رضی اللہ عنہ)

اور اس طرح دیگر کئی احادیث میں بھی حضور علیہ السلام کے ایسے ارشادات عالیہ موجود ہیں جن سے کسی کے منہ پر کسی کی تعریف کرنے کا عدم جواز ثابت ہوتا ہے۔

جبکہ دوسری طرف ایسی بے شمار روایات کتب احادیث میں ہیں کہ خود حضور علیہ السلام نے خلفاء راشدین میں سے ہر ایک کی تعریف فرمائی۔

(تفصیل دیکھئے: بخاری جلد 1 صفحہ 516، ترمذی صفحہ 526,525,535,530)

اس بارے میں امام غزالی، ابن حجر عسقلانی، امام نووی اور ابن بطال وغیرہ نے جو لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ۔

اگر کسی کی تعریف کرتے ہوئے جھوٹ یا مبالغہ وغلوّ سے کام لیا ہے۔ یا دنیوی طمع اور لالچ کیلئے تعریف کرتا ہے یا علم ہے کہ فلاں کی تعریف کروں گا تو وہ تکبر میں مبتلاء ہو جائے گا یا تعریف سُن کر نیک اعمال میں کمی کر دے گا تو ایسی تعریف عدم جواز کے زمرے میں آتی ہے۔ ورنہ کوئی حرج نہیں بلکہ بعض اوقات تعریف کرنا مستحب لکھا گیا ہے۔ حضرت ابن عینیہ فرماتے ہیں جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس کو کسی کی تعریف سے کچھ ضرر نہ ہوگی۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ جو کوئی منہ پر تعریف کرے تو جس کی تعریف کی جا رہی ہے وہ اللہ سے یہ دعا کرے کہ اے اللہ میرے ان کاموں کو بخش دے جن کو یہ لوگ نہیں جانتے اور میری تعریف کر رہے ہیں اور ان کی تعریف کی وجہ سے میری پکڑ نہ فرما اور مجھے ان کے گمان سے بھی بڑھ کر بنا دے۔

(فتح الباری جلد 10 صفحہ 478)

حدیث شریف میں ہے کہ فاسق کی تعریف کرنے سے اللہ ناراض ہو جاتا ہے۔

تعریف کرنے والے کے منہ میں مٹی ڈالنے کا مطلب:

جس حدیث میں یہ ہے کہ منہ پہ تعریف کرنے والے کے منہ میں مٹی ڈال دو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ وہ تعریف جو عدم جواز (جھوٹ مبالغہ وغیرہ) کے زمرے میں آتی ہے کیونکہ خود حضور ﷺ نے صحابہ کی تعریف فرمائی اور صحابہ کرام نے حضور علیہ السلام کی شان میں اشعار پڑھے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے مشہور اشعار ہیں۔

واحسن منك لم ترقط عيني
واجمل منك لم تلد النساء
خلقت مبرأ من كل عيب
كانك قد خلقت كما تشاء

لہٰذا جھوٹی تعریف کرنے والے کے منہ میں مٹی ڈالی جائے گی اور مٹی ڈالنے کے بھی چند مفہوم ہیں، مثلاً:

1- ایسے شخص کا مقصد پورا نہ کرکے اس کو ناکام کرنا۔
2- اس سے یہ کہہ دینا کہ تیرے منہ میں خاک۔
3- جس کی تعریف کی جارہی ہے وہ دھوکہ نہ کھائے اور اس کو یہ کہہ کر رسوا کردے کہ تو غلط کہہ رہا ہے۔
4- اس کا مقصد پورا کرکے اس کا منہ بند کردیا جائے اور اس سے جان چھڑالی جائے جیسا کہ بعض لوگ دوسروں کی تعریف ہی اپنے پیٹ کے دھندے کیلئے کرتے ہیں۔ (بیضاوی وطیبی)

بعض صحابہ نے اس حدیث کی توجیہ کیے بغیر بھی عمل کیا ہے چنانچہ حضرت عثمان غنی کے سامنے کسی شخص نے ان کی تعریف کی تو حضرت مقداد نے اس کے منہ پہ کنکریاں پھینکیں اور اسی حدیث سے استدلال فرمایا۔ (مسلم شریف)

ایک واقعہ:

کسی بزرگ کا واقعہ ہے کہ بعد نماز عصر مریدین کے ساتھ روزانہ سیر کیلئے نکلتے اور راستے میں بادشاہ کا دربار لگا ہوتا تو بادشاہ بمعہ اپنے وزراء بزرگ کو دیکھ کر احتراماً کھڑا ہو جاتا۔ بزرگ اپنے دھیان گزر جاتے کئی دنوں کے بعد ایک دن ایسا ہوا کہ بادشاہ جب کھڑا ہوا تو بزرگ نے اس کی طرف منہ کر کے تھوک دیا بادشاہ غصے سے لال پیلا ہو گیا اور بزرگ کو خوب خوب سنائیں کہ تمہیں شرم نہیں آتی میں تیرا اس قدر احترام کرتا ہوں اور تو اتنا بدتمیز ہو گیا ہے، یہ تیرا اخلاق ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

بعد میں مریدین نے پوچھا کہ حضرت آج ایسا کیوں ہوا؟ فرمایا! پہلے جب میں گزرتا تھا تو بادشاہ کے کھڑا ہونے کا میرے دل پہ کوئی اثر نہیں ہوتا تھا، میری تار رب کے دربار میں جڑی رہتی۔ آج جب یہ کھڑا ہوا ہے تو میرے نفس نے بولنا شروع کر دیا اور مجھے کہا: تیری بڑی شان ہے کہ وقت کا بادشاہ بھی احتراماً کھڑا ہو گیا ہے۔ بادشاہ نے گالیاں دیں تو میں نے نفس سے کہا! اب بول تیری کیا شان ہے؟

نفسِ ما کمتر از فرعون نیست
لیکن اوراعون و ماراعون نیست

سوال: آریوں نے اس پہ یہ اعتراض کیا کہ اگر قرآن کلام خدا ہوتا تو بجائے الحمد للہ کے الحمد لی ہوتا، اسی طرح ایاک نعبد۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ تو خدا کس کو کہہ رہا ہے ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں؟ اور یہ کہ اپنی تعریف آپ کرنا تو غرور اور شیخی کے زمرے میں آتا ہے جو کہ بُری بات ہے؟

جواب: اللہ نے اپنے بندوں سے اپنی تعریف کروائی لہٰذا الحمد للہ ہی مناسب تھا جس طرح استاد شاگرد کے سامنے پہلے خود پڑھتا ہے تا کہ شاگرد بھی اسی طرح پڑھے۔ اگر استاد طریقہ نہ سکھائے تو شاگرد کو کیسے آئے، اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا طریقہ سکھایا تا کہ وہ اللہ کی حمد کریں اور اللہ ان کو اور زیادہ دے۔

یا جیسے چھپے ہوئے فارمز پہ لکھا ہوتا ہے میں اقرار کرتا ہوں حالانکہ مضمون بنانے والا کوئی اور ہوتا ہے لیکن کہلوایا پُر کرنے والے (ممبر) سے جاتا ہے تاکہ طریقہ معلوم ہو جائے۔

اور یہ شیخی نہیں بلکہ بندوں کو اپنی پہچان کروائی ہے جس طرح بادشاہ عوام کو اپنے اختیارات بتائے ہیں تاکہ رعایا خبردار ہو جائے اور بات مانے ورنہ ان کا نقصان ہوگا۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

جب مخلوق کی تعریف بالواسطہ خالق ہی کی تعریف ہے تو حضور علیہ السلام کی نعت خوانی، اولیاء کرام کے فضائل بیان کرنا یا محبت میں ان کو پکارنا شرک نہ ہوا اور اگر کوئی اس کو ناجائز کہے تو دنیا میں کسی شئی کی تعریف نہ کرے نہ اپنے کسی عالم کی، نہ کسی کتاب کی، نہ کسی مدرسے کی، نہ چندے کی نہ کسی بندے کی۔ کیونکہ الحمد للہ رب العالمین۔ تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے پھر بیمار ہو تو دوائی لینے ڈاکٹر کے پاس بھی نہ جائے کیونکہ واذا مرضت فھو یشفین۔ اللہ ہی شفا دیتا ہے۔ گھر میں بیٹھا رہے نہ کوئی کام کرے نہ کسی سے بول چال رکھے، نہ غسل کرے نہ کپڑے بدلے، کیونکہ الیس اللہ بکاف عبدہ۔ اللہ ہی اپنے بندے کو کافی ہے۔ پھر کیا ضرورت ہے کچھ کرنے کی۔ یہ ہے اس دور کے نام نہاد موحدین کی احمقانہ توحید"۔ (اس مسئلہ کی تحقیق ہماری کتاب "دو تحقیقی مقالے" میں دیکھئے)

اسم جلالت "للہ":

اِس میں لام حرف جار برائے استحقاق یا اختصاص ہے اور اسم جلالت (اللہ) مذہب صحیح پر اُس ذات واجب الوجود بالذات کا علم ہے جو تمام صفاتِ کمالیہ کو اصالۃً جامع ہے اور معبود بالحق ہے۔ پس اگر کوئی شخص یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا غیر واجب الوجود بالذات ہے یا صفاتِ کاملہ (علم، قدرت و غیر ذالك) کے ساتھ اصالۃً

متصف ہے یا معبود بالحق ہے تو وہ مشرک ہے خسر الدنیا و الآخرۃ۔ پس حقیقتِ شرک خوب سمجھ لینی چاہیئے اور اُن خاسرین لوگوں میں سے نہ ہونا چاہیئے جو بغیر علم کے اہلِ اسلام پر شرک و کفر اور بدعت کا حکم کرتے ہیں نعوذ باللّٰہ العظیم منھم۔

"رب العالمین":

ان الفاظ (رب العالمین) کو پہلے الفاظ (الحمد للّٰہ) کے ساتھ کئی قسم کا تعلق ہے۔

1- الحمد للّٰہ میں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنے کا حکم ہے اور رب العلمین اس حکم کی وجہ بتائی گئی ہے کہ اللہ کی حمد کیوں کرو؟ اس لئے کہ وہ تمام جہانوں کا پالنہار ہے لہٰذا وہ اس بات کا حق رکھتا ہے کہ جن کو پالتا ہے ان کو اپنی تعریف کرنے کا حکم دے۔ (گویا وہ دعویٰ تھا تو یہ اس کی دلیل ہے)

2- مخلوق کے چار درجے ہو سکتے ہیں ایک وہ جو صرف رب کی رضا کیلئے بغیر اپنا نفع پیش نظر رکھے اس کی تعریف کریں جیسے انبیاء کرام اور اولیاء عظام دوسرے وہ جو اللہ تعالیٰ کے احسانات کی وجہ سے بطور شکر اس کی تعریف کریں تیسرے وہ جو اس کی رحمت کے حصول کے لالچ میں تعریف کرتے ہیں اور چوتھے وہ جو اللہ کے خوف سے اس کی تعریف کریں۔ لہٰذا پہلے درجے والوں کیلئے الحمد للّٰہ دوسرے گروہ کیلئے رب العالمین، تیسری جماعت کیلئے الرحمٰن الرحیم اور چوتھے نمبر والوں کیلئے مالک یوم الدین فرمایا گیا۔

لفظ رب کا معنی و مفہوم:

رب کا معنی ہے پالنے والا، سردار، مالک مدبر اور مہتمم۔ اور جب اس پر الف لام آجائے تو اس کا اطلاق صرف اللہ پر ہی ہو سکتا ہے اگر غیر پر کیا جائے گا تو اضافت کے ساتھ جیسے رب الدار۔ رب المال۔ یا قرآن میں جو سورۃ یوسف کے اندر ہے "انہ ربی احسن مثوای" یا حدیث میں ہے ان تلد الامۃ ربتھا۔ (علامات قیامت میں

سے یہ بھی ہے کہ لونڈی اپنی مالکہ کو جنے گی یعنی بہت زیادہ باندیاں ہوں گی یا مالکہ کی حیثیت لونڈی کی سی ہو جائے گی اور لونڈی مالکہ بن بیٹھے گی جیسے کئی لوگ بیویوں کو معطل چھوڑ کر نوکرانیوں سے راہ ورسم بڑھا لیتے ہیں) یوسف علیہ السلام نے فرمایا: اذکرنی عند ربك جبکہ حدیث میں ہے کہ کوئی غلام اپنے آقا کو رب نہ کہے حالانکہ حدیث میں گم شدہ اونٹ کے بارے میں فرمایا: حتی یلقاھا ربھا اونٹ کا رب یعنی مالک اس کو مل جائے۔

تو اس کے بارے میں یہ نکتہ یاد رہے کہ یوسف علیہ السلام نے اس زمانے کے عرف کے مطابق فرمایا: اذکرنی عند ربك اور انه ربی احسن مثوای یا عرف کی بات ہے اور یا ربی سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔

رب کی جمع ارباب اور ربوب ہے جید عالم باعمل کو بھی عالم ربانی کہا جاتا ہے جس طرح کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی وفات پہ حضرت محمد بن حنفیہ نے فرمایا! آج اس امت کے ربانی فوت ہو گئے۔ (تبیان بحوالہ تاج العروس جلد 1 صفحہ 260)

رب کا پالنا اور ام واب کا پالنا:

والدین کی پرورش اور رب کے پالنے میں فرق یہ ہے کہ والدین ثواب کے لالچ میں یا دنیوی اغراض کیلئے اولاد کو پالتے ہیں تاکہ بڑھاپے میں ہمارا سہارا بنے، مالدار غرباء کو ثواب کی حرص میں پالتے ہیں، بادشاہ ملازموں کو خدمت کے صلے میں پالتے ہیں یا یہ کہ ان پر ایک حق ہوتا ہے جس کی ادائیگی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نہ کسی غرض کیلئے اور نہ ہی کسی حق کی ادائیگی کیلئے مخلوق کو پالتا ہے۔

پھر ہر پالنے والا محدود طریقے سے پالتا ہے کیونکہ اس کو خطرہ ہوتا ہے میرا خزانہ ختم ہو جائے گا جبکہ اللہ تعالیٰ سارے جہانوں کو پالتا ہے اور خزانے میں کمی نہیں آتی۔ بلکہ حدیث میں ہے کہ اگر ساری دنیا اپنی اپنی تمناؤں اور آرزوؤں کو اللہ کی بارگاہ میں پیش کرے اور اللہ تعالیٰ سب کی تمام خواہشات کو پورا فرما دے تو اس کے خزانوں میں

اتنی بھی کمی نہ آئے گی جتنی کہ ایک چڑیا اپنی چونچ میں پانی کا ایک قطرہ لیتی ہے تو اس سے سمندر میں جتنی کمی آتی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کو ہم سے کوئی عبادت وغیرہ کا لالچ بھی نہیں ہے اسی حدیث میں ہے کہ اگر ساری مخلوق اعلیٰ درجہ کی عابد وزاہد بن جاتے تو اللہ کی شان میں ذرہ برابر اضافہ نہ ہوگا اور اعلیٰ درجہ کی فاسق وفاجر بن جائے تو اس کی شان میں ذرہ برابر کمی نہ ہوگی۔

جو بھی کسی کو دیتا ہے مانگنے پر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر کسی کو بن مانگے دیتا ہے۔ لوگوں سے مانگا جائے تو ناراض ہو جاتے ہیں گھبرا جاتے ہیں اور اللہ سے نہ مانگا جائے تو اللہ ناراض ہو جاتا ہے۔

اس کی بعض نعمتیں اتنی عام ہیں (دھوپ، ہوا، زمین، سایۂ آسمان) کہ ان سے سب (مسلم وکافر) برابر فائدہ اُٹھا رہے ہیں، بعض نعمتیں (رزق، مال، اولاد، حکومت) کچھ فرق کے ساتھ (کسی کو کم کسی کو زیادہ) مل رہی ہیں۔ مگر اس کی خصوصی نعمتیں (ایمان ہدایت، تقویٰ) یہ اہل ایمان کا ہی حصہ ہیں۔

اللہ "رب" ہے "اب" نہیں:

کیونکہ باپ اولاد کو پالنے میں اولاد کی ماں کا محتاج ہے اور اللہ کی شان یہ ہے لم یتخذ صاحبۃ ولاولدا۔ باپ صرف جسم کو پالتا ہے اور رب جسم وروح، ظاہر وباطن سب کو پالتا ہے باپ اگرچہ اولاد کو پالتا ہے۔ لیکن ایک وقت آتا ہے کہ خود باپ اولاد کا محتاج ہو جاتا ہے اور رب وہ ہے جو ہمیشہ سب کا "محتاج الیہ" ہے۔ باپ اور اولاد چاہے انسان ہوں یا دیگر جاندار جنس ونوع میں ان کی شراکت ہوتی ہے انسان کا بچہ انسان، جانور کا جانور اور رب وہ ہے کہ مخلوق کسی طرح بھی کسی صفت میں اس کے ساتھ شریک نہیں ہے اس لیے "اب" اب ہے اور "رب" رب ہے۔

اے کہ باہر دل ترا رازے دگر
ہر گدارا بر درت نازے دگر

العالمین کی تفسیر:

عالمین جمع عالم کی ہے (بفتح اللام) بروزن خاتم طابق، دانق۔ یہ لفظ علم سے ہے بمعنی نشان۔ دنیا کو عالم اس لئے کہا گیا کہ اس کی ہر شئی خدا کا پتہ دیتی ہے اور عالم ماسوی اللہ کو کہتے ہیں۔ یعنی اللہ کے علاوہ ہر شئی عالم میں داخل ہے صرف اس عالم دنیا کی ہر شئی نہیں بلکہ عالم ارواح، اجسام، امکان (سفلی علوی) ملکوت، ناسوت، جنات، انسان، ملائکہ اور عالم برزخ وغیرہ کی بھی اور یہ تو پھر چند عوالم ہیں بقول علامہ اسماعیل حقی اٹھارہ ہزار (روح البیان) اور بقول حضرت ابوسعید خدری چالیس ہزار اور بقول مقاتل اسی ہزار اور بقول ابوالعالیہ زمین کے چار زاویے ہیں اور ہر زویے میں پندرہ سو عالم ہیں اور یہ دنیا مشرق سے لے کر مغرب تک صرف ایک عالم ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جلد 1 صفحہ 138)

امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آسمان اور جو کچھ اس کے اندر ہے یہ عالم کبیر ہے اور انسان عالم صغیر ہے اور جو کچھ عالم کبیر میں ہے وہ سب کچھ صغیر میں بھی ہے اس لئے رب العالم کی بجائے فرمایا گیا رب العالمین۔ پھر کیوں نہ ہر عالم کی مخلوق کہے الحمد للہ۔

جبکہ وہ اپنی ذات میں اور صفات میں کامل و مکمل و اکمل ہے، ہر عیب سے پاک ہے، ہر ایک پہ احسان فرمانے والا ہے، ہر ایک کی امیدیں اس سے وابستہ ہیں، ہر ایک اس کے قہر و غضب سے ڈرتا ہے تو پھر وہی ذات حقدار ہے اس بات کی کہ ہر کوئی اس کی تعریف میں رطب اللسان رہے۔ اور کہتا پھرے الحمد للہ رب العالمین۔

حمد بے حد مر خدائے پاک را — آنکہ ایماں داد مُشت خاک را
آنکہ فرماں کرد قہرش بادرا — تا سزائے کرد قوم عادرا
آنکہ لطف خاص را اظہار کرد — با خلیلش نار را گلزار کرد
آن خداوندے کہ ہنگام سحر — کرد قوم لوط را زیر و زبر

باسلیماں داد ملک و سروری شد مطیع خاتمش دیو و پری
(پند نامہ: شیخ عطار)

ایک مغالطہ:

خدا تو پالنے والا ہے پھر جہاد کا حکم دے کر مخلوق کو مرواتا کیوں ہے؟

اس مغالطہ کا جواب یہ ہے کہ اللہ ہر شئی کا مالک ہے اور اپنی ملکیت میں جس طرح چاہے تصرف فرمائے۔ اور ہاں جو ناقص کاملوں کی تربیت میں خلل انداز ہو اس کو راستہ سے ہٹا دینا ہی بہتر ہے۔ فصل میں جو بوٹی اُگ آتی ہے کسان اس کو نکال دیتا ہے ورنہ ساری فصل خراب ہوگی۔

اور وہ ذات اپنے محبوبوں کو بھی وقت پر موت کا ذائقہ چکھاتی ہے۔ کیونکہ موت محبوب سے ملنے کا پُل ہے، اس پُل کے ذریعے بندہ دنیوی مصائب سے نجات پاتا ہے اور اپنے نیک اعمال کی جزا پاتا ہے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور اللہ کے محبوب کا دیدار ہوتا ہے یوں سمجھو کہ الدنیا مزرع الاخرۃ زندگی اگر کھیتی ہے تو موت سے اس کھیتی کی تکمیل کی طرف اشارہ ہے اور کھیتی پک کر ضرور کٹتی ہے۔

؎ رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ پس جانے کے بعد
"قرب ملتا ہے خدا کا موت کے آنے کے بعد"

باقی رہا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ جب رحمان و رحیم ہے تو بندے کو تکالیف و مصائب سے دوچار کیوں ہونا پڑتا ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان تکالیف میں کئی راحتیں ہیں گناہوں کا کفارہ اور درجات بلند ہوتے ہیں، حدیث میں ہے کہ بندے کو کانٹا بھی چبھے اور وہ اس پر صبر کرے تو اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے اگر گناہ نہ ہوں تو درجات میں بلندی ہوتی ہے۔

پھل دار درخت کی شاخیں کاٹی جاتی ہیں تو پھل دیتا ہے بلکہ پہلے سے زیادہ دیتا ہے۔

زکوۃ کا مال بظاہر خرچ ہوتا ہے مگر غرباء پلتے ہیں تو مال میں برکت ہوتی ہے۔

فاولئك هم المضعفون۔ (القرآن)

والدین جب اولاد کو ہنر سکھاتے ہیں تو لگتا ایسے ہی ہے جیسے بیٹا مشقت میں پڑ گیا ہے مگر جب استاد کی سختیاں اور کام کی مشقت جھیلتا ہے تو کچھ نہ کچھ بن کر ہی نکلتا ہے اور یہ سختیاں اس کیلئے فائدہ مند ثابت ہوتی ہیں۔

سوال: جب اللہ رب العالمین ہے تو بندے کی ہر دعا قبول کیوں نہیں کرتا جبکہ والدین تو جہاں تک ہو سکے اولاد کی ہر خواہش پوری کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ والدین سے کہیں زیادہ بندوں سے پیار کرنے والا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ بندے کی ہر جائز دعا قبول فرماتا ہے کبھی جو مانگا ہے بعینہٖ وہی دے کر، کبھی اس کا نعم البدل دے کر، کبھی آخرت میں ذخیرہ فرما کر۔ جو دعائیں بندے کے دین و ایمان کیلئے نقصان دہ ہوتی ہیں ان کو قبول نہ کرنا ہی بندے کے فائدے میں ہے، جس طرح بیمار اگر حکیم سے لذیذ چیزیں کھانے کی اجازت مانگے تو حکیم کا اس کو منع کرنا بظاہر ظلم نظر آتا ہے مگر عقلمند جانتا ہے کہ یہ ظلم نہیں بلکہ عین کرم ہے۔ اگر بدن کا فاسد جز نہیں کاٹا جائے گا تو سارا بدن ہی خراب ہو جائے گا، اور اگر بیمار کی ہر بات مان لی جائے گی تو بیماری بڑھ جائے گی۔ اور مقصد بیماری کو بڑھانا نہیں بلکہ گھٹانا ہے اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندوں کو کامیابی سے ہمکنار فرمانا چاہتا ہے۔ یرید اللّٰہ بکم الیسر و لا یرید بکم العسر۔ لہٰذا بندہ اگر اپنی کم عقلی سے اس کامیابی کے راستے سے ہٹ جائے اور خدا دیکھتا رہے اور اس کو ناکامی کے راستے سے نہ ہٹائے تو وہ ہادی کیسا؟

ہزاروں والدین کو اولاد سے، ہزاروں حکیموں کو مریض سے وہ خیر خواہی اور محبت نہیں ہو سکتی جو خدا کو اپنے بندے سے ہے اور مصطفیٰ کو اپنے امتی سے ہے۔ واللّٰہ یهدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ خدا کی شان ہے۔ و انك لتهدی الی صراط مستقیم۔ مصطفیٰ کی شان ہے۔

؎ میرا اللہ بھی کریم اس کے محمد بھی کریم
دو کریموں میں گناہ گار کی بن آئی ہے

وأخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین و الصلوۃ و السلام علیٰ سیدنا محمد خاتم النبین، قائد المرسلین، شفیع المذنبین وعلی الہ الطیبین الطاھرین و اصحابہ الکاملین الراشدین وازواجہ امھات المؤمنین وعلی اولیاء امتہ وعلماء ملتہ من المفسرین و المحدثین والمجتھدین الراسخین اجمعین الی یوم الدین۔ یا ارحم الراحمین۔

پانچواں درس

الحمد للّٰہ القادر القوی العزیز الغفار، غافر الذنب وقابل التوبۃ الکریم الستار، و اکرم الصلوۃ و السلام علی النبی المختار، سیدنا محمد صاحب العز والوقار، وعلی الہ الاطہار، و اصحابہ الاخیار، وعلیٰ من سلك مسالکھم الی یوم القرار۔ اما بعد

فاعوذ باللّٰہ من الشیطین الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الرحمٰن الرحیم۔

''بہت مہربان، رحمت والا''۔

رحمان ورحیم کے الفاظ کا دوبارہ لایا جانا:

اگرچہ یہ الفاظ بعینہ بسم اللہ شریف میں آچکے ہیں پھر دوبارہ ان کو یا تو اس لئے لایا گیا کہ بسم اللہ شریف میں اللہ تعالیٰ کی ذاتی رحمتوں کو بیان فرمایا گیا اور یہاں اللہ تعالیٰ کی صفاتی مہربانیوں کا تذکرہ ہے یا پھر اس لیے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ میرے بندے بار بار میرا رحمان ورحیم ہونا پکاریں۔ کیونکہ اس کی رحمت ہر شئی پہ حاوی ہے۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بسم اللہ شریف تو ہر سورت کے شروع میں ہے سوائے سورۃ توبہ کے اور ہمارے (احناف کے) ہاں بسم اللہ ہر سورت کا جز نہیں ہے لہٰذا کلام اللہ کے لحاظ سے الرحمٰن الرحیم بسم اللہ کے علاوہ پہلی بار ہی آیا ہے۔

دور حاضر کے بعض مفسرین کا یہ کہنا کہ رحمان ورحیم دونوں کا ایک ہی معنی ہے اور

یہ ایسے ہی ہے جس طرح ہم چٹا گورا یا لمبا تڑنگا کہتے ہیں۔ یعنی ایک لفظ بولا اور اس سے مفہوم صحیح طرح ادا نہ ہوا پھر اسی طرح کا دوسرا لفظ بول دیا۔

یہ بات درست نہیں کیونکہ یہ تو ہمارا خاصہ ہے کہ ہم ایک لفظ سے پورا مفہوم ادا نہیں کر پا رہے اور خاصہ وہ ہوتا ہے۔ مایوجد فیہ ولا یوجد فی غیرہ۔ جو اسی شئی میں پایا جائے اور اس کے غیر میں نہ پایا جائے اور ایک لفظ سے پورا مفہوم ادا نہ کر سکنا کمزوری بھی ہے جو ہم میں ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔

اور پھر الرحمٰن الرحیم دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں جبکہ چٹا گورا اور لمبا تڑنگا میں سے کوئی بھی مبالغہ کا لفظ نہیں ہے۔

ربط اس آیت کا پہلی آیت سے یہ ہے کہ رب العالمین میں یہ بتایا گیا کہ وہ تمام جہانوں کا پالنے والا ہے تو سوال پیدا ہوا کہ کیا نہ ماننے والوں اور دشمنوں کو بھی پالتا ہے تو فرمایا ہاں۔ الرحمٰن الرحیم۔ وہ سب کا پالنے والا ہے۔ اپنا ہو یا بیگانہ، دوست ہو یا دشمن اس کی تسبیح کرنے والا ہو یا اس کو گالیاں دینے والا۔ جب وہ دشمنوں کو بھی پالتا ہے تو دوستوں پر کتنا مہربان ہوگا۔ شیخ سعدی نے کیا خوب کہا:

اے کریمے کہ از خزانہ غیب — گبر و ترسا وظیفہ خورداری
دوستاں را کجا کُنی محروم — تو کہ با دشمناں نظر داری

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں مہمان:

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ گلستان میں فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معمول یہ تھا کہ بغیر مہمان کے آپ کبھی کھانا نہ کھاتے ایک دن کھانے کا وقت ہو گیا لیکن مہمان کوئی نہ آیا، آپ مہمان کی تلاش میں نکلے تو ایک بوڑھا شخص آتا دکھائی دیا، بہت خوش ہوئے کہ بزرگ مہمان مل گیا ہے اس کو گھر لائے، دستر خوان بچھایا، کھانا لگایا بسم اللہ پڑھ کر شروع فرمایا لیکن آپ نے دیکھا کہ مہمان نے بسم اللہ نہیں پڑھی، باتوں باتوں میں معلوم ہوا کہ مہمان تو آتش پرست ہے آپ نے اس کو اپنے دستر خوان سے اُٹھا

دیا، اللہ نے وحی نازل فرمائی کہ اے ابراہیم! میں بھی تو جانتا ہوں کہ یہ آتش پرست ہے مگر پیدا ہونے سے لیکر بڑھاپے کی اس حالت تک اس کو روزی دے رہا ہوں تو میرا کیسا خلیل ہے کہ ایک وقت کا کھانا نہیں کھلا سکا۔

خدا کی رحمت کے انداز:

رحمٰن کا ایک معنی یہ کیا گیا ہے کہ ایسی رحمت کرنے والا کہ جس طرح کی رحمت مخلوق کر ہی نہ سکے اور رحیم کا معنی ہے ایسی رحمت کرنے والا کہ جس سے ملتی جلتی رحمت کچھ نہ کچھ بندے بھی کر سکیں، اسی طرح رحمٰن بلا واسطہ اور رحیم بالواسطہ بندوں پر رحم کرنے والا کہا گیا ہے۔

اس کی مثال اس طرح ہے کہ عموماً جاندار اشیاء والدین کے ذریعے پرورش پاتی ہیں مگر کوے کا بچہ انڈے سے نکلتا ہی ہے تو اس کی ماں اس سے بالکل لاتعلق ہو جاتی ہے اور بچہ ایک لوتھڑے کی طرح پڑا رہتا ہے جس کو کھانے کیلئے مچھر وغیرہ اس پہ جمع ہو جاتے ہیں جن کو کھا کر وہ گزارہ کرتا ہے اور اس طرح جب اس کے جسم پہ بال و پر نمودار ہو جاتے ہیں تو پھر اس کی ماں آ کر اس کو سنبھال لیتی ہے۔ (تفسیر کبیر، تفسیر روح البیان)

بچھو کے ذریعے سانپ سے حفاظت:

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں ایک دن دریائے نیل کے کنارے کنارے جا رہا تھا میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بچھو ہے جو دریا کی طرف بھاگتا ہوا آ رہا ہے، جب وہ دریا کے کنارے پہ پہنچا تو اسی وقت اچانک دریا سے ایک کچھوا نمودار ہوا جو بچھو کو لیکر پھر واپس دوسرے کنارے کی طرف چل پڑا، حضرت ذوالنون فرماتے ہیں کہ مجھے بھی شوق پیدا ہوا کہ میں دیکھوں یہ کہاں جاتے ہیں اور کیا کرتے ہیں چنانچہ میں کشتی پہ سوار ہوا اور ان کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ بچھو دریا کے دوسرے کنارے پہ جا کر دریا سے باہر نکل گیا اور دوڑنے لگا جبکہ کچھوا واپس دریا میں آ گیا میں

بچھو کے پیچھے ہولیا اچانک ایسی جگہ پہ پہنچ کر بچھو رُک گیا کہ جہاں ایک شخص سویا ہوا ہے اور ایک زہریلا سانپ اس پہ حملہ کرنے کی تیاری میں ہے، بچھو نے سانپ پر حملہ کیا اور سانپ نے بچھو پر، سانپ اور بچھو تو ایک دوسرے کے زہر سے مر گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس جوان کو بچالیا۔

خدا معلوم جب ہم سوتے ہیں تو خدا تعالیٰ کن کن مصیبتوں سے ہماری حفاظت کرتا ہے اس لئے حکم ہے جب سونے لگو تو یہ دعا پڑھو۔

اللھم باسمك اموت و احیٰ

''اے اللہ میں تیرے نام کے ساتھ زندہ رہوں اور تیرے ہی نام کی برکت مرتے وقت مجھے نصیب ہو''۔

اور جب سو کر اُٹھو تو یہ دعا پڑھو۔

الحمد للّٰہ الذی احیانا بعد ما اماتنا و الیه النشور۔

تمام تعریفیں اس اللہ کیلئے ہیں جس نے موت کے بعد ہمیں زندگی عطا فرمائی اور اسی کی طرف سب کو جانا ہے۔ (جو رحمٰن بھی ہے، جو رحیم بھی ہے)۔

نعمتوں کے بارے میں کفار کا عقیدہ:

کفار کا عقیدہ تھا کہ بڑی نعمتیں تو اللہ دیتا ہے جبکہ چھوٹی نعمتیں ہمیں بت دیتے ہیں تو ان کے اس عقیدے کو باطل فرمایا یہ کہہ کر الرحمٰن الرحیم۔ بڑی نعمتیں بھی اللہ دیتا ہے اور چھوٹی نعمتیں بھی اللہ ہی دیتا ہے۔

یہ اس کی رحمت ہی ہے کہ اس امت پر اس کے فرشتے نعمتیں لے کر اترتے ہیں، خوشخبریاں اور بشارتیں لے کر نازل ہوتے ہیں حالانکہ یہی فرشتے پہلی امتوں پہ عذاب لے کر اترتے تھے۔

قرآن پاک میں ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی ہے کہ فرشتے اللہ کی حمد کے ساتھ ساتھ اہلِ زمین کی بخشش و مغفرت کیلئے دعا بھی کرتے رہتے ہیں۔ یسبحون بحمد

ربھم ویستغفرون لمن فی الارض الا ان اللہ ھو الغفور الرحیم۔(الشوریٰ 5)

سورۃ المؤمن میں ارشاد ہوتا ہے:

الذین یحملون العرش ومن حولہ یسبحون بحمد ربھم ویؤمنون بہ و یستغفرون للذین امنوا...... انک انت العزیز الحکیم۔(آیت 7 تا 9)

حاملین عرش فرشتے بھی اہل ایمان کیلئے، نزول رحمت دخول جنت اور عذاب سے نجات کی دعا کرتے رہتے ہیں۔

لفظ ''الرحمٰن'' کی تفسیر امام غزالی کے قلم سے:

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ''الرحمٰن'' کی تشریح میں فرماتے ہیں:

العطوف علی العباد بالایجاد اولا وبالھدایۃ الی الایمان واسباب السعادۃ ثانیا والاسعاد بالاخرۃ ثالثا والانعام بالنظر الی وجھہ الکریم رابعا۔

رحمٰن کا معنی ہے اپنے بندوں پہ بہت مہربان اس کی پہلی مہربانی تو یہ ہے کہ اس نے پیدا کیا۔ دوسری یہ کہ اس نے ہمیں بھٹکتا ہوا چھوڑ دینے کی بجائے ہمیں ہدایت دی۔ اور سعادت مند بنایا۔ پھر بروز قیامت اپنی خصوصی رحمت سے ہمیں بخش دے گا اور اپنے دیدار سے مشرف فرمائے گا۔فبای الاء ربکما تکذبن۔ (پس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔) بندہ نیاز مند ہے تو بے نیاز ہے

آیات رحمت:

قرآن مجید میں کئی جگہ اللہ تعالیٰ کی رحمت واسعہ کا تذکرہ ہے کہیں تو رحمت کا ذکر مغفرت کے ساتھ فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا غفور ورحیم ہونا بیان ہوا اور کہیں رحمت کا ذکر توبہ کے ساتھ کیا اور اللہ تعالیٰ کا تواب اور رحیم ہونا بیان ہوا۔قرآن مجید کی جن آیات میں رحمت کا تذکرہ ہے ان سب کو تو بیان کرنا ممکن نہیں ان میں سے چند آیات کا ذکر اس موقع پہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

- واللّٰہ یختص برحمتہ من یشاء۔ (البقرہ:105)

''اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص فرمالیتا ہے''۔

- ان اللّٰہ بالناس لرؤف رحیم۔ (البقرہ:143)

''بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بہت ہی مہربان، رحم فرمانے والا ہے''۔

- واستغفروا اللّٰہ ان اللّٰہ غفور رحیم۔ (البقرہ:199)

''اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو بیشک اللہ تعالیٰ بخشش و رحمت والا ہے''۔

- واعلموا ان اللّٰہ غفور حلیم۔ (البقرہ:235)

''اور جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ بخشش و حلم والا ہے''۔

- لمغفرۃ من اللّٰہ ورحمۃ خیر مما یجمعون۔ (ال عمران:157)

''البتہ اللہ کی بخشش و رحمت ہر اس (بھلائی) شئی سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں''۔

- ولوا انہم اذ ظلموا انفسم جاء وک...... توابا رحیما۔ (النساء:64)

''اگر یہ لوگ اپنی جانوں پہ ظلم کرلیں تو (اے پیارے محبوب) آپ کے پاس آکر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول پاک بھی ان کیلئے معافی چاہیں تو البتہ ضرور اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا، رحمت فرمانے والا پائیں''۔

- کتب علی نفسہ الرحمۃ۔ (الانعام:12)

''اس (اللہ تعالیٰ) نے (مخلوق پر) رحمت فرمانا اپنے اوپر لازم کرلیا ہے''۔

- فقل ربکم ذو رحمۃ و اسعۃ۔ (انعام:147)

''پس آپ فرمادیں کہ تمہارا پروردگار وسیع رحمت والا ہے''۔

- ورحمتی وسعت کل شئی۔ (الاعراف:156)

''اور میری رحمت ہر شئی پر حاوی ہے''۔

- انہ بہم رؤف رحیم۔ (التوبہ:117)

''بے شک وہ (اللہ تعالیٰ) ان (بالخصوص صحابہ کرام علیہم الرضوان) پر بہت شفقت ورحمت کرنے والا ہے''۔

- ان ربی رحیم ودود۔ (ہود:90)
''بے شک میرا رب بہت رحمت و پیار والا''۔
- یغفر اللّٰہ لکم وھوا رحم الراحمین۔ (یوسف:92)
''اللہ تمہیں بخش دے گا اور وہ تمام مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے''۔
- نبئ عبادی انی اناالغفور الرحیم۔ (الحجر:49)
''میرے بندوں کو بتادو کہ بے شک میں بخشش ورحمت والا ہوں''۔
- ان ربکم لرؤف رحیم۔ (النحل:7)
''بے شک تمہارا پالنے والا مہربان ورحمت والا ہے''۔
- وربك الغفور ذوالرحمۃ۔ (الکہف:58)
''اور تیرا پروردگار بڑا رحمت والا ہے۔ (مجرموں کو فوراً نہیں پکڑتا)''۔
- ذکر رحمت ربك عبدہ زکریا۔ (مریم:2)
''یہ تیرے رب کی رحمت کا ذکر ہے جو اس نے اپنے بندے ذکریا پر کی''۔
- ولولا فضل اللّٰہ علیکم و رحمتہ ما زکیٰ منکم من احد ابدا۔ (النور:21)
''اور اگر تم پر اللہ کا فضل ورحمت نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی کبھی پاک نہ ہوتا''۔
- ولولا فضل اللّٰہ علیکم ورحمتہ لا تبعتم الشیطٰن الاقلیلا۔ (النساء:83)
''اور اگر تم پہ اللہ کا فضل و رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے اکثر شیطان کے پیروکار ہو جاتے''۔
- قل بفضل اللّٰہ و برحمتہ فبذلك فلیفرحوا ھو خیر مما یجمعون۔ (یونس:58)
''فرمادیں کہ اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ملنے پہ خوشیاں منایا کرو۔ یہ ان

تمام چیزوں سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں"۔

- یعذب من یشاء و یرحم من یشاء۔ (عنکبوت:21)

"وہ (اللہ تعالیٰ) جس کو چاہتا ہے سزا دیتا ہے اور جس پہ چاہے رحمت فرماتا ہے"۔

- انه هو البر الرحیم۔ (الطور:28)

"بے شک وہ (اللہ) بہت احسان و رحمت فرمانے والا ہے"۔

- فانظر الی اثار رحمت ربك كيف يحي الارض بعد موتها۔ (الروم:50)

"پس دیکھ اپنے رب کی رحمت کے نشانات وہ کیسے مردہ زمین کو زندہ فرماتا ہے"۔

احادیث رحمت:

- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعے اپنی قیامت تک کی امت کو اپنے ایک فرمان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مفہوم جس وسعت کے ساتھ بیان فرمایا اس سے بہتر انداز میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا بیان کون کر سکے گا؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

سید دوا وقار بوا وابشر وافا نه لا یدخل الجنة احد عمله قالو اولا انت یا رسول اللّٰه قال ولا انا الا ان یتغمدنی اللّٰه بمغفرته و رحمته۔ (رواہ الشیخان)

"صحیح راستہ اپناؤ، اللہ کا قرب حاصل کرو اور لوگوں کو خوش رکھو کسی کا عمل اس کو جنت میں نہ لے جائے گا۔ عرض کیا گیا: حضور! آپ بھی عمل کے ذریعے جنت میں نہ جائیں گے۔ فرمایا: ہاں میں بھی۔ مگر یہ کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی بخشش و رحمت ڈھانپ لے"۔

- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: لا تنزع الرحمة

الامن شقی۔ (رواہ احمد والترمذی)

''رحمت خداوندی کا حق دار وہی ہے جو بد بخت نہ ہو''۔ (مفہوم حدیث)

❁ حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

الراحمون یرحمهم الرحمٰن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء۔ (ابوداؤد۔ترمذی)

''رحم کرنے والوں پر ہی اللہ تعالیٰ (رحمٰن) رحم فرماتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا''۔

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

بروز قیامت، ظہور رحمت:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان حق ترجمان سے اپنے گنہگار بندوں کو یہ مژدہ جانفزاء سنایا ہے۔

لا تقنطوا من رحمة الله ان الله یغفر الذنوب جمیعا۔

''اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہونا بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دے گا''۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دریا تلاطم میں ہوگا، اس ضمن میں چند ملاحظہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ کی بندے سے سرگوشی:

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

ان الله یدنی المؤمن فیضع علیه کنفه ویستره فیقول اتعرف ذنب کذا، اتعرف ذنب کذا فیقول نعم ای رب حتی قررہ بذنوبه

ورای فی نفسہ انہ قد ھلك قال سترتھا علیك فی الدنیا وانا اغفرھا لك الیوم فیعطی کتاب حسناتہ (متفق علیہ)

"اللہ تعالیٰ (بروز قیامت) ایک بندے کو اپنے قریب فرے گا اور اس سے سرگوشی فرمائے گا۔ اور پوچھے گا کیا تو اپنا فلاں فلاں گناہ پہچانتا ہے بندہ اقرار کرتا جائے گا اور دل میں سوچے گا کہ اب میری خیر نہیں، تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میں نے دنیا میں تیری پردہ پوشی کی، آج بھی تجھے معاف کیا۔ چنانچہ اس کی نیکیوں کا رجسٹر اس کو دے کر فارغ کر دیا جائے گا۔"

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے جو حدیث مروی ہے اس میں اس شخص کو آخری جنتی قرار دیا گیا ہے۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ جب اس پر پیش کیے جائیں گے جن کا وہ انکار نہیں کر سکے گا اور ساتھ ڈرے گا کہ ابھی بڑے گناہوں کی نوبت آتی ہے۔

فیقال لہ فان لك مکان کل سیئۃ حسنۃ

"پس اس کو کہا جائے گا ہر گناہ (صغیرہ) پر تجھے ایک نیکی دی جاتی ہے"۔

سیقول رب قد علمت اشیاء لا اراھا ھھنا

"پس وہ بندہ بول پڑے گا اے اللہ کچھ اور چیزوں (کبیرہ گناہوں) کا بھی میں مرتکب ہوا تھا وہ یہاں نظر نہیں آ رہیں"۔

حضرت ابوذر فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ یہ فرما کر حضور علیہ السلام اتنا ہنسے کہ:

حتی بدت نوا جذہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھیں ظاہر ہو گئیں۔ (مسلم۔ مشکوۃ صفحہ 296)

بندے کی چالاکی اور خدا کی پکڑ:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے اور فرمایا: تم جانتے ہو میں کیوں ہنسا ہوں؟ ہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ فرمایا: بندے

کی اپنے رب سے گفتگو کی وجہ سے ہنسا ہوں جب وہ اپنے رب سے عرض کرے گا:

یا رب الم تجرنی من الظلم۔

''اے اللہ! کیا تو نے مجھے ظلم سے نجات نہ دی''۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا: بلی۔ کیوں نہیں۔ بندہ کہے گا:

فانی لا اجیز علی نفسی الا شاهدا منی۔

آج میں اپنے خلاف کسی اور کی بات قبول نہ کروں گا۔ (مطلب یہ ہوگا کہ کسی گناہ کے بارے میں اگر کوئی میرے خلاف گواہی دینا چاہے تو مجھے منظور نہیں۔ ہاں میری اپنی ذات میں سے کوئی میرے خلاف گواہی دے تو میں مانوں گا۔ یہ کہہ کر وہ مطمئن ہو جائے گا کہ اب میں نے اپنے آپ کو بچا لیا ہے)

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

کفی بنفسک الیوم علیک شهیدا وبالکرام الکاتبین شهودا۔

''آج تو خود اور کراماً کاتبین ہی تیرے گواہ ہوں گے''۔

چنانچہ اس کے منہ پہ مہر لگا دی جائے گی اور اس کے اعضاء اس کے خلاف گواہی دیں گے۔ اور پھر وہ اپنے اعضاء کو مخاطب کر کے کہے گا۔

بعدا لکن وسحقا فعنکن کنت اناضل۔ (مسلم شریف)

''تم پہ لعنت ہو تمہارے لیے ہی تو میں سب کچھ کرتا رہا اب تم ہی میرے خلاف بولنے لگے''۔

کلمۂ شہادت ننانوے رجسٹروں پہ بھاری ہو جائے گا:

حضرت حسن بصری جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ایک بندے کو ساری مخلوق کے سامنے پیش کیا جائے گا اور اس کے سامنے ننانوے رجسٹر گناہوں کے کھولے جائیں گے اور ایک ایک رجسٹر حد نگاہ تک پھیلا ہوگا۔ اور تمام رجسٹر گناہوں سے بھرپور ہوں گے پھر اس سے پوچھا جائے گا، کیا تو ان

گناہوں میں سے کسی گناہ کا انکار کر سکتا ہے؟ کیا تیرے پاس کوئی عذر ہے؟ کیا میرے فرشتوں نے تجھ پر کوئی ظلم تو نہیں کیا؟ وہ کہے گا نہیں اے اللہ۔

حکم ہوگا، ہاں اس کی ایک نیکی ہے وہ لائی جائے، چنانچہ کاغذ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا لایا جائے گا تو وہ عرض کرے گا اس پرزے کی ان رجسٹروں کے سامنے کیا حیثیت ہے، اس کو کہا جائے گا کہ آج تیرے اوپر ظلم نہ کیا جائے گا چنانچہ ننانوے رجسٹر ترازو کے ایک پلڑے میں اور کاغذ کا وہ پرزہ دوسرے پلڑے میں رکھا جائے گا۔

فطاشت السجلات و ثقلت البطاقۃ

پرزے والا پلڑا بھاری ہو جائے گا اور رجسٹروں والا پلڑا ہلکا۔ اس پرزے پہ لکھا ہوگا اشھد ان لا الہ الا للّٰہ وان محمدا عبدہ ورسولہ۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

ستر ہزار بلا حساب جنت میں:

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام سے سُنا کہ آپ نے فرمایا:

وعدنی ربی ان یدخل من امتی سبعین الفالا حساب علیھم ولاعذاب مع کل الف سبعون الفا و ثلث حثیات من حثیات ربی۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

''اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ وعدہ فرمایا ہے کہ آپ کی امت کے ستر ہزار افراد کو بغیر حساب وعذاب کے جنت میں داخل کروں گا اور ہر ہزار کے ساتھ پھر ستر ہزار اور علاوہ ازیں اپنے تین لپ''۔

حضور! اور زیادہ کیجئے:

ایک روایت جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہے اس میں حضور علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری امت کے چار لاکھ افراد کو بلا حساب جنت میں داخل کرنے کا وعدہ فرمایا ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا زدنا یا رسول اللہ ''یارسول اللہ اور

زیادہ کیجئے۔قال و ھکذا فحثا بکفیہ فرمایا اچھا اتنا اور سہی اور دونوں ہاتھوں (لپوں) کو ملایا۔ حضرت ابو بکر نے پھر عرض کیا! حضور اور زیادہ کیجئے فرمایا: اچھا اتنا اور زیادہ حضرت عمر نے کہا! چھوڑ اے ابو بکر اللہ چاہے گا تو ایک لپ میں ساری امت کو جنت میں داخل کرے گا، اس پر حضور نے فرمایا: صدق عمر۔ عمر نے سچ کہا ہے۔

(مشکوۃ صفحہ 494)

معلوم ہوا کہ حضرت صدیق کا عقیدہ تھا کہ حضور کو اختیار ہے جتنی امت چاہیں بخشوالیں تبھی تو کہہ رہے ہیں اور زیادہ کریں۔

حضور کی رضا کیلئے امت کی بخشش:

ایک مرتبہ حضور علیہ السلام نے رو کر اپنی امت کیلئے دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے جبریل امین علیہ السلام کو فرمایا:

اذھب الی محمد فقل انا سنرضیك فی امتك ولا نسوئك۔

(رواہ مسلم۔ مشکوۃ صفحہ 489)

''میرے حبیب کے پاس جا اور کہہ ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں راضی کر دیں گے، پریشان نہیں ہونے دیں گے''۔

سب سے آخری جنتی:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جو شخص سب سے آخر میں جنت جائے گا اس کا حال یہ ہوگا کہ کبھی گرے گا کبھی اُٹھے گا کبھی اپنے آپ کو گھسیٹے گا اور جب پلصراط سے گذر جائے گا (ابھی جنت میں داخل نہ ہوگا) تو عرض کرے گا۔

لقد اعطنی اللّٰہ شیئا ما اعطاہ احدا من الاولین و الاخرین۔

''جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا ہے نہ پہلوں میں سے کسی کو دیا ہے اور نہ

پچھلوں میں سے"۔
اس پر ایک درخت اس کو دکھایا جائے گا، تو وہ عرض کرے گا اے اللہ مجھے اس درخت کا سایہ عطا کردے اور اس کا پانی مل جائے تو میں تیرے ساتھ وعدہ کرتا ہوں کہ تجھ سے اور کچھ نہ مانگوں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میں اگر تجھے یہ دے دوں تو تو اور بھی مانگے گا، لیکن وہ پکا وعدہ کرلے گا کہ بس مجھے اتنا ہی کافی ہوگا۔ چنانچہ جب اس کو اس کی مطلوبہ نعمت مل جائے گی تو ایک اور درخت پہلے سے زیادہ اچھا اس کو دکھایا جائے گا۔ وہ پھر اس کے حصول کا مطالبہ کردے گا اور کہے گا یہ مل جائے تو مجھے اور کچھ نہیں چاہیے چنانچہ ہوتے ہوتے دخول جنت کی بات کردے گا، پس اللہ فرمائے گا:

ارضيك ان اعطيك الدنيا مثلها معها۔

"کیا تو اس پر راضی ہو جائے گا کہ تجھے دنیا و مافیہا اور اس کے برابر اتنا ہی اور دے دیا جائے"۔

وہ عرض کرے گا:

اى رب اتستهزئ منى وانت رب العالمين۔

"اے اللہ! تو رب العالمین ہو کر مجھ سے استہزاء فرماتا ہے"۔

اللہ فرمائے گا: میں استہزاء نہیں کر رہا بلکہ میں ہر شئی پر قادر ہوں۔ اس پر حضرت ابن مسعود ہنسے اور حاضرین سے فرمایا: تم نے مجھ سے پوچھا کیوں نہیں کہ میں کیوں ہنسا ہوں، انہوں نے پوچھا تو فرمایا: یہ بیان فرما کر حضور علیہ السلام بھی ہنسے تھے اور ہمارے پوچھنے پر فرمایا! اللہ تعالیٰ بھی (اپنے اس بندے کی بات پہ) ضحک فرمائے گا یہ روایت مسلم شریف کی ہے اور حضرت ابو سعید سے روایت ہے کہ اس بندے کو جو اس نے مانگا وہ ملے گا اور دس حصے زیادہ بھی ملے گا اور جنت کی دو خوبصورت حوروں سے اس کا نکاح کردیا جائے گا جو اس کے ساتھ نکاح ہونے پر اس طرح اپنے رب کا شکر ادا کریں گی۔

الحمد للّٰہ الذی احیاک لنا و احیانالک۔

''تمام تعریفیں اس اللہ کیلئے ہیں جس نے تجھے ہمارے لئے اور ہمیں تیرے لئے زندگی عطا فرمائی''۔

تب وہ بندہ کہے گا:

ما اعطی احد مثل ما اعطیت۔

''جو کچھ مجھے مل گیا ہے وہ کسی کو بھی نہیں مل سکا۔'' (مشکوۃ صفحہ 291,292)

بخاری و مُسلم شریف کی ایک روایت میں اس شخص کو ادنیٰ جنتی قرار دیا گیا جس جنت میں سے پوری دنیا کے برابر اور اس کے ساتھ ساری دنیا کے برابر دس حصے زیا دیا جائے گا۔ (متفق علیہ۔ مشکوۃ صفحہ 292)

اللہ کے نام سے نجات کا واقعہ:

امام غزالی علیہ الرحمۃ نے ایک حدیث کیمیائے سعادت میں نقل فرمائی ہے کہ ایک شخص ہزار برس دوزخ میں رہنے کے بعد کہے گا۔ یا حنان یا منان۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں حکم دے گا کہ اس کو میرے پاس لے آؤ پھر اللہ اس سے پوچھے گا کہ دوزخ کیسی جگ ہے وہ کہے گا بہت بُری، چنانچہ حکم ہوگا کہ اس کو پھر دوزخ میں لے جاؤ، جب اس لے جا رہے ہوں گے تو وہ بار بار پیچھے دیکھے گا، اللہ تعالیٰ پوچھے گا کیا دیکھتا ہے؟ وہ کے گا میں تو سمجھا تھا کہ دوزخ سے نکالنے کے بعد مجھے دوبارہ نہیں ڈالا جائے گا۔ چنانچ اتنی سی بات پہ اس کی بخشش ہو جائے گی۔ (صفحہ 694,695 مترجم)

ایک حبشی غلام کا واقعہ:

ایک بزرگ اکثر ایک حبشی غلام کو دیکھتے کہ وہ ہر وقت خوشی سے جھومتا رہتا ا کچھ اشعار گنگناتا رہتا، ایک دن بزرگ نے پوچھا کہ تجھے میں نے ہمیشہ خوش دیک ہے، کبھی پریشان نہیں دیکھا نہ تو کبھی فکر مند ہوا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ جبکہ بے شم

لوگ کئی قسم کی پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔ تو اس غلام نے جواب دیا: مجھے پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے میں جس کا غلام ہوں وہ دو دیہاتوں کا اکیلا مالک ہے۔ تو جو ایسے آقا کا غلام ہو وہ کیوں پریشان رہے اور ہمیشہ کیوں نہ خوش رہے۔ بزرگ نے اس سے یہ نکتہ نکالا کہ صرف دو دیہاتوں کے مالک کا غلام تو ایسا ہو تو میں تو اس کا غلام ہوں جو سارے جہانوں کا مالک ہے اور دو دہاتوں والا تو ظالم بھی ہو سکتا ہے جبکہ میرا مالک تو وہ ہے جس کی شان ہے الرحمٰن الرحیم۔

مایوسی گناہ ہے:

حدیث شریف میں ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس کیا کرتا تھا اور اپنی محبت میں مبتلا کرتا تھا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا۔ جس طرح تو لوگوں کو مجھ سے ناامید کرتا تھا آج میں نے تجھے اپنی رحمت سے ناامید کر دیا ہے۔ (کیمیائے سعادت صفحہ 694)

- سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ایک شخص کو اپنے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے نہایت خوفزدہ دیکھ کر فرمایا! مایوس ہونے کی ضرورت نہیں اللہ کی رحمت تیرے گناہوں سے کہیں زیادہ ہے۔ (ایضاً)
- حدیث میں ہے کہ ایک شخص کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پوچھے گا تو نے اپنا احتساب کیوں نہ کیا تو وہ کہے گا لوگوں کی ملامت کے خوف سے اور تیری رحمت کی امید کی بنا پر۔ چنانچہ اس پر رحمت کر دی جائے گی۔ (ایضاً)
- ایک شخص کو نزع کی حالت میں دیکھ کر حضور علیہ السلام نے پوچھا؟ تو اپنے آپ کو کیسا محسوس کرتا ہے؟ اس نے کہا: گناہوں کا ڈر ہے اور رحمت خداوندی کی امید ہے۔ آپ نے فرمایا: اس حالت میں جس کا یہ حال ہو اللہ تعالیٰ اس کو ڈر سے بچاتا ہے اور اس کی امید پوری فرماتا ہے۔ (ایضاً)

سوانسانوں کا قاتل کیسے بخشا گیا؟:

ایک شخص جس نے سوافراد کو ناحق قتل کیا تھا توبہ کے ارادے سے نیکوں کی بستی کی طرف نکلا تو فوت ہو گیا اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ اگر نیکوں کی بستی کے قریب ہے تو جنت میں لے جاؤ اور اگر اپنی بستی کے قریب ہے تو دوزخ میں لے جاؤ حالانکہ اپنی ہی بستی کے قریب تھا لیکن اس پر رحمت کرنے کیلئے نیکوں کی بستی والی زمین کو سکڑ جانے کا حکم دے دیا اور دوسری طرف والی زمین کو پھیل جانے کا حکم دے کر اس کو بخش دیا۔ سچ کیا گیا ہے۔ ؎ رحمت حق بہانہ می جوید، بہانہ می جوید

(یہ مسلم شریف کی حدیث کا مفہوم ہے جو بیان کیا گیا ہے)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اس پر فرماتے ہیں کہ ''اس سے معلوم ہوا کہ لازم نہیں کہ گناہوں سے نامۂ اعمال بالکل خالی ہو تبھی بخشا جائے گا۔ بلکہ نیکیوں کا پلہ اس کے مقابلہ میں بھاری ہونا چاہیے اگرچہ مقدار تھوڑی ہی کیوں نہ ہو، یہی نجات کا ذریعہ ہے۔

اپنے اس درس کو حمد و نعت پہ مشتمل عربی زبان کے چند اشعار پہ ختم کر رہا ہوں جو فقیہ ملت مولانا ابو یوسف محمد شریف صاحب محدث کوٹلوی نے ترتیب دیے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هُوَ خَالِقُ الْاِنْسَانِ
وَالشُّكْرُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هُوَ غَافِرُ الْعِصْيَانِ
وَالصَّلٰوةُ عَلَى الَّذِیْ هُوَ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ
وَهُوَ الشَّفِيْعُ لِكُلِّ مَنْ هُوَ وَقَعَ فِی الْخُسْرَانِ
اَلَّذِیْ لَوْلَاهُ مَا خَلَقَ السَّمٰوٰتِ الْعُلٰى
كَذَّا وَمَا خَلَقَ الْوَرٰى وَهُوَ رَفِيْعُ الشَّانِ

اَلَّذِیْ شَهِدَ الْحُصَاةُ بِصِدْقِهٖ فِیْ كَفِّهٖ
بَايَعَ الْاَصْحَابُ مَعَهٗ بَيْعَةَ الرِّضْوَانِ

اِسْمَعُوْا مَا قُلْتُ فِیْ مَدْحِ النَّبِیِّ الْمُصْطَفٰی
وَاَنَا الشَّرِیْفُ الْمَادِحُ یَا مَعْشَرَ الْخُلَّانِ

وما علینا البلٰغ واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین و الصلوۃ والسلام علی سید المرسلین و الہ و اصحبه اجمعین۔

چھٹا درس

الحمد للّٰہ ذی العزۃ و الکبریاء و الجلال و الصلوۃ والسلام علی النبی الھادی من الضلال وعلیٰ اصحابہ المکرمین المعظمین وعلی الاٰل صلوۃ تنجویھا من جمیع الاٰفات و الا ھوال۔

اما بعد:فاعوذباللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔

مالك یوم الدین۔

''روز جزا کا مالک''۔

صدق اللّٰہ مولانا العلی العظیم۔

ربط و تعلق آیات:

چونکہ انسانی طبیعتیں مختلف واقع ہوئی ہیں بعض لوگ پیار کی زبان سمجھ جاتے ہیں اور بعض کو سختی کے ساتھ بات منوانا پڑتی ہیں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف راغب کرنے کیلئے پچھلی آیت میں امید رحمت دلائی اور اب دوسری طبع کے لوگوں کو اس آیت میں اپنے جاہ جلال کا جلوہ دکھا کر اپنی عبادت کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔

جب اپنی ربوبیت ورحمت کا تذکرہ فرمایا تو بندوں کے دلوں میں رحمت خداوندی کی امید پیدا ہوگئی اب اس آیت میں اپنی ہیبت کا رنگ جما کران بندوں کو کامل الایمان بننے کا پروگرام دیا جارہا ہے کیونکہ ایمان خوف وامید کی درمیانی کیفیت کا نام ہے۔ اس لئے اس آیت میں اپنے غلبے اور ملکیت کا ذکر فرمایا ہے۔ کیونکہ عیسائی گناہوں پہ

دلیر ہو گئے یہ عقیدہ اپنا کر کہ عیسیٰ علیہ السلام کا (نعوذ باللہ) مصلوب ہونا ہمارے گناہوں کا کفارہ بن گیا ہے اب ہم جیسا بھی گناہ کریں ہمیں سزا ہو گی اور کسی بھی گناہ کو معاف نہیں کیا جا سکتا۔ گویا وہ خوف خدا سے عاری ہو گئے اور یہ اللہ کی رحمت سے ناامید و مایوس ہو گئے یہ دونوں عقیدے گناہ اور کفر ہیں گناہوں سے بچنا تبھی ممکن ہے کہ خوف خدا بھی دل میں ہو اور امید رحمت کی نعمت بھی حاصل ہو ورنہ جس طرح بلی ناامید ہو کر شیر پہ حملہ آور ہو جاتی ہے اور سزائے موت کا مجرم جب اپنی زندگی سے مایوس ہو جاتا ہے کچھ بھی کر گزرتا ہے اللہ تعالیٰ نے بندوں کو نہ تو اپنی رحمت سے مایوس ہونے کی اجازت دی ہے اور نہ ہی اپنے خوف و غضب سے بے خوف ہو جانے کا راستہ دیا ہے تا کہ بندے گناہوں سے بچتے رہیں اور نیکی کرتے رہیں اور ساتھ ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ اللہ کے ہاں دیر تو ہو سکتی ہے اندھیر نہیں ہے وہ اگر مجرموں کو سزا دیتا ہے تو نیکوکاروں کو جزا دے کر انصاف کے تقاضے بھی پورے فرماتا ہے۔

مجموعی تعلق:

ایک تعلق اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ کی اس آیت تک اپنے پانچ ناموں (اللہ، رب، رحمٰن، رحیم، مالک) کا تذکرہ فرمایا ہے، اللہ ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ اس نے انسان کو پیدا فرمایا، رب ہونے کے تقاضے سے اس نے اپنی نعمتوں کی بارش فرما دی، رحمٰن کے تقاضے کے پیش نظر انسانوں کے گناہوں کو چھپایا، رحیم کے تقاضے سے اپنے بندوں کے گناہوں کو معاف فرمایا اور مالک یوم الدین کے تقاضے سے بندوں کو ان کے نیک اعمال کی جزا دینے کی بات کی۔

رحمت و جلال کے جلوے اگر یکجا ایک آیت میں دیکھنے ہوں تو سورۃ المؤمن کی یہ آیت ملاحظہ کیجئے۔

غافر الذنب و قابل التوب شدید العقاب ذی الطول۔

"(اللہ تعالیٰ) گناہوں کو معاف کرنے والا، توبہ کو قبول فرمانے والا بہت

سخت عذاب دینے والا، قدرت والا ہے''۔

لفظ مالک میں قرآت کا اختلاف:

لفظ مالک کو دو طرح پڑھا گیا ہے الف کے ساتھ مالک اور بغیر الف کے مَلِک۔ اور دونوں قرات متواترہ ہیں پہلی قرآت، عاصم، کسائی، یعقوب کی ہے اور دوسری باقی پانچ آئمہ کی ہے دونوں صورتوں میں مادہ اس کا ایک ہی رہے گا اور معنیٰ میں فرق یہ ہے کہ مالک اپنی مملوکہ شئی میں اپنی مرضی سے تصرف کرنے والے کو کہتے ہیں اور مَلِک اپنی رعایا میں احکام نافذ کرنے والے کو کہتے ہیں۔

ان دونوں معنوں کی تائید قرآن پاک کی متعدد آیات سے ہوتی ہے جن میں سے چند یہ ہیں۔

مَلِک کے معنیٰ کی تائید قل اعوذ برب الناس ملك الناس اور لمن الملك اليوم۔ جیسی آیات میں ہے اور ملک کے معنیٰ کی تائید قل اللّٰهم ملك الملك...... جیسی آیات طیبات میں ہے۔

یعنی دنیا میں تو پھر بھی کوئی نہ کوئی کسی نہ کسی شئی کا کبھی نہ کبھی مالک ہے جبکہ قیامت کے دن کوئی اپنے لباس کا مالک بھی نہ ہوگا اور سب کو ننگے بدن اُٹھایا جائے گا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

مالک پڑھنے کی ترجیحات:

پھر ہر دو قرأت کی اپنی اپنی جگہ پہ ترجیح یا افضلیت بیان فرمائی گئی ہے مَلِک پڑھنے والے فرماتے ہیں کہ چونکہ بادشاہ کا درجہ عام مالکوں سے زیادہ ہونا ہے لہٰذا ملک پڑھا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ بادشاہ ہے روز جزا کا۔ جبکہ مالک پڑھنے والوں نے کئی طرح کی ترجیحات بیان کی ہیں۔

1- مالک کے چار حروف ہیں اور ملک کے تین اور کثرت حروف کثرت معانی پہ

دلالت کرتی ہے۔

2- قرآن مجید کا لفظ ہونے کی وجہ سے ''مالک'' پڑھنے سے چالیس نیکیاں ملتی ہیں اور ''ملک'' پہ تیس۔

3- بادشاہت میں جلال وہیبت کا پہلو غالب ہے اور مالکیّت میں رحم وکرم کا اور اللہ کی رحمت ہر شئی پہ غالب ہے۔ (ورحمتی وسعت کل شئی)

4- بادشاہ صرف توانا وتندرست لوگوں کو چاہتا ہے اور اپنی فوج میں طاقتور لوگوں کو ہی بھرتی کرتا ہے جبکہ مالک کو اپنی کمزور شئی زیادہ عزیز ہوتی ہے نوکر بیمار ہو جائے تو اس کا علاج کرتا ہے، تکلیف میں ہو تو رہائی دلاتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اپنے عاجز وکمزور بندوں سے زیادہ پیار کرتا ہے، انکی دعائیں زیادہ قبول کرتا ہے جیسا کہ بیمار کی دعا حالت بیماری میں زیادہ قبول ہوتی ہے۔ تکلیف آنے پر گناہ معاف کرتا ہے جیسا کہ حدیث کا مفہوم ہے کہ مومن کو کانٹا بھی چبھے تو بھی اس تکلیف کے بدلے اس کا گناہ معاف ہو گا یا درجہ بلند ہو گا۔

5- بادشاہ تو رعایا کا حاکم ہوتا ہے اور مالک اپنے مال کا اور رعیت کے مقابلہ میں مملوک پر مالک کا قبضہ زیادہ مضبوط ہوتا ہے، رعایا میں نہ ماننے والے (اپوزیشن) بھی ہوتے ہیں جن کی بادشاہ کو مجبوراً رعایت کرنا پڑتی ہے اسی لئے اس کو رعایا کہتے ہیں کہ ان کی رعایت کرنا ہوتی ہے، رعایا میں کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی بادشاہ کو خبر ہی نہیں ہوتی جبکہ مالک اپنی مملوکہ شئی سے بے خبر نہیں ہوتا۔

6- بادشاہ کی نظر رعایا کے مال پہ ہوتی ہے، لوگ ٹیکس دیں گے تو ملک چلے گا، فوج ہوگی تو سرحدوں کی حفاظت ہوگی مگر مالک ان مجبوریوں سے بے نیاز ہوتا ہے وہ مملوک سے لیتا نہیں بلکہ دیتا ہے ان سے کھاتا نہیں، ان کو کھلاتا ہے اللہ کی شان بھی یہ ہے وھو یطعم ولا یطعم۔ وہ کھاتا نہیں بلکہ کھلاتا ہے، اور جس طرح غلام اپنے مالک کے فضل واحسان کا طالب رہتا ہے ہم بھی اللہ کی رحمت کے ہر

وقت طالب ہیں۔

7- بادشاہ معزول بھی ہوسکتا ہے، اس کی حکومت دوسرے کے پاس بھی جاسکتی ہے مگر مملوک اپنے مالک کی ملکیت سے اس کی اجازت سے ہی نکلے تو نکلے ورنہ ہمہ وقت اس کی ملکیت میں رہے گا۔ اسی طرح ہم بھی ہر لحہ خدا کی ملکیت میں ہیں۔ (لا تنفذون الا بسلطن۔) (الرحمن)

8- رعایا اپنے بادشاہ سے ہر شئ نہیں مانگتی بلکہ خود اپنا انتظام وانصرام کرتی ہے اور اطاعت بھی اس کی ڈر کر ہی کرتی ہے مگر مملوک (غلام) اپنے مالک وآقا سے ہر شئ مانگ لیتا ہے یہاں تک کہ کپڑا بھی اور مالک ہر شئ اس کو دیتا ہے، مخلوق بھی اپنے خالق سے ہر شئ مانگتی ہے اور وہ رب العلمین ہے ان کی ہر ضرورت کو پورا فرماتا ہے۔

9- بادشاہ کی اجازت کے بغیر رعایا بے شمار کام کرتی ہے مگر مملوک کی کیا مجال کہ مالک کی اجازت کے بغیر کوئی کام کر سکے۔ (تفسیر کبیر)

10- بادشاہ اپنی رعایا کے بارے میں مسئول ہوگا (جیسا کہ حدیث میں ہے کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ) اور رب العالمین کی شان یہ ہے وھو یسئل ولا یسئل۔ وہ ہر ایک سے بازپرس کرسکتا ہے اس سے کوئی نہیں کرسکتا وہ فعال لما یرید ہے اور اس کی چاہت کے بغیر کوئی چاہ بھی نہیں سکتا۔ وما تشاؤن الا ان یشاء اللّٰہ۔ (القرآن) (ھذا من عندی) تلك عشرۃ کاملۃ۔

یوم کا معنیٰ:

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق طلوع شمس سے لیکر غروب آفتاب تک یوم کا عرفی معنیٰ ہے اور اس کا شرعی معنیٰ یہ ہے کہ طلوع فجر ثانی سے غروب آفتاب کو یوم کہا گیا ہے۔

(روح المعانی جلد 1 صفحہ 84)

باقی رہا کہ قیامت کا دن کس زمرے میں آتا ہے کہ کبھی اس کو قرآن پاک میں

ایک ہزار سال کا قرار دیا اور کبھی خمسين الف سنة پچاس ہزار سال کا۔ اور کبھی كلمح البصر۔ آنکھ جھپکنے کے برابر۔ تو اس سلسلہ میں علامہ آلوسی لکھتے ہیں روز قیامت اپنے معروف معنیٰ میں حقیقت شرعیہ ہے۔ (ایضاً)

دوسری بات یہ ہے کہ یوم یا دن حرکت شمس سے وجود میں آتا ہے جو کہ قیامت کو نہ ہوگی۔ اسی لیے مالك يوم الدين میں یوم سے مراد بھی وقت یا زمانہ ہے۔

یوم قیامت کے بارے میں احادیث:

❁ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

کافر کیلئے قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہوگا کیونکہ اس نے دنیا میں اعمال صالحہ نہیں کیے۔ (مسند احمد جلد 3 صفحہ 75)

❁ انہی سے ہے کہ حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول! قرآن پاک میں قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا بتایا گیا ہے، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے مومن پہ اس دن تخفیف ہوگی یہاں تک کہ اس کیلئے وہ دن ایک فرض نماز کے برابر ہو جائے گا بلکہ اس سے بھی کم۔

(مسند ابی یعلیٰ جلد 2، صفحہ 134، جامع البیان لابن جریر جلد 29 صفحہ 45، تفسیر ابن کثیر جلد 7، صفحہ 113، موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان صفحہ 634، الدر المنثور جلد 2 صفحہ 264,265، روح المعانی جلد 29 صفحہ 57، مجمع الزوائد جلد 10 صفحہ 337، بسند حسن)

❁ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا لوگ رب العلمین کے سامنے آدھا دن کھڑے رہیں گے اور وہ دن پچاس ہزار سال کا ہوگا اور مؤمن پر آسانی یہ ہوگی کہ سورج کے مائل بہ غروب ہونے سے غروب ہونے تک کے وقت کے برابر یہ دن کر دیا جائے گا ابو یعلیٰ نے اس حدیث کو صحیح لکھا ہے۔ (مجمع الزوائد للہیثمی جلد 10 صفحہ 337)

مومن کا اعزاز:

مندرجہ بالا احادیث میں مومن کیلئے ایک فرض نماز سے بھی کم مدت کے برابر یوم قیامت کا مختصر ہو جانا یقیناً ان نمازیوں کیلئے ہے جو نماز کو پورے آداب کے ساتھ اس طرح ادا کرتے ہیں کہ نماز میں پوری طرح محو ہو جاتے ہیں اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر اپنے مالک و مولیٰ کی تلاش میں چل نکلتے ہیں۔ انہیں کچھ ہوش نہیں ہوتی کہ ہمارے اردگرد کیا ہو رہا ہے۔ جس طرح کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نماز پڑھ رہے تھے کہ مسجد کی چھت سے سانپ گرا، نمازیوں میں بھگدڑ مچ گئی لیکن آپ پوری توجہ سے نماز پڑھتے رہے۔

حضور علیہ السلام کے ایک صحابی کو دوران نماز تیر لگا۔ خون بہتا رہا اور وہ پوری محویت کے ساتھ نماز پڑھتے رہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو نماز میں ایک زہریلے جانور (تتیہ) نے سترہ ڈنگ مارے مگر آپ کی نہ صرف نماز جاری رہی بلکہ درد کا احساس تک نہ ہوا۔

بیشک ان اہل ایمان کو بروز قیامت جب دیدار الٰہی نصیب ہوگا تو اس نعمت میں ایسے مستغرق ہوں گے کہ وقت کا احساس تک نہ ہوگا اور پچاس ہزار سال کا دن فرضی نماز کے برابر بن جائے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ جنتی جب اپنی بیوی کا بوسہ لے گا تو اس میں اس قدر لذت ہوگی کہ ستر سال گذر جائیں گے اور بوسہ ختم نہ ہوگا۔ تو جب مخلوق کیلئے مخلوق میں یہ کیف و سرور ہے تو خالق کی زیارت میں کیسی لذت و راحت ہوگی۔

اور اللہ تعالیٰ چونکہ مخلوق کے ساتھ عدل سے زیادہ فضل کا معاملہ فرماتا ہے اس لیے ان نیکوں کے طفیل ہم گناروں کو بھی یہ نعمتیں ضرورت عطا فرمائے گا۔ پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ۔ (تبیان القرآن)

اللہ تعالیٰ کا عدل اور فضل:

اللہ تعالیٰ کا عدل یہ ہے فمن یعمل مثقال ذرۃ خیر ایرہ و من یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔

اور اللہ کا فضل یہ ہے قل یعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا انہ ھو الغفور الرحیم۔ لیکن فضل جس کو چاہے گا دے گا ذلك فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

روز قیامت پر عقلی و نقلی دلائل:

اللہ تعالیٰ کی حکمت و شان کے خلاف ہے کہ دنیا میں ایک شخص پر ساری زندگی ظلم ہوتا رہے اور ظالم دندناتا پھرے اور اس کو نہ دنیا میں سزا ہو نہ آخرت میں۔

اور یہ جزاء و سزا کا سلسلہ تبھی ہو سکتا ہے کہ یہ عالم ختم ہو اور اس کے بعد ایک نیا عالم وجود میں آئے کیونکہ سزا تو جرم کے بعد ہی ہوتی ہے اگر اعمال جاری رہیں تب تک جزاء و سزا کس طرح ہو سکتی ہے مثلاً حدیث شریف میں ہے کہ دنیا میں جتنے بھی ناحق قتل ہوں گے ان کا گناہ سب سے پہلے قاتل قابیل کے نامۂ اعمال میں درج کیا جائے گا تو جب تک قتل ہوتے رہیں گے قابیل کا نامۂ اعمال مکمل نہ ہوگا اور سزا تو جرم کے برابر ہوتی ہے یہی عدل ہے، یونہی ہابیل کے بدلہ نہ لینے کی جزاء کا حال بھی دنیا کے اختتام تک جاری رہے گا۔ اسی طرح کسی نے کنواں بنوایا یا مسجد تعمیر کی تو جب تک اس کنویں سے لوگ پانی پیتے رہیں گے، اس مسجد میں نماز پڑھتے رہیں گے اس کے نامۂ اعمال میں نیکیاں لکھی جاتی رہیں گی، یونہی کوئی شخص بت خانہ یا شراب خانہ بنا کر مر گیا تو وہاں شراب نوشی اور بت پرستی کے ہوتے رہنے تک اس کے نامۂ اعمال میں گناہ لکھے جاتے رہیں گے۔ لہٰذا لوگوں کے نامۂ اعمال مکمل تبھی ہوں گے جب یہ دنیا ختم ہوگی اور ان کو جزاء و سزا تبھی دی جا سکے گی جب کوئی یوم جزاء و سزا اس دنیا کے ختم

ہونے کے بعد ہوگا۔ یہی یوم الدین ہے جس کا اللہ مالک ہے۔ مندرجہ ذیل قرآنی آیات سے اس تصور کو مزید تقویت دیجئے۔

ام حسب الذین ...... ساء ما یحکمون۔ (الجاثیہ:21)

افنجعل المسلمین کالمجرمین۔ (القلم:35)

ام نجعل الذین امنوا و عملو الصلحت کالمفسدین فی الارض......

(صٓ:28)

لیجزی الذین اساء وا السوء......(النجم:31)

باقی رہا دنیا میں کسی کو نعمت ملنا اور کسی کو تکلیف پہنچنا تو یہ مکمل جزاء وسزا نہیں کیونکہ بے شمار ایسے بھی ظالم ہوتے ہیں جن کو دنیا میں کبھی تکلیف نہیں آتی اور کئی ایسے پرہیز گار ہوتے ہیں کہ ایک لحہ بھی اپنے رب کی نافرمانی نہ کی مگر دنیا میں ایک لحہ بھی سکون نہ پایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ولنذیقنھم من العذاب الادنی دون العذاب الاکبر۔ (السجدہ:21)

ہم انہیں (قیامت کے) بڑے عذاب سے پہلے (دنیا میں) ہلکا عذاب بھی چکھائیں گے۔

ایک حدیث میں ہے اگر کسی نے اس دنیا میں کسی جانور کو بھی ناجائز مارا ہوگا تو قیامت کے دن اس مرنے والے کو طاقت دی جائے گی اور وہ ظالم سے اپنا بدلہ لے گا۔ اپنے پاؤں اور سینگوں کے ساتھ۔

❁ دنیا میں چونکہ بے شمار مذاہب ہے اور ہزار ہا امور میں اختلاف ہے تو ضروری ہے کہ ایک ایسا دن ہو کہ جس دن ان میں فیصلہ ہو کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون ہے حق کیا ہے اور باطل کیا ہے۔ اسی لئے قرآن پاک میں کئی جگہ فرمایا گیا:

ثم الی مرجعکم فاحکم بینکم فیما کنتم فیہ تختلفون۔

(ال عمران:55)

''پھر تمہیں میری ہی طرف لوٹنا ہے پس میں تمہاری تمام تر اختلافی باتوں میں فیصلہ کروں گا''۔

غبن کا دن:

سورۂ تغابن میں قیامت کے دن کو یوم الجمع اور یوم التغابن بھی فرمایا گیا ہے۔ امام راغب اس بارے میں لکھتے ہیں۔

الغبن ان یبخس صاحبك فی معاملة بینك و بینه بضرب من الاخفاء (مفردات) یعنی پوشیدہ طور پر اپنے ساتھی کو باہمی معاملہ میں نقصان پہنچانے کو غبن کہتے ہیں اگر یہ نقصان مالی ہو تو اس کا ماضی غَبَنَ مفتوح العین ہوگا اور اگر اس کی رائے اور فہم میں ہو تو غَبِنَ مسکور العین ہوگا۔ قیامت کو یوم التغابن کہنے کی وجہ تسمیہ یہ ہے عمر بھر جس فانی کاروبار میں وہ ہمہ تن مصروف رہے۔ اس کے نتائج کھل کر ان کے سامنے آجائیں گے اور انہیں علم ہو جائے گا کہ انہوں نے کتنے گھاٹے کا سودا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے انہوں نے اپنے آپ کو نعیم جنت سے محروم کیا اور نفس و شیطان کی پیروی کر کے اپنے آپ کو دوزخ کا ایندھن بنایا۔

اہل جنت و اہل جہنم کا لین دین:

بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ باب تفاعل ہے، اس میں دو یا دو سے زائد آدمیوں کی شرکت ضروری ہے اس لئے انہوں نے یوم التغابن کی تشریح یوں کی ہے کہ اہلِ جنت جب جنت میں داخل ہوں گے تو انہیں اپنے محلات کے علاوہ ان لوگوں کے محلات بھی مرحمت فرما دیے جائیں گے جنہوں نے غلط روی کے باعث اپنے آپ کو جہنم کا سزاوار بنایا۔ اور جہنمی جب دوزخ میں پھینکے جائیں گے تو انہیں اپنے ٹھکانوں کے علاوہ ان لوگوں کے ٹھکانے بھی دے دیے جائیں گے جو راہِ راست پر گامزن ہونے کے باعث دوزخ کے عذاب سے نجات پا گئے گویا اس روز دوزخی اور جنتی

آپس میں لین دین کریں گے۔ اہلِ جنت اپنے دوزخ کے ٹھکانے جہنمیوں کو دے دیں گے اور ان کے عوض جنت میں دوزخیوں کیلئے جو ایوان آراستہ کیے گئے تھے وہ انہیں مل جائیں گے۔ اس روز دوزخی بآسانی یہ فیصلہ کرسکیں گے کہ زندگی کے میدان میں کون جیتا اور کون ہارا۔ اس کاروبار میں انہوں نے کیا کھویا اور کیا پایا۔

بخاری شریف کی روایت سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من عبد يدخل الجنة الا اُری مقعده من النار لو اساء ليزداد شكرا وما من عبد يدخل النار الا اُری مقعده من الجنة لو احسن ليزداد حسرة۔

"یعنی ہر جنتی جب جنت میں داخل ہوگا تو اسے جہنم میں اس کی وہ جگہ دکھائی جائے گی جو اگر وہ بدکار ہوتا تو اس کو ملتی۔ یہ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مزید شکر ادا کرے اور دوزخی کو جنت میں اس کی وہ جگہ دکھائی جائے گی جو اگر وہ نیک ہوتا تو اس کو ملتی تاکہ اس کی حسرت میں مزید اضافہ ہو"۔

کنگال کون ہے:

صحیح مسلم اور ترمذی کی ایک حدیث بھی مطالعہ فرمایئے تاکہ آپ کو پتہ چلے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان کس طرح عدل فرمائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اتدرون من المُفلس قالوا المفلس فينا من لا درهم له و لا متاع قال ان المفلس من امتی من ياتی يوم القيامة بصلوٰة و صيام وزكوٰة ويأتی قد شتم هذا وقذف هذا واكل مال هذا وسفك دم هذا فيعطی هذا من حسناته وهذا من حسناته فان فنت حسناته قبل ان يقضی ما عليه اخذ من خطاياهم وطرحت عليه ثم طرح فی النار۔

''ایک روز رسول اکرم ﷺ نے پوچھا اے لوگو! تم جانتے ہو مفلس و کنگال کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم تو اس کو مفلس کہتے ہیں جس کے پاس نہ روپیہ ہو، نہ ساز و مان۔ فرمایا میری امت کا مفلس وہ ہے جو روز حشر آئے گا۔ اس کے ساتھ اس کی نمازیں، اس کے روزے اور اس کی زکوٰۃ ہوگی۔ نیز وہ اس حالت میں آئے گا کہ اس دنیا میں کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر بہتان باندھا ہوگا، کسی کا ناحق مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا، کسی کو مارا پیٹا ہوگا۔ ان مظلوموں کے دادرسی کرنے کیلئے اس کی نیکیاں ان لوگوں میں بانٹی جائیں گی اور اگر مظلوموں کی حق رسی سے پہلے اس کی نیکیوں کا ذخیرہ ختم ہوگیا تو مظلوموں کے گناہ لے کر اس کے سر پر لاد دیے جائیں گے اور پھر اسے دھکا دے کر آتش جہنم میں پھینک دیا جائے گا''۔

قیامت کے دن مظلوم کی دادرسی:

حضور رحمت عالم ﷺ کا ایک اور نصیحت آموز ارشاد بھی سنتے جایئے۔

قال من کان عندہ مظلمة لا خیه فلیحلله منها فی الدنیا فانه لیس ثمه دینارو لا درهم ان کان عمل صالح اخذ منه بقدر مظلمته و ان لم یکن له حسنات اخذ من سیئات صاحبه فحمل علیه (بخاری شریف)

''یعنی اگر کسی نے اپنے بھائی پر ظلم کیا ہے تو اس دنیا میں ہی وہ اس سے معاف کرالے کیونکہ، قیامت کے روز دینار و درہم نہیں ہوں گے۔ اگر اس ظالم نے کچھ نیک اعمال کیے ہوں گے تو وہ لے کر اس مظلوم کو دے دیے جائیں گے اور اگر اس کے پاس صالح اعمال کا ذخیرہ نہ ہوگا تو مظلوم کے گناہ اس کے سر پر لاد دیے جائیں گے۔

وہ لوگ جو تلاشِ زر میں آج دیوانے بنے پھرتے ہیں، حلال و حرام، جائز و

ناجائز کی تمیز بھی نہیں کرتے، جولوگ اپنے کارخانوں کی اونچی اونچی چمنیوں سے سیاہ دھواں نکلتا دیکھ کر پھولے نہیں سماتے، جو آج اپنے کروفر میں ایسے مست ہیں کہ انہیں راہِ حق پر ایک قدم چلنا بھی گوارا نہیں، انہیں اگر فرصت ملے تو وہ یوم التغابن کا بھی تصور کریں۔ جب انہیں خالقِ کائنات کے حضور لا کر کھڑا کر دیا جائے گا اس وقت ان کی آنکھ کھلے گی اور انہیں اپنی حماقت کا احساس ہوگا۔ اس روز انہیں پتہ چلے گا کہ جس کاروبار کو بڑا نفع بخش سمجھ رہے تھے، وہ درحقیقت سراسر گھاٹے کا سودا تھا۔

علامہ ابن منظور نے حضرت حسن بصری سے تغابن کا ایک اور مفہوم نقل کیا ہے۔

سئل الحسن عن قولہٖ تعالیٰ ذلك یوم التغابن فقال غبن اهل الجنة اهل النار ای استنقصوا عقولهم باختیار هم الكفر علی الایمان۔ (لسان العرب) یعنی حضرت حسن بصری سے یوم التغابن کے بارے میں پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا: اس روز اہل جنت دوزخیوں کے فہم وخرد کی تنقیص کریں گے کہ تم لوگ کتنے احمق تھے۔ تم نے ایمان کو چھوڑ دیا اور کفر کو اختیار کر لیا۔ تمہاری دانش مندی نے تمہیں یہ بین حقیقت بھی نہ سمجھائی کہ عقلمند باقی کے بدلے فانی نہیں لیا کرتے۔ اس صورت میں تغابن غبن سے ماخوذ ہوگا جس کا معنی عقل ورائے میں نقصان ہے۔

(تفسیر ضیاء القرآن)

دین کا دن:

قیامت کے دن کو یوم الدین (دین کا دن) کیوں فرمایا گیا اس بارے میں مفسرین فرماتے ہیں۔

- دین کے دو معنی ہیں۔ بدلہ وفیصلہ (مبنی بر انصاف) اور مذہبی عقائد۔ چونکہ اس دن تمام ادیان کے ماننے والوں کے عقائد کا مبنی بر انصاف فیصلہ کر کے ان کو بدلہ (جزاء وسزا) دیا جائے گا۔ کیونکہ ہر دین والا دین کو اسی لئے اپناتا ہے کہ

اس کو صلہ ملے اور اس کی نجات ہو اسی لئے جتنے دین دار ہیں خواہ وہ عیسائی یہودی ہوں یا آتش پرست سب بدلے کے دن کو تسلیم کرتے ہیں اور نجات کیلئے ہی دین کو اپناتے ہیں اگرچہ بعض نے صحیح اور بعض نے غلط دین اختیار کیا۔

- دنیا میں تو پھر دین کے ساتھ دنیا کے کام بھی جاری رہتے ہیں بلکہ بعض دین اپنانے کے باوجود دین چھوڑ کر دنیا ہی کے ہو کر رہ جاتے ہیں لیکن قیامت کے دن تو صرف دین ہی کا کام ہوگا۔ اس کی مثال ایسے سمجھ لو کہ طالب علم دوران تعلیم پڑھتا بھی ہے کھیلتا بھی ہے دیگر مصروفیات میں بھی لگا رہتا ہے لیکن امتحان کا دن آتا ہے تو محنت کرنے والا جُدا ہو جاتا ہے اور کھیل کود میں وقت ضائع کرنے والا الگ تو گویا امتحان کا دن سال بھر کی کمائی کے بدلے کا دن ہے۔

دنیا بھی آخرت کی کھیتی ہے (الدنیا مزرعۃ الاخرۃ) تو جس طرح کھیت میں دانے، بھوسہ وغیرہ ایک ہی جگہ رہتے ہیں اور جب کٹائی کا موسم آتا ہے تو دانے الگ کر دیے جاتے ہیں اور بھوسہ الگ۔

علامہ زبیدی تاج العروس جلد 9 صفحہ 207,208 پہ لکھتے ہیں دین کا معنیٰ جزاء اور مکافات ہے۔

اسی طرح دین کا معنیٰ اطاعت وعبادت بھی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے یمرقون من الدین۔ وہ لوگ دین یعنی امیر کی اطاعت سے نکل جائیں گے (جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے)

دین اور شریعت میں فرق:

کتاب التعریفات میں میر سید شریف لکھتے ہیں دین دستور الٰہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے رسول کے پاس ہوتا ہے، عبودیت کا التزام کر کے دین کا حکم ماننا شریعت ہے یا شریعت دین ہی کا ایک راستہ ہے اسی لئے دین ایک ہوتا ہے اور شریعتیں مختلف، یہی وجہ ہے کہ صحیح بخاری میں ہے: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کو اور نوح علیہ السلام کو ایک ہی

دین (کے قبول کرنے) کی وصیت فرمائی۔ (جلد 1 صفحہ 2) ایک قول میں دین اللہ کی طرف، ملت رسول کی طرف اور مذہب مجتہد کی طرف منسوب ہے (کتاب التعریفات صفحہ 47، عمدۃ القاری جلد 1 صفحہ ۱۲۷) یعنی دین تو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا ایک ہی ہے جبکہ ہر نبی کی شریعت الگ الگ ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لکل جعلنا منکم شرعۃ و منھا جا (المائدہ:48)

''ہم نے تم میں سے ہر ایک کیلئے الگ الگ شریعت اور واضح راستہ بنایا''۔

اس سلسلہ میں قرآن پاک کی ایک نہایت ہی جامع آیت ملاحظہ ہو ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا و الذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراھیم و موسیٰ و عیسیٰ ...... ویھدی الیہ من ینیب (الشوریٰ:13)

(اللہ تعالیٰ نے) تمہارے لئے دین کا وہی راستہ متعین فرمایا ہے جس کا حکم اس نے نوح علیہ السلام کو دیا تھا اور اسی دین کی (اے پیارے محبوب) آپ کی طرف وحی فرمائی، اور اسی کا حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو دیا کہ دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو، مشرکوں پر بہت ہی بھاری ہے جس کی طرف آپ انہیں دعوت دیتے ہیں۔ (یعنی بتوں کو چھوڑنا اور توحید کو اپنانا) اور اللہ تعالیٰ (اپنے قرب کیلئے) جس کو چاہے چن لیتا ہے اور اپنی بارگاہ کی طرف رجوع کرنے والوں کو ہدایت سے نوازتا ہے۔

الغرض! ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم دین کے اعتبار سے تو مسلمان ہیں، شریعت کی رو سے محمدی، مذہب کے لحاظ سے ماتریدی، حنفی، مسلک و مشرب کی رو سے قادری اور مکتب فکر کے لحاظ سے بریلوی ہیں۔ (تبیان القرآن)

کیا اللہ تعالیٰ صرف قیامت کے دن کا مالک ہے؟:

باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہر شئی کا مالک ہے لیکن اس نے خاص طور پر اپنے آپ کو قیامت کے دن کا مالک فرمایا ہے تو اس کی چند وجوہات مفسرین کرام نے بیان فرمائی ہیں۔

1- جب کسی کی عظمت کا اظہار مقصود ہوتا ہے تو ہمیشہ بڑی شئی کی طرف ہی اس کو نسبت دی جاتی ہے جس طرح شاہ ہند، شاہ دہلی، کسریٰ ایران قیصر روم وغیرہ اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ان علاقوں کے باقی شہروں کا وہ بادشاہ نہیں ہے۔ یا کسی معمار نے اپنی زندگی میں ہزاروں عمارتیں بنائی ہوں لیکن وہ اپنا تعارف اپنے کسی شاہکار کے ذریعے ہی کروائے گا کہ مثلاً میں وہ معمار ہوں کہ جس نے مینار پاکستان یا شاہی مسجد بنوائی۔ اسی لئے ہی اللہ تعالیٰ کو رب العالمین ہونے کے باوجود رب کعبہ یا رب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا جاتا ہے (فلا وربك لايؤمنون سے بھی یہی نکتہ اخذ ہوتا ہے کہ ہر شئی کا رب ہو کر اللہ نے حضور علیہ السلام کا رب ہونے کی قسم یاد فرمائی)

2- چونکہ دنیا میں اگرچہ عارضی طور پر ہی سہی بہر حال ہر کوئی کسی نہ کسی شئی کا مالک تو ہے مگر قیامت کا دن ایسا ہوگا کہ جب مخلوق نہ ظاہراً نہ باطناً ذرہ برابر بھی کسی شئی کی مالک نہ ہوگی جب حکم ہوگا لمن الملك اليوم لله الواحد القهار۔

3- جہاں پر بڑے مالک کی طرف کسی شئی کی نسبت اس مالک کی عظمت کو ظاہر کرتی ہے وہاں پہ اس شئی کی عظمت کا اظہار بھی خود بخود ہی ہو جاتا ہے مثلاً جب یہ کہا جائے گا کہ یہ بادشاہ کی سواری یا محل ہے تو اس سے بادشاہ کی شان تو ظاہر ہوتی ہی ہے ساتھ ساتھ سواری یا محل کی عظمت بھی ظاہر ہوگئی کہ کسی معمولی شخصیت کی سواری نہیں بلکہ بادشاہ کی ہے۔ اس سے لوگوں کے دلوں میں اس کی ہیبت بٹھانا بھی مقصود ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے بھی روز قیامت کو اپنی نسبت عطا فرما کر لوگوں

کے دلوں میں اس دن کی عظمت بٹھائی تا کہ اس دن کی عظمت ان کے دلوں میں قائم ہو اور اس دن کیلئے تیاری کریں یعنی گناہ ترک کریں اور نیکیاں جمع کریں۔

4۔ اس عقیدے کا بطلان مقصود ہے جو ہندوؤں اور دیگر غیر مسلموں نے اپنایا ہوا ہے کہ اسی دنیا میں ہی جزاء وسزاء کا سلسلہ چل رہا ہے، دنیا میں نقصان کا ہونا گناہوں کی سزا ہے اور خوشحالی کا آنا نیکیوں کی جزا ہے یا جو انسان اچھے کام کرتا ہے وہ مرنے کے بعد دوبارہ اچھی ''جون'' میں آ جاتا ہے ورنہ بُری جون میں جبکہ اہل اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ دنیا صرف دار العمل ہے یہاں اگر کسی کو کسی عمل پر کچھ نہ کچھ جزاء وسزا ملتی بھی ہے تو یہ صرف ایک جھلک ہے جس طرح والدین کے فرماں بردار کو خوشحالی ملتی ہے اور ان کے نافرمان کو ذلت کا منہ دیکھنا پڑتا ہے اور حدیث میں آتا ہے کہ والدین کی نافرمانی کی سزا بندہ دنیا میں ہی دیکھ لیتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے سرکاری نوکر کیلئے بھتہ یا مجرم کیلئے جیل جانے سے پہلے چند دن تھانے میں رہنا تو جس طرح بھتہ تنخواہ نہیں اور تھانہ مجرم کے جرم کی اصل سزا نہیں اسی طرح دنیا کا دُکھ سکھ بھی نیکی وبدی کی جزاء وسزا نہیں۔ اور پھر اچھی بُری جون میں آنا تو کسی طرح بھی جزاء وسزا نہیں ہو سکتی کیونکہ جب پہلی جون اس کو یاد ہی نہیں اور اس کو اپنی پہلی زندگی کے اچھا یا بُرا ہونے کا احساس ہی نہیں تو جزاء وسزا کیسی۔ اور اگر یہ عقیدہ (دوسری جون میں آنے کا) ہی درست ہوتا تو انسان دن بدن اگر بڑھتے تو جانوروں کی تعداد کم ہوتی اور اگر جانور زیادہ ہوتے تو انسان کم ہوتے کیونکہ ارواح کی تعداد تو ایک ہی ہے لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ اگر انسان بڑھ رہے ہیں تو جانور بھی دن بدن بڑھ رہے ہیں۔ ثابت ہوا کہ دوسری جون میں آنے کا عقیدہ ہی باطل ہے۔

اور رام چندر مبہوت ہو گیا:

حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا جب رام چندر دہلوی سے اس

موضوع پر مناظرہ ہوا تو آپ نے پوچھا! کیا دین میں کوئی انسان ایسا بھی ہے کہ جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو؟ اس نے جواب دیا ہاں لاکھوں ہوئے ہیں اور ان میں سے فلاں ہیں، فرمایا: پھر ایسے انسان کو دوبارہ کس جون میں آنا چاہیے؟ فوراً بولا: بادشاہ بن کر، جس کو ہر طرح آرام وسکون حاصل ہوتا ہے اور کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔ فرمایا: اس سے بڑی تو کوئی سزا نہیں ہے کہ ہر ایک کو صرف اپنے لئے فکر نان ہے اور بادشاہ کو فکر جہان ہے، غریب بھی رات کو چین کی نیند سوتا ہے مگر بادشاہ ساری رات اس فکر میں رہیں کہ کل ہماری حکومت کا کیا بنے گا اور کس کے پاس ہوگی۔ اور فرمایا: اگر تم کہو کہ ایسے لوگ تارک الدنیا بن کر آتے ہیں تو یہ کیسی جزا ہے نہ سر پہ ٹوپی نہ پاؤں میں جوتا صرف ایک لنگوٹ، ہر کوئی سردی میں اچھا لباس پہنے اور لنگوٹ والا بے چارہ آگ تاب کر رات گذارے۔ لہٰذا یہ کہو کہ اس کو رنڈی بن کر آنا چاہیے جو ہر روز نیا لطف اُٹھاتی ہے۔

نہ دھوکہ نہ غم کمائے گی دنیا کھائیں گے ہم

اس پر رام چندر جی ناراض ہو گئے کہ آپ ہمیں گالی دے رہے ہیں فرمایا اپنے مذہب کی کمزوری کا ماتم کرو یہ دنیا کسی طرح بھی دار الجزاء نہیں بن سکتی۔ کیونکہ بہت دفعہ دیکھا گیا ہے کہ ایک شخص مالدار تھا پھر غریب ہو گیا اسی طرح ایک شخص نہایت غریب تھا پھر مالدار ہو گیا تو اگر اس کو جزا دی جا رہی ہے تو ہمیشہ مالدار رہتا اور اگر سزا ہے تو ہمیشہ غریب رہتا سزا جزا میں اور جزاء سزا میں کیسے بدل گئی۔ (تفسیر نعیمی)

ایک سوال کا جواب:

جب روز جزاء کا مالک اللہ ہی ہے اور کوئی بھی مخلوق میں سے کسی طرح بھی اس دن کسی شئی کا مالک نہ ہوگا تو نبیوں ولیوں کی مشکل کشائی والا عقیدہ باطل ہو گیا۔ لہٰذا کوئی کسی کے کام نہ آئے گا۔ (لا تجزی نفس عن نفس شیئا)

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کے مالک ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ اپنے پیاروں سے شفاعت کا اعزاز بھی چھین لے گا جس اعزاز کے اظہار کا موقع ہی روز

قیامت ہے، اسی کی مرضی و اذن سے اس کے پیارے اسی کی بارگاہ میں شفاعت کریں گے اور وہ کریم ذات ان کی سفارش رد نہیں فرمائے گی جیسا کہ قرآن پاک میں ہے کہ اس دن سب رشتے ناطے، تعلقات ختم ہو جائیں گے مگر نیکیوں کی دوستی برقرار رہے گی الاخلاء بعضهم لبعض عدوا لا المتقين۔ (الزخرف:67)

اس مسئلہ کو سمجھنے کیلئے شفاعت کا لغوی و شرعی معنیٰ اور اس کی اقسام کا جاننا ضروری ہے اس کے بعد شفاعت کا ثبوت قرآن پاک، تفاسیر معتبرہ اور احادیث مبارکہ سے ملاحظہ فرمائیں۔ یہ تحقیق اپنے استاذ مکرم حضرت شیخ الحدیث مولانا مہر دین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''شفاعت کی حقیقت'' سے پیش کر رہا ہوں۔

شفاعت کے لغوی معنیٰ کی تحقیق:

لسان العرب میں ہے: استشفعت الى فلان اى سالتهٗ ان يشفع لی ترجمہ اس سے میں نے کہا کہ میرے لئے وہ سفارش اور التجا کرے۔ مجمع البحار میں ہے۔ الشفاعة هی السوال فی التجاوز من الذنوب و الجرائم۔ شفاعت کا معنیٰ یہ ہے کہ گناہوں سے تجاوز کرنا وفی الکنز مصدر شفع یشفع اذاضم غیره الیه من الشفع الذی هو ضد الوتر كان الشفیع ضم سواله الى المشفوع له ''یہ شفع یشفع کا مصدر ہے اور یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کہ وہ غیر کو اپنے ساتھ ملالے گویا شفیع نے اپنے سوال کو مشفوع کے ساتھ ملا دیا ہے۔

شفاعت کا اصطلاحی مفہوم:

شریعت مطہرہ میں شفاعت کی حقیقت یہ ہے کہ مجرم کے ایسے جرم کو جو کہ معافی کے قابل ہو محبت کی وجہ سے یا خدائی عطا شدہ احترام و اعزاز کے باعث یا اللہ رب العزت کے اذن اور وعدہ کی بنا پر یا کسی عمل مقبول کے صدقے معاف کرنے کی یا کسی اور چیز کے حصول کیلئے التجا کی جائے اور شفاعت کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ زبردستی اور کسی

طرح کی دھونس دے کر مجرم کو چھڑایا جائے معاذ اللہ ثم معاذ اللہ اور نہ ہی شفاعت کے جواز سے یہ مقصد ہے کہ شفاعت کے سہارے پر جو چاہے کرتا پھر بلکہ مطلب یہ ہے کہ خاتمہ بالخیر ہونے کے بعد ممکن ہے کہ کسی طرح کی شفاعت سے مستفید ہو کر جلد از جلد رحمت الٰہی سے فیضیاب ہو سکے اور بس۔ اور ظاہر ہے کہ اب شفاعت کا سہارا اس کو بے عمل ہونے کی بجائے پورا مطیع اور فرمانبردار بنائے گا کیونکہ اول تو خاتمہ بالخیر کا تصور اس کو غافل نہیں ہونے دے گا اور پھر خاتمہ بالخیر کے بعد سفارش میں بجز بعض مخصوص افراد کے کسی شخص کیلئے انفرادی طور پر تعین مذکور نہیں بلکہ مجموعی طور پر ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ شفاعتی لا ھل الکبائر من اُمتی۔ (میری شفاعت میری امت کے مسلمان اہل کبائر کیلئے ہے) تو اس سے کسی شخص کا شفاعت پر بھروسہ کر کے غفلت شعاری کو اپنا شیوہ بنا لینا ایک بے معنی بات ہے۔

اقسام شفاعت

شفاعت کی ابتداءً دو قسمیں ہیں۔ ایک کبریٰ اور دوسری صغریٰ۔ کبریٰ وہ ہے جو بروز قیامت مخلوق کے حساب کیلئے ہوگی اور وہ صرف حضور سرور کائنات مفخر موجودات ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے کہ آپ بروز قیامت حساب و کتاب شروع کرانے کیلئے اہل محشر کی خاطر دربار الٰہی میں حاضر ہو کر التجا کریں گے اور یہ شفاعت نبی و غیر نبی سب کے حق میں ہوگی جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا:

عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا۔ ''اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو بروز محشر ایسا مقام عطا فرمائے گا جسے سب محمود کہیں گے اور جس کی تعریف کریں گے اور جملہ مفسرین بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد شفاعت کبریٰ ہے کہ خواجۂ دو عالم ﷺ اہل محشر کے حساب کیلئے سفارش کریں گے جو کہ قبول ہوگی اور حساب شروع ہو جائے گا۔

شفاعت صغریٰ یہ ہے کہ انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ علماء،

صلحاء، شہداء، مشائخ، قرآن مجید، نماز، روزہ، خانہ کعبہ، رمضان، ننھی اولاد، موذن، امام، ناتمام بچے فقراء مساکین وغیرہ کیلئے بھی ثابت ہے اور یہ شفاعت دنیا، قبر اور قیامت میں جائز بلکہ واقع ہے۔

شفاعتِ صغریٰ کے مراتب و درجات:

شفاعت صغریٰ کے چند مراتب ہیں۔ ایک یہ کہ میدان محشر میں سے نجات دلانے کیلئے ہوگی اور یہ سب گنہگاروں کیلئے ہوگی۔ دوسری یہ کہ عذاب کم کروانے کیلئے اور یہ کفار کے حق میں بھی درست ہے تیسری یہ کہ گناہ معاف کرانے اور جہنم سے نجات دلانے کے واسطے ہوگی اور یہ مومن گنہ گاروں کیلئے ہوگی۔ چوتھی یہ کہ درجات بڑھانے کیلئے اور یہ نیکوں کیلئے ہوگی۔

غیر مقلدین کے امام و پیشوا کا عقیدۂ شفاعت:

کتاب ہدیۃ المہدی مؤلفہ مولوی وحید الزمان مشتمل بر عقائد اہل حدیث مترجم صحاح ستہ (جلد 1 صفحہ 177) پر ہے:

> الشفاعة حق ثابتة للرسول و الاخيار كالعلماء و الشهداء سيما شفاعة سيدنا و نبيناﷺ لا هل الكبائر من امته ومن امم الانبياء عليهم الصلوة و السلام المرسلين الماضيين فهوﷺ اول شافع و اول مشفع۔

> ''شریعت میں شفاعت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور دیگر اخیارِ امت کیلئے جیسے علماء و شہداء کیلئے حق اور درست ہے بالخصوص سرور عالم ﷺ کیلئے کہ آپ کی شفاعت اپنی امت کے اہل کبائر کیلئے اور دیگر انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اُمتوں کے گنہگاروں کیلئے ثابت اور صحیح ہے پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اول شافع یعنی شفاعت کرنے والے اور اول مشفع

یعنی اول شفاعت قبول کیے گئے ہیں"۔ اور اُسی میں ہے کہ

شفاعت کی چھ اقسام ہیں:

و الشفاعة علیٰ ستة انواع۔

1- احدها لفصل القضایا و اناحة الناس من طول الوقوف وهی مختصة بنبینا صلی اللہ علیہ وسلم

2- و ثانیا لا دخال الجنة بلا حساب وهی مختصة به صلی اللہ علیہ وسلم۔

3- وثالثها لعدم ادخال النار ممن استحق النار۔

4- ورابعها لا خراج بعض اهل النار من النار۔

5- و خامسها لرفع الدرجات وهذ الثلث لا تختص به صلی اللہ علیہ وسلم۔

6- و سادسها لتخفیف العذاب عن بعض الکفار کما ورد فی حق ابی طالب و هذا مخصص لعموم القرآن فلا یخفف عنهم العذاب ولا هم ینصرون۔

1- وہ جو کہ حساب اور اہل محشر کو زیادہ کھڑا ہونے سے نجات دلانے کے لئے ہوگی۔

2- دوسری یہ کہ بغیر حساب جنت میں داخل کرانے کیلئے ہوگی اور یہ دونوں قسمیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے اور کوئی یہ شفاعت ہر دو قسم کی ہمت نہ کر سکے گا۔

3- تیسری یہ کہ مستحق نار کی شفاعت کہ وہ جہنم سے نجات پانے کیلئے ہوگی۔

4- چوتھی یہ کہ جہنم سے بعض کو نکالنے کیلئے ہوگی۔

5- پانچویں یہ کہ درجات جنت میں اضافہ کرنے کیلئے ہوگی اور یہ تینوں قسم کی شفاعت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص نہیں۔

6- بعض کافروں کے عذاب میں تخفیف کرانے کیلئے جیسا کہ ابو طالب کے حق میں تخفیف کیلئے آپ نے شفاعت کی اور اس حدیث نے یعنی جیسے ابو طالب کے عذاب میں تخفیف کرانے کا ذکر ہے۔ آیت فلا یخفف عنهم العذاب ولا

ھم ینصرون کے عموم میں تخصیص پیدا کردی ہے اور ظاہر کر دیا ہے کہ بعض کے عذاب میں تخفیف ہوسکتی ہے۔

ان عبارات سے واضح ہوگیا کہ شفاعت حق اور ثابت ہے اور اس کے چند مراتب ہیں جن میں سے بعض مراتب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مخصوص ہیں اور ان میں کوئی آپ کا شریک نہیں۔

نیز یہ بھی کہ شفاعت صغریٰ کا ظہور قیامت کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ دنیا اور قبر و قیامت میں ثابت و واقع ہے جیسا کہ آئندہ اوراق میں ظاہر ہوگا۔

اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ شفاعت صغریٰ کے چونکہ مختلف مراتب ہیں۔اس سے یہ اشتباہ دور ہوگیا کہ حدیث و قرآن میں آتا ہے کہ تارک سنت اور کافر ہر دو شفاعت سے محروم ہوں گے تو پھر ان کے حق میں شفاعت کا ہونا کیا معنی رکھتا ہے کیونکہ تارک سنت کا شفاعت سے محروم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ شفاعت صغریٰ کے مرتبہ چہارم سے محروم ہے نہ کہ اور مراتب سے بھی، ایسے ہی کافر کے شفاعت سے محروم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ شفاعت صغریٰ کے مرتبہ سوم و چہارم سے محروم ہے نہ کہ ہر طرح کی شفاعت سے محروم ہے۔ (از تفسیر نعیمی وغیرہ)

قرآن مجید اور عقیدۂ شفاعت

1- ولسوف یعطیك ربك فترضیٰ۔

''اور البتہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اللہ تعالیٰ اتنا کچھ عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے''

مفسرین کرام! نے بیان کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ: جب تک میں اپنی امت کا ایک ایک فرد جنت میں نہ داخل کرا لوں گا اس وقت تک میں راضی نہ ہوں گا اور ظاہر ہے کہ اس کی صورت یہی ہوسکتی ہے کہ گنہگاروں کی

آپ شفاعت فرما کر جنت میں داخل کرائیں گے کیونکہ جرم کی سزا بھگت کر جنت میں داخلہ اس بشارت کا قطعی طور پر موجب وسبب نہیں ہوسکتا۔

2- ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيماً

''اور اگر وہ لوگ جنہوں نے افراط وتفریط کرتے ہوئے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے آپ کے پاس آئیں اور آپ کی طرف متوجہ ہوں پس اللہ تعالیٰ سے معافی چاہیں۔ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کیلئے اللہ سے معافی کی درخواست کریں تو بلاشبہ اللہ کو معاف کرنے والا مہربان پائیں گے''۔

علماء کرام نے بیان کیا ہے کہ یہ حکم آپ کی حیات دنیوی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عام ہے حیات دنیوی ہو یا برزخی ہو یا اخروی ہر جگہ آپ کی شفاعت قبول ہے۔

بانی دیوبند لکھتے ہیں:

مولوی محمد قاسم نانوتوی بانی دار العلوم ہند نے اپنی کتاب ''آب حیات'' کے صفحہ 40 پر اس آیت کے متعلق یوں لکھا ہے:

''کیونکہ اس میں کسی کی تخصیص نہیں آپ کے ہمعصر ہوں یا بعد کے امتی ہوں اور تخصیص ہو تو کیونکر ہو آپ کا وجود تر تیب تمام امت کیلئے یکساں رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کا آپ کی خدمت میں آنا اور استغفار کرنا اور کرانا جب ہی متصور ہوسکتا ہے کہ آپ قبر میں زندہ ہوں''۔

اسی طرح در منظم میں ابن حجر نے اور شفا شریف میں قاضی عیاض نے اس آیت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحت شفاعت پر استدلال قائم کیا ہے۔

3- واستغفر لِذنبك وللمؤمنين و للمؤمنات الاية

''اپنوں کے گناہوں اور ایماندار مردوں اور عورتوں کے گناہوں کیلیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کیجئے''۔

ظاہر ہے کہ کسی کیلئے معافی کا مطالبہ یہی سفارش وشفاعت ہے۔

4- ویستغفرون للذین آمنوا۔

''اور حاملان عرش معلٰی ملائکہ کرام ایمانداروں کیلئے اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے ہیں''۔

5- ولا یشفعون الا لمن ارتضیٰ۔

''اور جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہے اس کیلئے ملائکہ کرام سفارش کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے''۔

ظاہر ہے کہ ایمانداروں سے ان کے ایمان کی وجہ سے ہی اللہ تعالیٰ راضی ہے تو ایمانداروں کے حق میں شفاعت ثابت ہوئی۔

6- یوم لا ینفع مال ولا بنون الامن اتی اللّٰہ بقلب سلیم۔

''بروز قیامت مال واولاد نفع نہ دے گی مگر جو اللہ تعالیٰ کے پاس قلب سلیم لے کر آیا''۔

یعنی اس کی اولاد اور مال مفید ہوگا اور واضح ہے کہ مفید ہونا یہی ہے کہ دخول جنت کیلئے شفاعت کی جائے ثابت ہوا کہ شفاعت حق ہے۔

7- رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ ومن ذریتی ربنا وتقبل دعاء ربنا اغفرلی ولوالدیَّ وللمؤمنین۔

''میرے مولا مجھے نماز پر قائم رکھ اور میری دعا قبول فرما اور میرے اور میرے والدین اور تمام ایمانداروں کی مغفرت فرما''۔

بالکل صاف ہے کہ جب والدین وغیرہ کیلئے دعا قبول ہوگی تو اسی کو شفاعت کہتے ہیں۔

8- اُدعونی استجب لکم۔ اُجیب دعوۃ الداع اذا دعان۔

''مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ میں ہر دعا کرنے والے

کی دعا قبول کرتا ہوں جس وقت وہ دعا کرے اور ہر شخص یہ جانتا ہے کہ شفاعت دعا اور التجا ہی تو ہے''۔

9- وقال للذی ظن انه ناج منهما اذکرنی عند ربك۔

''یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو کہا جس کی نجات متوقع تھی کہ اپنے بادشاہ سے یہ کہو کہ ایک بے گناہ جیل خانہ میں مقید ہے۔ اس کی طرف، خیال رکھیو۔ اور یہ خیال یہی تھا کہ جا کر میری رہائی کیلئے سفارش کرنا۔ ثابت ہوا کہ شفاعت صحیح ہے''۔

10- ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا ربنا ولا تحمل علینا اصراً کما حملته۔ الخ

اے ہمارے مولیٰ اگر ہم سے خطا ونسیان ہو جائے تو ہم پر مواخذہ نہ کر اور نہ کسی مصیبت میں ہمیں مبتلا کر''۔

سورۂ بقرہ کی یہ آخری آیات کریمہ ہیں جو کہ ان سفارشی کلمات پر مشتمل ہیں جو کہ شب معراج میں امت مرحومہ کی سہولت کے پیش نظر بارگاہ رب العزت میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عرض کئے جن کو اللہ سبحانہ، نے قبول فرما کر آپ کے دائمی اعزاز واکرام کا قرآن مجید میں ابدی اعلان فرمایا اور سفارش شفاعت ہے تو شفاعت درست وصحیح ہوئی۔

11- رب اغفرلی ولاخی وادخلنا فی رحمتك و انت ارحم الراحمین۔

''حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے اللہ مجھے اور میرے بھائی کو معاف فرما اور اپنے جوارِ رحمت میں داخل کر کیونکہ تو سب سے زیادہ رحمت کرنے والا ہے۔ یہ بھائی کے حق میں صریح سفارش ہے''۔

سامعینِ کرام! ان آیات کریمہ کے علاوہ بھی اور متعدد آیات مبارکہ گنائی جا سکتی ہیں جن سے شفاعت شرعی کے جواز اور وقوع کا ثبوت عام ازیں کہ دنیا میں ہو یا قبر وقیامت میں روز روشن سے زیادہ واضح ہوتا ہے اور اس میں کسی طرح بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

نیز یہ شفاعت عام ہے کہ بطریق اعزاز ہو یا بطور محبت یا بصورت اذن اور شفاعت کا یہ معنی نہیں کہ زبردستی اور دھونس دے کر منوالیا جائے۔ جیسا کہ غیر مسلموں بت پرستوں کا یہ زعم ہے کہ ان کے دیوتے اور معبود دھونس یا جبر واکراہ سے شفاعت کریں گے۔ بلکہ شفاعت بائیں معنی کہ بطور نیاز مندی یا عزت ومحبت کی بنا پر یا اذن حاصل کرنے کے بعد بارگاہ بے نیاز میں کسی کے فائدہ کیلئے التجا کی جائے۔

عقیدۂ شفاعت تفاسیر کی روشنی میں

تفسیر عزیزی سورۃ بقرہ صفحہ 153 پر ہے:

گویم آیات واحادیث بسیار دلالت بروقوع شفاعت میکنند۔ واحادیث متواترہ بیان کردند کہ غیر از کافر درحق ہمہ اہل معاصی حکم شفاعت خواہد شد۔

''میں کہتا ہوں کہ متعدد آیات واحادیث سے شفاعت کا صحیح وواقع ہونا ثابت ہوتا ہے، اور احادیث متواترہ میں یوں وارد ہوا ہے کہ کافر کے علاوہ تمام گنہ گاروں کے حق میں جواز شفاعت کا حکم دیا جائے گا''۔

اسی تفسیر عزیزی میں صفحہ 152 پر ہے:

وشفاعت درحق کافر بالاجماع مقبول نیست۔

''اس پر اجماع امت ہے کہ کافر کے حق میں شفاعت درست نہیں''۔

کافر کی تخصیص سے ثابت ہوا کہ مومن کے حق میں شفاعت جائز ہے۔

تفسیر جامع البیان حاشیہ جلالین صفحہ 37 زیر آیت من ذالذی یشفع عندہٗ الا باذنہٖ۔ فرماتے ہیں: بیان لعظمتہ و جلالہ ونفی لزعم الکفار ان الاصنام شفعاء اس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے جلال کا اظہار ہے اور کفار کے حق میں وارد ہوئی ہے کہ وہ زعم کرتے تھے کہ ہمارے بت شفیع ہیں۔ ثابت ہوا کہ مومنین کیلئے شفاعت درست وصحیح ہے۔

اسی طرح تفسیر جلالین میں بھی ہے۔ مطلب یہ کہ کفار کا یہ عقیدہ باطل ہے کیونکہ یہ معبودانِ باطلہ خود سب کے سب جہنم رسید کر دیئے جائیں گے تو اوروں کو یہ کیا نجات دلائیں گے چنانچہ قرآن مجید میں واقع ہے:

انکم وما تعبدون من دون الله حصبُ جهنم۔

''تم اور تمہارے معبودان باطلہ سب جہنم کا ایندھن ہوں گے''۔

تفسیر جلالین سورۃ طٰہٰ صفحہ 265 پر ہے:

یومئذ لا تنفع الشفاعة (احدا) الا من اذن لہ الرحمٰن۔ الخ یعنی بروز قیامت شفاعت فائدہ نہ دے گی کسی کو مگر جس نے کلمہ طیبہ لا الٰہ اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ پڑھ لیا اور چونکہ کافروں نے کلمہ نہ پڑھا لہٰذا ان کے حق میں شفاعت نہیں اور مومنین کے حق میں ہے۔

تفسیر قادری صفحہ 632 جلد 2 پہ زیرِ آیت ولسوف یُعطیك ربك فترضی لکھا ہے: ''اور قریب ہے کہ تجھے گنہگاروں کے باب میں شفاعت کا رتبہ اللہ تعالیٰ عطا کرے تو اس سے راضی ہو جائے گا''۔

اس جگہ تفسیر عزیزی صفحہ 218 اور تفسیر جامع البیان میں بھی اسی طرح ہے۔

تفسیر جلالین صفحہ 235 پر ہے:

عسیٰ ان یبعثك ربك مقاما محمودا۔

یحمدك فیه الاولون والاٰخرون وهو مقام الشفاعة۔

''یعنی مقام محمود سے مراد مقام شفاعت ہے جس میں اولین و آخرین آپ کی طرف محتاج ہوں گے''۔

اور تفسیر جامع البیان میں بھی اس جگہ یونہی مرقوم ہے۔

تفسیر بیضاوی صفحہ 72 زیر آیت:

ولا یقبل منها شفاعة و لا یوخذ منها عدل و لا هم ینصرون

...... و الشفاعة من الشفع كان الشفوع له كان فرداً فجعله الشفيع بضم نفسه اليه شفعاً ...... وقد تمسكت المعتزلة بهذه الايه علىٰ نفي الشفاعة لاهل الكبائر و أُجيب بانها مخصوصة بالكفار للايات والاحاديث الواردة في الشفاعة ......

''الشفاعۃ شفع سے بنا ہے گویا مشفوع لہ پہلے اکیلا تھا پھر شفیع نے اپنے کو ساتھ ملا کر اس کو ڈبل اور دگنا کر دیا اور بلاشبہ معتزلہ نے آیت سے اہل کبائر کی عدم شفاعت پر استدلال قائم کیا جس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت دیگر ان آیات واحادیث کے پیش نظر جو کہ شفاعت کو ثابت کرتی ہیں کفار کے ساتھ مخصوص ہے یعنی کفار کی شفاعت مردود ہے نہ کہ مومنین کی''۔

ناظرین وسامعین حضرات! اسی طرح اکثر و بیشتر تفاسیر معتبرہ متداولہ مستعملہ میں شفاعت بمعنی مذکرر کو صحیح اور درست تسلیم کیا گیا ہے اور اس میں کسی عقلمند کو گنجائش انکار نہیں تو روز روشن کی طرح قرآن مجید اور تفاسیر معتبرہ سے واضح ہو گیا کہ شفاعت صغریٰ ہو یا کبریٰ ہو یا شرعی اور اخلاقی نہ یہ کہ صرف جائز ہے بلکہ نافع ونافذ ہے بالخصوص شفاعت کبریٰ کہ یہ حضور سرور کونین خواجہ ملوین صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ امتیازی خاصہ اور کمال ہے جس میں کائنات عالم میں سے کوئی فرد یا چیز آپ کی شریک نہیں۔ الحمد لله علىٰ ذالك۔

احادیث شفاعت

صحیح بخاری اور جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن المقام المحمود فقال هو الشفاعة۔

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور پر نور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ مقام محمود سے کیا مراد ہے تو آپ نے فرمایا کہ: اس سے مراد مقام شفاعت ہے یعنی مرتبہ شفاعت عطا ہوگا''۔

امام احمد اور بیہقی نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے جواب میں

یہی کہا:

فقال هو الشفاعة۔

''پس فرمایا کہ یہ مقام شفاعت کا مرتبہ ہے''

دلائل النبوۃ میں ابونعیم نے انس بن مالک اور بیہقی میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

خبأت شفاعتك ولم اخباء لنبي غيرك۔

''میں نے تیری شفاعت ذخیرہ کر رکھی ہے اور تیرے سوا کسی اور نبی کو یہ دولت نصیب نہیں ہوئی''۔

مسلم اور ابوداؤد میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے۔:

انا اول شافع و اول مشفع۔

''میں بروز قیامت سب سے اول شفاعت کرنے والا اور شفاعت قبول کیا ہوا ہوں''۔

ابونعیم عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں:

وبی تفتح الشفاعة ولا فخر۔

''اور مجھ سے ہی شفاعت کا دروازہ کھلے گا اور یہ بات فخر یہ نہیں بلکہ بیان واقع ہے''۔

امام احمد، ابو یعلی اور ابن حبان نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے یہی حدیث وبی تفتح الشفاعة نقل کی ہے ترجمہ اوپر ہو چکا ہے۔

دارمی، ترمذی، ابونعیم بسند حسن عبداللہ بن عباس سے ناقل ہیں:

وانا اول شافع و اول مشفع يوم القيامة۔

''میں بروز قیامت سب سے پہلا شافع اور مشفع ہوں گا''۔

دارمی، ترمذی، بافادہ تحسین اور ابو یعلی بیہقی، ابونعیم، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے راوی

ہیں کہ:

وانا مستشفعھم اذا جسو و انا مبشرھم اذا یئسوا۔

''میں ہی بروز قیامت ان کی سفارش کروں گا جب کہ وہ روکے جائیں گے اور میں ہی ان کو خوشخبری دینے والا ہوں جب کہ وہ مایوس ہوں گے''۔

امام احمد ابن ماجہ، ابو داؤد طیالسی ابو یعلیٰ۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں:

وانی اختبات دعوتی شفاعۃ لا متی۔

''اور میں نے اپنی دعا اپنی امت کی مغفرت کیلئے چھپا رکھی ہے''۔

مسلم میں بروایت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ مروی ہے:

واخرت الثلث یوم یرغب الی فیہ الخلق حتی ابراھیم۔

''اللہ تعالیٰ نے مجھے تین سوال دیئے۔ میں نے دو بار یہ کہا:''۔

اللّٰھم اغفرلی امتی۔ (اے اللہ میری امت کو معاف کر) اور تیسرا ایسے روز کیلئے روک لیا جس میں میری طرف عام خلقت کا حتیٰ کہ ابراہیم علیہ السلام کا بھی رجوع ہوگا یعنی روز قیامت۔

مناہج النبوۃ شرح مدارج النبوۃ میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے آپ نے وعدہ فرمایا کہ میں تیری سفارش کروں گا اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ جلد 4 صفحہ 4، 5، 409، 492 اور اسی طرح منہاج النبوۃ میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

کنت امام النبیین و خطیبھم و صاحب شفاعتھم۔

''میں بروز قیامت عام نبیوں کا امام اور خطیب ہوں اور ان کی شفاعت کا مالک ہوں گا''۔

مشکوٰۃ باب البکاء علی المیت میں ہے آپ نے فرمایا: جس کے دو چھوٹے بچے مر جائیں وہ اس کو (بطریق سفارش) جنت میں پہنچائیں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے

کہا کہ اگر ایک بچہ مر جائے تو فرمایا ایک بھی لے جائیگا۔ کہا جس کا ایک بھی نہ ہو فرمایا اس کو میں خود جنت میں لے جاؤں گا۔ مطلب حضرت عائشہ کا یہ تھا کہ جس کا ایک بچہ بھی نہ ہو جیسا کہ میں ہوں تو آپ نے اس اضطراب کو دور کرنے کیلئے فرمایا کہ اس کو میں جنت میں لیجاؤں گا۔ مشکوٰۃ باب الشفاعۃ میں ہے کہ تین جماعتیں بروز قیامت شفاعت کریں گی۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام، پھر علماء، پھر شہداء۔

مشکوٰۃ میں ہے کہ کچا بچہ (یعنی ناتمام بچہ) اپنے رب سے اپنے والدین کے متعلق جھگڑا کرے گا حکم ہوگا اے جھگڑالو بچے جا اپنے والدین کو جنت میں لے جا پس وہ اپنی ناف (ناڑو) سے دونوں کو کھینچ کر جنت میں لے جائے گا۔

مسلم شریف میں ہے، آپ نے فرمایا:

ہر نبی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک دعا ملتی ہے اور ہر نبی نے وہ اپنی دعا استعمال کر لی مگر میں نے محفوظ رکھی ہے بروز قیامت میں اس سے اپنی امت کی شفاعت کروں گا۔

میرے حبیب کے لب پر انا لہا ہوگا:

بخاری و مسلم میں ہے قیامت کی گرمی سے گھبرا کر سب لوگ کسی شفیع کی تلاش میں حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور شفاعت سے متعلق گذارش کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو انتہائی طور پر اکرام و اعزاز سے مالا مال کیا ہے، آپ ہم سب کے باپ ہیں اور ہم انتہائی تکلیف میں مبتلا ہیں گرمی شدت حرارت تپش، پیاس، حبس وغیرہ سے مرے جاتے ہیں اور حساب ہوتا نہیں کہ ٹھکانے لگیں حیران و پریشان ہیں کوئی پریشان حال نہیں لہٰذا آپ ہماری دربار خداوندی میں سفارش کیجئے۔ یہ سنتے ہی آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمائیں گے کہ آج دربار توحید اور بارگاہ احدیت ایسے جلال و غضب میں ہے کہ اس کی مثال نہیں اور خود مجھ سے بظاہر ایک خطا بھی ہوگئی ہے۔ لہٰذا مجھ میں یہ ہمت نہیں معذور ہوں تم حضرت نوح علیہ السلام کی طرف جاؤ وہ تمہاری سفارش

کریں گے وہاں پر جا کر بھی وہی پہلا قصہ ہوا حتیٰ کہ آخر الامر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف رہنمائی کی گئی جب آپ کے ہاں مخلوقات جائے گی تو آپ فرمائیں گے اور بصیغہ افسوس کہیں گے کہ کیا تم کو معلوم نہ تھا کہ آج کا روز انتہائی طور پر سخت ہے۔ ہر نبی ورسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نفسی نفسی پکار رہا ہے آج! بجز جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور کوئی بھی سفارش سے متعلق بات نہیں کر سکتا لہٰذا تم سب مل کر ان کے پاس جاؤ وہ تمہاری مشکل کشائی کریں گے لہٰذا سب مخلوق سرور عالم فخر آدم و بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں پہنچے گی اورعرض کرے گی جس َ و سنتے ہی آپ سرکارِ ابد قرار ارشاد فرمائیں گے ان لھا انا صاحبکم الیوم بیشک میں ہی آج تمہاری سفارش کروں گا حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ مخلوق جا کر یہ کہے گی:

ایا محمد یا نبی اللہ انت الذی فتح اللہ بك و جئت فی هذ الیوم آمنا انت رسول اللہ و خاتم الانبیاء اشفع لنا الی ربك فلیقض بیننا الا تری الی ما نحن فیه الاتریٰ الیٰ ما بلغنا۔

اے محمد! اے اللہ کے نبی آپ وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فتح باب کیا ہے اور آج آپ با امن اور مطمئن تشریف لائے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کے خاتم ہیں آپ رب کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے کہ ہمارا فیصلہ فرمادے حضور نگاہ تو کریں کہ ہم کس درد و مصیبت میں ہیں۔ حضور ملاحظہ تو فرمائیں ہم کس حال کو پہنچے ہیں"۔

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر ارشاد فرمائیں گے:

انا لھا و انا صاحبکم الیوم۔

"میں تمہارا وہ مطلوب ہوں جسے تم تمام موقف میں ڈھونڈتے پھر رہے ہو"۔

پس بعدہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دربار الٰہی میں سر بہ سجود ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی تعریف کریں گے کہ اس سے پیشتر کبھی نہ کی تھی جس پر دربار صمدیت سے ان الفاظ

میں تسلی دی جائے گی۔

یا محمد ارفع راسك و قل تسمع سل تُعط و اشفع تشفع۔

"اے محمد اپنے سر کو اٹھایئے اور فرمایئے آپ کی ہر بات سنی جائے گی۔ آپ مانگئے جو مانگو گے سب کچھ دیا جائے گا۔ سفارش کیجئے قبول کی جائے گی"۔

چنانچہ آپ سر مبارک اٹھائیں گے اور مخلوق کا حساب ہونے کی سفارش کریں گے۔ پس حساب شروع ہو جائے گا۔ از تجلی الیقین صفحہ 72 و تفسیر نعیمی جلد 1 صفحہ 241 وغیرہ بقدر ضرورت۔ یہ شفاعت کبریٰ ہے جس کا ظہور بروز قیامت ہوگا اور قرآن وحدیث صحیح سے ثابت ہے۔

جنازہ کی تکبیرات میں جن دعاؤں کو پڑھنے کا حدیث شریف میں ذکر آیا ہے باوجودیکہ نماز جنازہ بذات خود ایک سفارش ہے۔ دعاؤں کے الفاظ مفہوم شفاعت پر مشتمل ہیں۔ دیکھئے:

اللّٰھم اغفر لحینا و میتنا الخ۔

"اے اللہ ہمارے زندوں اور مردوں، حاضر و غائب۔ چھوٹے و بڑے مرد و عورت سب کے گناہ معاف کردے"۔

اگر میت نابالغ ہو تو الفاظ ملاحظہ ہوں:

واجعلہ (اگر بچہ ہے) واجعلھا (اگر بچی ہے) شافعا و مشفعا (بصورت بچہ) شافعة و مشفعة (بصورت بچی)۔

"اے اللہ اس بچے یا بچی کو ہمارے لئے شفاعت کرنے والے یا شفاعت قبول کئے گئے بنادے"۔

صاف تصریح ہے جس کو ہر ایک مسلمان جنازہ میں پڑھتا ہے کہ اے اللہ ان کی شفاعت کو ہمارے حق میں قبول فرما۔ اسی طرح جنازہ پڑھنے والے تمام کے تمام دربار

الٰہی میں گویا میت کی حیات مستعار کی کمی وبیشی اور افراط وتفریط کے معاف کرنے کی سفارش کرتے ہیں۔ اب اگر شفاعت ناجائز اور بے معنی سی چیز ہے تو کیا شریعت نے ایک ناجائز اور بے معنی بات پر عملدرآمد کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اور بطور لزوم و وجوب میت کا ایک حق قرار دیا ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ شفاعت ایک جائز امر ہے اور دنیا و آخرت میں مفید ہے۔

آنکھیں روشن ہوگئیں:

ترمذی شریف میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک نابینا کو یہ دعا سکھلائی:

اللّٰھم انی اسئلك واتوجه اليك بنبيك محمد نبي الرحمة يا محمد انی توجهت بك الی ربی فی حاجتی هذه لتقضی لی اللّٰھم شفعه فی۔

''اے اللہ! میں تیرے پیارے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوں اس حاجت کے پورا کرنے میں تا کہ میری مشکل کشائی ہو۔ اے اللہ تو میری حاجت روائی سے متعلق میرے حق میں ان کی شفاعت قبول کر لے''۔ (چنانچہ بینائی واپس آ گئی)

اس دعا کو حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ پاک میں استعمال کیا اور اپنی حاجت روائی کرالی۔ ظاہر ہوا کہ شفاعت کی صحت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ بعد میں بھی جائز ہے نیز یہ بھی واضح ہو گیا کہ آپ کی حیات و ممات دونوں برابر ہیں اور یہ بھی روشن ہو گیا کہ بصیغہ خطاب ہر زمانہ میں ہر جگہ سے آپ کو عرض کیا جا سکتا ہے اور یہ کہ آپ کو اور اللہ تعالیٰ کو بیک وقت پکارا جا سکتا ہے اور یہ بھی کہ عبادت میں بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ کو پکارا جا سکتا ہے۔ مثلاً یوں دعا کی جائے:

یا الٰہی رحم فرما مصطفٰی کے واسطے
یا رسول اللہ کرم کیجئے خدا کے واسطے

مسلم شریف میں ہے کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے جو ملاقات کرے ان سے دعا منگوائے: فمن لقيه منكم فليستغفر لكم۔ پس جو اس سے تم سے ملے پس چاہئے کہ وہ تمہارے لئے مغفرت کے لئے دعا مانگے۔

دوسری روایت میں یوں ہے:

فمروه فليستغفر لكم۔

"اس کو کہو کہ وہ تمہارے لئے دعائے مغفرت کرے"۔

دیکھئے صاف اور صریح طور پر آپ سفارش کا حکم دے رہے ہیں تو اگر یہ شفاعت ناجائز ہوتی تو یہ حکم کیسے دیتے۔ نیز اس میں صحت شفاعت کے علاوہ یہ بھی ثابت ہوا کہ اپنے سے کم رتبہ والے کو بھی سفارش کیلئے کہا جا سکتا ہے جب کہ اس کو کوئی خاص نسبت حاصل ہو۔

بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی وغیرہ میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

اشفعوا توجروا ويقضي الله على لسان نبيه ماشاء۔

"یعنی شفاعت کرو تم کو اجر ملے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان پر جو چاہتا ہے پورا کرتا ہے"۔

اس کی تائید بھی دوسری حدیث سے ہوتی ہے:

الدال على الخير كفاعله۔

"جو کسی اچھی بات پر کسی کو آمادہ کرتا ہے اس کو بھی برابر ثواب ملتا ہے"۔

مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم بحوالہ صحیح بخاری و مسلم ہے:

اعطيت الشفاعة۔

"مجھ کو شفاعت عطا کر دی گئی"۔

ابن ماجہ میں ہے:

افضل الشفاعة ان تشفع بين اثنين في النكاح۔

''بہترین شفاعت یہ ہے کہ نکاح کے سلسلہ میں دو کے درمیان شفاعت کی جائے''۔

علامہ بیہقی شعب الایمان میں نقل فرماتے ہیں:

افضل صدقة اللسان الشفاعة۔

''بہترین صدقہ یہ ہے کہ کسی کی زبان سے شفاعت کرے''۔

صحیح مسلم میں ہے:

مامن میت تصلی علیه امة من المسلمین یبلغون مائة کلهم یستشفعون الاشفعوا۔

''کوئی میت ایسی نہیں جس پر مسلمانوں کی ایک جماعت جو سو تک پہنچے نماز جنازہ پڑھے اور اس کی شفاعت کرے مگر اس کی شفاعت قبول نہ ہو''۔

صحیح مسلم میں ایک دوسری روایت میں ہے:

ما من رجل مسلم یموت فیقوم علی جنازته اربعون رجلاً لا یشرکون باللہ شیئاً یشفعهم اللہ فیه۔

''جس مسلمان کے فوت ہونے پر اس پر چالیس ایسے آدمی جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرتے ہوں نماز جنازہ پڑھیں تو ان کی شفاعت اس کے حق میں قبول کی جاتی ہے''۔ (بحوالہ مشکوۃ باب المشی بالجنازہ)

تنبیہ الغافلین میں ہے:

یوتی بالمساجد یوم القیامة ...... فتشفع لا هلها۔

''بروز قیامت مساجد کو لایا جائے گا...... پس وہ مساجد لوگوں (نمازیوں) کی شفاعت کریں گی''۔ اسی میں ہے:

القرأن شافع و مشفع۔

''قرآن مجید صاحب قرآن (قاری) کیلئے شفاعت کرے گا اور اس کی

شفاعت قبول ہوگی"۔

یعنی جس نے اس سے محبت کی اور اس کو پڑھا اور عمل کیا اور بدعمل کی شکایت کرے گا۔

علیٰ ہذا القیاس احادیث صحیحہ معتبرہ میں دیگر اور اعمال صحیحہ وصدقات نافلہ اور خانہ کعبہ، حجر اسود اور آذان سننے والی چیزوں کا اور آذان کی دعا پڑھنے پر اور روضہ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کرنے والے کی اور بعض اور شعائر اللہ اور فقراء و مساکین وغیرہ کا شفیع ہونا ثابت ہے۔

تذکرہ الاولیا میں ہے کہ محترمہ رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کی سفارش سے ستر ہزار گنہگار جنت میں داخل ہوں گے۔اسی طرح حضرت اویس قرنی کی سفارش پر ایک خاص تعداد جنت میں جانے کے متعلق تذکرۃ الاولیاء وغیرہ میں مذکور ہے۔

نمازوں میں کمی بھی شفاعت سے ہوئی:

ناظرین حضرات! اسی طرح اور بھی متعدد احادیث صحیحہ گنائی جاسکتی ہیں جن سے شفاعت صغریٰ کا ثبوت بڑی وسعت سے ظاہر ہوتا ہے لہٰذا طوالت کے خوف سے صرف ایک حدیث اور ذکر کی جاتی ہے اور وہ یہ کہ واقعہ معراج دیکھئے کہ یہ ایک ایسا امر ہے جس کا ذکر صاف صاف قرآن وحدیث میں وارد ہے۔کہ اسی واقعہ میں یہ ایک امر ملاحظہ فرمایئے کہ جب واپسی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے آپ سے یہ عرض کی کہ دربار الٰہی سے کیا حکم ہوا۔آپ نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے میری امت پر دن رات میں پچاس نمازیں فرض قرار دیں ہیں جس کو سنکر موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ بخدا آپ کی اُمت اتنی نمازیں نہیں پڑھ سکے گی کیونکہ میں نے بنی اسرائیل کو بہت آزمایا ہے آپ واپس جائیں تاکہ اس میں کچھ تخفیف فرمائی جائے جس پر پانچ معاف کردی گئیں پھر آپ موسیٰ علیہ السلام کے پاس تشریف لائے تو موسیٰ علیہ السلام نے پھر دریافت کیا آپ نے ارشاد فرمایا کہ پانچ نمازیں معاف کردی گئی ہیں۔عرض کیا گیا اب بھی بہت ہیں واپس جاکر پھر تخفیف کرایئے القصہ مختصر یہ کہ آپ

نو دفعہ اسی طرح آئے گئے جس پر پینتالیس نمازیں معاف کر دی گئیں۔ آپ واپس آئے عرض کیا گیا کہ کیا ہوا؟ آپ نے فرمایا کہ اب صرف پانچ رہ گئی ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ بخدا میں نے سخت تجربہ کیا ہے اور بنی اسرائیل کو بڑا آزمایا ہے آپ کی امت پانچ بھی نہ پڑھ سکے گی۔ آپ نے فرمایا میں نے مولیٰ کریم سے بہت سوالات کیے۔ اب مجھے شرم آتی ہے میں اس پر راضی ہوں اور اپنا اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ جب آپ آگے چلے تو غیب سے ندا آئی کہ میں نے اپنے مقرر کیے ہوئے حکم کو پورا کر لیا اور اپنے بندوں سے تخفیف بھی کر دی۔ (بخاری، مسلم)

حضرات! دیکھیے اس حدیث میں پچاس نمازیں فرض ہوئیں اور عملدرآمد ہونے سے پیشتر ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سفارش اور شفاعت سے پانچ رہ گئیں اور ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی دنیاوی زندگی کے بعد برزخی زندگی میں یہ سفارش کی ہے۔ اب فرمائیے کہ اگر سفارش اور شفاعت بے معنی بات ہے تو پچاس کی پانچ کیسے رہ گئیں۔ کم از کم منکرین حضرات کو تو پچاس ہی پڑھنی چاہئیں۔ اور اگر وہ بھی پانچ پر ہی بضد ہوں تو سفارش و شفاعت صحیح و درست ثابت ہوئی۔ پھر اس کو ناجائز کہنا بے معنی بات ہے۔ نیز اگر شفاعت ناجائز ہوتی تو تخفیف کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کیونکہ جب یہ ناجائز ہے تو اس پر وقتی تگ و دو محض بے سود ہے اور پھر انبیاء کرام علیہم السلام سے یہ امر غیر متوقع کہ وہ ایک ناجائز امر پر ایسا اقدام کریں۔ بہر صورت اس واقعہ سے بھی ثابت ہوا کہ سفارش و شفاعت ایک جائز امر اور صحیح ہے اور اس میں حیات و ممات کی کوئی قید نہیں۔

ناظرین کرام! آپ نے احادیث صحیحہ معتبرہ سے بھی ملاحظہ فرما لیا کہ شفاعت شرعی طور پر ایک جائز اور امر واقع ہے۔

عقیدۂ شفاعت اور علماء و صلحاء امت

سبیل الجنان ترجمہ تکمیل الایمان مؤلفہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ صفحہ 20 پر ہے:

والشفاعة حق شفاعت حق ہے جو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے روز اپنی

امت کی فرمائیں گے۔ اسی طرح مناہج النبوۃ شرح مدارج النبوۃ میں ہے۔

تفسیر عزیزی صفحہ 218 پر آپ ﷺ کی خصوصیات ذکر فرماتے ہوئے لکھا گیا:

ومقام محمود مشرف سازند و در دست ایشاں لواء حمد دہند کہ حضرت آدم و تمام ذریت ایشاں زیر آں نشان باشد...... وبشفاعت عظمیٰ ایشاں را مخصوص سازند۔

''اور آپ کو مقام محمود سے مشرف کیا جائے گا اور لواء احمد آپ کے ہاتھ میں ہوگا جس کے نیچے آدم اور آپ کی تمام اولاد ہوگی اور شفاعت عظمیٰ و کبریٰ کے ساتھ آپ کو مخصوص فرمایا جائے گا''۔

علامہ وحید الزماں اور قاضی شوکاں:

کتاب ہدیۃ المہدی صفحہ 77 جلد 1 مؤلفہ مولوی وحید الزمان اہلحدیث پر ہے:

الشفاعة حق ثابتة للرسل والاخيار كالعلماء و الشهداء۔

''شفاعت حق اور سچ ہے اور انبیاء کرام و علماء عظام و شہداء حضرات کیلئے ثابت ہے''۔

النضید فی اخلاص کلمۃ التوحید مولفہ قاضی الشوکانی کے ترجمہ مولوی محمد علی ایم اے بمبئی صفحہ 82 پر ہے۔ شفاعت کبریٰ و عظمیٰ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''اور یہ جائز ہے کیونکہ یہ طلب شفاعت اور دعا ہے ان لوگوں سے جن کو خدا کی طرف سے ان دونوں چیزوں کی اجازت ملی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ عادت مستمرہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات میں دعا کی درخواست کرتے تھے۔ نیز صفحہ 83 پہ لکھا وعلیٰ ہذا القیاس آپ علیہ السلام کا صحابہ کی ایک جماعت کو یہ ارشاد کہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ سے ملو تو ان سے اپنے لئے دعا منگوانا۔ اور اسی کے صفحہ 84 پر ہے اور اسی طرح طلب شفاعت اس سے جس کی نسبت شریعت مطہرہ نے بتا دیا ہے کہ وہ اس کا اہل ہے مثلاً انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ و السلام سے بالکل مطابق شریعت ہے اور اسی لئے خدا تعالیٰ اپنے رسول (ﷺ) سے قیامت کے دن فرمائے گا کہ تو مانگ تجھ کو دیا جائے گا اور شفاعت کر تو وہ قبول ہوگی اور

یہی وہ مقام محمود ہے جس کی طرف خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ عسیٰ ان یبعثك ربك مقاما محمودا○ اور اسی کے صفحہ 85 پر ہے۔ اسی طرح جس شخص کو اللہ تعالیٰ حکم دے گا اسی کی شفاعت ہو سکے گی جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

من ذالذی یشفع عندہٗ الا باذنہٖ

''اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی شفاعت نہیں کر سکے گا''۔

نواب صدیق حسن بھوپالوی کا عقیدۂ شفاعت:

نواب صدیق حسن بھوپالوی اپنے قصیدہ عنبریہ میں لکھتے ہیں:

مالی وراك مستغاث فارحمن

یا رحمة اللعالمین بکائی

''میرے لئے حضور کے سوا کوئی فریاد رس نہیں پس اے رحمۃ للعالمین میرے رونے پر رحم فرمائیے''۔

اکابرین علماء دیوبند کا شفاعت کے متعلق عقیدہ:

❁ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی اپنے قصیدہ میں یوں التجا کرتے ہیں:

شفیع عاصیاں ہو تم وسیلہ بیکساں ہو تم
تمہیں چھوڑ اب کہاں جاؤں بتاؤ یا رسول اللہ
لگے گا جوش کھانے خود بخود دریائے بخشائش
کہ اب حرفِ شفاعت لب پہ لاؤ یا رسول اللہ
اگرچہ نیک ہوں یا بد تمہارا ہو چکا ہوں میں
تم اب چاہو ہنساؤ یا رلاؤ یا رسول اللہ
جہاز امت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں
تم اب چاہو ڈباؤ یا تراؤ یا رسول اللہ

مولوی محمد قاسم نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند اپنے قصیدہ قاسمیہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں لکھتے ہیں:

ثنا کر اس کی اگر حق سے کچھ لیا چاہیے
تو اس سے کہو اگر اللہ سے ہے درکار
فلک پر عیسیٰ اور ادریس ہیں تو خیر سہی
زمیں پہ جلوہ نما ہیں محمد مختار
گناہ کیا ہے اگر کچھ گناہ کئے میں نے
تجھے شفیع کہے کون اگر نہ ہوں بدکار
تیرے لحاظ سے اتنی تو ہوگئی تخفیف
بشر گناہ کریں اور ملائک استغفار
اگر جواب دیا بے کسوں کو تو نے بھی
تو کوئی اپنا نہیں جو کرے کچھ استغفار
جو تو ہی ہم کو نہ پوچھے تو کون پوچھے گا
بنے گا کون ہمارا ترے سوا غمخوار
مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا
نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار

مولوی محمود حسن صاحب دیوبندی مولوی رشید احمد صاحب کے مرثیہ صفحہ 10 پر لکھتے ہیں:

حوائج دین و دنیا کے کہاں لے جائیں ہم یارب
گیا وہ قبلۂ حاجات روحانی و جسمانی
قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں
عبید سود کا ان کے لقب ہے یوسف ثانی

رقاب اولیا کیوں خم نہ ہوتیں آپ کے آگے
وہ شہباز طریقت تھے محی الدین جیلانی
تہید ستو نہ گھبراؤ نہ شرماؤ ادھر آؤ
وہ نیسان کرم اب بھی ہے سرگرم درافشانی
شہید و صالح و صدیق ہیں حضرت باذن اللہ
حیات شیخ کا منکر سو جو ہے اس کی نادانی
محی الدین اکبر جاتے ہیں دار فنا سے بس
اٹھے اف دیر دیراں سے محی الدین گیلانی
قاسم و حضرت امداد کو مرنے نہ دیا
بلکہ زندہ ہی رکھا سب کو علی وجہ اتم

❁ بہشتی زیور مولفہ مولوی اشرف علی تھانوی حصہ اول صفحہ 33 عقیدہ صفحہ 40 پر ہے:

''اور قیامت کے میدان میں سب اکٹھے ہوں گے اور وہاں کی تکلیفوں سے گھبرا کر سب پیغمبروں کے پاس سفارش کرانے جائیں گے۔ آخر ہمارے پیغمبر صاحب سفارش کریں گے ترازو کھڑی ہو جائے گی بھلے بُرے عمل تولے جائیں گے''۔

اسی کتاب میں عقیدہ نمبر 41 صفحہ 43 پر ہے:

''دوزخیوں میں سے جن میں ذرہ بھی ایمان ہوگا وہ اپنے ایمال کی سزا بھگت کر پیغمبروں اور بزرگوں کی سفارش سے نکل کر بہشت میں داخل ہوں گے خواہ کتنے ہی بڑے گنہگار ہوں''۔

دلائل الخیرات شریف کا حوالہ:

دلائل الخیرات وغیرہ میں ہے:

اللھم اجعل محمداً اصدق قائل وانجح سائل و اول شافع

وافضل مشفع و شفعه فی امته بشفاعة یغبطه بها الاولون و الاخرون۔

''اے اللہ آپ کی اپنی امت کے حق میں ایسی شفاعت قبول کر جس پر اگلے اور پچھلوں سب کو رشک پیدا ہو''۔

مولوی احمد علی صاحب لاہوری اپنی رسالہ موسومہ ''وظیفے'' کے صفحہ 5 پر لکھتے ہیں۔ اسی پاک و مبارک مقصد کی تکمیل کیلئے سید المرسلین خاتم النبیین شفیع المذنبین (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا چنانچہ آنحضور سراپا نور فداہ ابی و امی نے جب کلمہ لا الہ الا اللہ کا اعلان فرمایا۔ الخ

مولوی اشرف علی صاحب اپنی کتاب نشر الطیب کے صفحہ 7 پر لکھتے ہیں۔ اما بعد! یہ گرسنہ رحمت غفار و تشنۂ شفاعت سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم۔ الخ

اسی کتاب کے صفحہ 306 پر شفاعت بالاذن بحوالہ بخاری و مسلم مذکور ہے اور صفحہ 307 پر قصیدہ بردہ شریف کا یہ شعر مسطور ہے:

هو الحبیب الذی ترجیٰ شفاعتهٗ

لکل هول من الاهوال مقتحم

جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وہ اللہ تعالیٰ کے پیارے محبوب ہیں جن کی ہر دشوار امر میں شفاعت متوقع اور قبول ہے اور اسی کتاب کے صفحہ 94 پر واقعہ معراج شریف مرقوم ہے اور حضرت موسیٰ علی نبینا و علیہ السلام کی شفارش سے پچاس نمازوں سے پانچ باقی رہنا مذکور ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا عقیدہ:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے قصیدہ اطیب النغم میں لکھتے ہیں۔

یا من یرجی لکشف رزیة

ومن جوده قد فاق جود السحائب

''اے وہ ذات جس سے ازالۂ مصائب میں پوری امید ہے اور جس کی

سخاوت بادلوں کی سخاوت پر فوقیت رکھتی ہے''۔

مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدۂ شفاعت:

حضرت مولانا عبدالرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ زلیخا میں فرماتے ہیں:

شب اندوہ مارا روز گرداں زرویت روزما فیروز گرداں

''آپ ہماری شب تاریک کو روز روشن بنا دیں اور اپنے چہرہ منور سے ہمارے دن کو کامیاب بنادیں''۔

شیخ محقق کا عقیدۂ شفاعت:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کتاب الاخیار میں لکھتے ہیں:

بہر صورت کہ باشد یا رسول اللہ کرم فرما
بلطف خود سرو ساماں جمع بے سرو پا کن
محبّ ال اصحاب توام کار من حیراں
بلطف خویش ہم امروز ہم در روز فردا کن

''یارسول اللہ ہر حالت میں ہم پر کرم فرمایئے اور بے سروسامان کا اپنے لطف و کرم سے سامان (بخشش) بنادیجئے۔
میں آپ کی آل پاک اور اصحاب کرام کا محبت رکھنے والا ہوں اپنی مہربانی سے دنیا وآخرت میں مجھے کامیاب بنادیجئے''۔

شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدۂ شفاعت:

حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

گر نبودے یا رسول اللہ ذات پاک تو
ہیچ پیغمبر نہ بردے دولت پیغمبری

''یارسول اللہ اگر آپ کی ذات نہ ہوتی تو کوئی پیغمبر دولت پیغمبری سے مستفید نہ

ہوتا''۔

خلاصۂ کلام:

معزز ناظرین! بزرگانِ دین اور ان کے مخالفین دیوبندی اور اہلحدیث حضرات کی عبارات سے بھی روز روشن سے زیادہ واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہر شخص شفاعت کرسکتا ہے۔ دنیا و آخرت میں اس کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ اسی طرح رسول کریم ﷺ جس کو اجازت مرحمت فرمائیں کیونکہ وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا ہی حکم ہے۔

نیز یہ ثابت ہوا کہ کسی کیلئے دعا کرنا جائز ہے اور یہ کہ کسی کیلئے دعا کرنا اور سفارش و شفاعت کرنے کا ایک ہی مطلب ہے کیونکہ کسی کیلئے دعا کرنے کا یہی مطلب کسی سے کسی کیلئے سفارش کرنا ہی ہے لہٰذا استعانت اور استمداد کے جتنے واقعات غیر اللہ سے معلوم و منسوب ہوں گے وہ درحقیقت سفارش اور شفاعت ہی ہے کیونکہ غیر اللہ سے استعانت کا مطلب یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے حاجت روائی کیلئے دعا کریں اور جائز تدبیر فرمائیں۔

یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ معروف و مشہور عبارات ختمیہ مثلاً امداد کن امداد کن۔ یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیأ للہ۔ وغیرہ بالکل جائز ہیں کیونکہ جیسے قصائد قاسمیہ، قصیدہ عنبریہ، قصیدہ بردہ شریف اور قصیدہ ہمزیہ وغیرہ میں غیر اللہ کی طرف نسبتیں مجازی طور پر بطریقہ اسباب و وسائل ہے۔

بہرحال اسی طرح سینکڑوں اور علماء کرام کے حوالجات دیئے جاسکتے ہیں جن سے جواز شفاعت کا شرعی نقطہ نظر سے صحیح اور درست ہونے کا وجود موجود ہے لیکن طوالت کے ڈر سے اور اس وجہ سے کہ سلیم الفطرت کیلئے اس قدر کافی ہے اس سے اطمینان ہوسکتا ہے۔

قصیدہ نعمانیہ کے اشعار:

آخر میں ہم حضرت امام الائمہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بعض وہ اشعار جو کہ جواز

شفاعت پر مشتمل ہیں۔قصیدہ نعمان سے نقل پیش کر رہے ہیں، آپ فرماتے ہیں:

انت الذی لو لاك ما خلق امرٌ　　　　كلا ولا خلق الورى لولاك

''آپ وہ ہیں کہ اگر آپ کی ذات نہ ہوتی کوئی شخص بلکہ کائنات ہی پیدا نہ ہوتی''۔

انت الذی فینا سئالت شفاعة　　　　لباك ربك لم تكن لسواك

''آپ کی ذات وہ ہے کہ آپ نے جب ہمارے لئے شفاعت کا سوال کیا تو آپ کے پروردگار نے پکار کر فرمایا۔ یہ مرتبہ سوائے آپ کے کسی کا نہیں ہے''۔

یا مالکی کن شافعی فی فاقتی　　　　انی فقیر فی الوری لغناك

''اے مرے مالک بحالت فقر میرے شفیع ہو جایئے۔ کیونکہ ساری مخلوق میں آپ کی غنا کا سب سے زیادہ میں ہی محتاج ہوں''۔

انا طامع بالجود منك ولم یكن　　　　لابی حنیفه فی الانام سواك

''میں آپ کی بخشش کا حریص ہوں اور بجز آپ کے دنیا میں مجھ غریب (ابوحنیفہ) کا کوئی یار وغمگسار نہیں ہے''۔

فلانت اكرم شافع و مشفع　　　　ومن التجی بحامك نال رضاك

''بلاشبہ آپ عنداللہ بزرگ ترین شفیع اور مقبول الشفاعت ہیں اور جو آپ کی پناہ میں آ گیا اُس نے آپ کی خوشنودی کو پالیا''۔

الحمد للّٰه الذی فضل نبیه المصطفیٰ علی العالمین جمیعه و اقامه یوم القیامة للمذنبین الخطائین الهالكین شفیعه و الصلوٰة و السلام علی من كان فضله فی الدارین رفیعه وعلی اله و اصحابه الذین اصابوا بطاعته فی الجنة مكانا علیه و كان الله علی ذلك قدیرا۔ و اخر دعوای ان الحمد للّٰه رب العلمین۔

ساتواں درس

الحمد للّٰہ الذی لم یزل ولا یزال حیا قیوما قادرا علیما و الصلوۃ و السلام علی سیدنا محمد عالم ما کان وما یکون و کان فضل اللّٰہ علیک عظیماء وعلی الہ و اصحابہ الذین اعطاھم اللّٰہ فضلا کبیرا و نعیما مقیما اما بعد فقد قال عز ذکرہ و جل جلالہ معظما لنبیہ تعظیما فی القرأن المجید والفرقان الحمید والبرھان الرشید۔

اعوذ باللّٰہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

ایاك نعبد و ایاك نستعین0

صدق اللّٰہ العظیم۔

"(اے ہمارے پالنے والے) ہم صرف تیری ہی عبادت کریں اور تجھی سے ہی مدد چاہیں"۔

ربط و تعلق آیات:

❁ پہلی دو آیات میں انعامات الٰہیہ کا ذکر تھا، پھر قیامت کے دن کا مالک ہونے میں اللہ تعالیٰ کی جباری وقہاری کا بیان ہوا تا کہ ہر دو طریقے سے (شوق ولالچ اور ڈر کر) لوگ اس کی عبادت کی طرف متوجہ ہوں، لالچ سے دل میں رغبت آتی ہے اور ڈر سے انسان اطاعت پہ مجبور ہو جاتا ہے۔ پہلے لالچ دلایا پھر ڈرایا اور

اب کہلوایا ایاک نعبد و ایاک نستعین۔

❁ پہلے غیب کے پردے میں نعمتوں کو گنوایا اور اب غیب سے حاضر کی طرف التفات فرمایا گویا پہلے بندہ مجاہدہ کی حالت میں ذکرالٰہی کے اندر مصروف رہا اور قرب حق کو پانے کی کوشش کرتا رہا، اس کی یہ کوشش قبول ہوئی اور اچانک اس کو بارگاہ خداوندی میں حاضری کی سعادت مل گئی، مقام مجاہدہ سے مشاہدہ پہ آ گیا اور پہلے ''وہ'' کے ساتھ اپنے رب کو یاد کرنے والا اب تمام پردے غائب پا کر براہ راست اپنے رب سے عرض کرنے لگا ایاک نعبد۔ حدیث شریف میں جو احسان کی تعریف فرمائی گئی ہے ان تعبد اللّٰہ کانك تراہ اللہ تعالیٰ کی یوں عبادت کر کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔

تبھی تو سراپا ادب بن کر ایاک (مفعول) کو مقدم کر رہا ہے اور اپنی عبادت (نعبد) کا ذکر بعد میں کر رہا ہے اور لوگوں کو بندگی کا سلیقہ بتا رہا ہے کہ بارگاہ خداوندی کے احترام کو اپنے اوپر لازم کر لو اپنے مولیٰ کی ذات پر بھروسہ کرو نہ کہ عبادت پر تا کہ شیطان کی طرح کہیں تکبر میں مبتلا ہو کر سب کچھ برباد نہ کر بیٹھو۔ لہٰذا نعبدک کہنے کی بجائے ایاك نعبد کہا۔

❁ انسان چونکہ تینوں زمانوں میں اپنے رب کا محتاج ہے، جب معدوم تھا تو اللہ نے اس کو موجود کیا ھل اتی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئا مذکورا۔ اپنی ربوبیت کا جلوہ دکھایا اور اس کو کما کر کھانے کے قابل بنا دیا، دنیا کی کامیابی کے ساتھ اُخروی کامیابی کا ایاك نعبد کی تعلیم دے کر اس کو راستہ بتا دیا۔

❁ پہلی آیات میں صرف اللہ ہی کا ذکر تھا اب بندہ بھی اس قابل ہو گیا کہ اللہ کے ساتھ اس کا ذکر بھی ہونے لگا اور ذاکر بھی مذکور بن گیا۔ اور جس پیارے آقا علیہ السلام کی وجہ سے یہ رتبہ امتی کو ملا کہ بندہ ہو کر مولیٰ سے مل گیا یہ صرف انہی کی شان ہے کہ نماز میں حالت قیام میں یا خدا سے مخاطب ہونا ضروری ہے اور

ادب واحترام سے بیٹھ کر حالت قعود میں اپنے آقا سے مخاطب ہونا اور السلام علیك ایها النبی کا سلام نیازان کی بارگاہ میں پیش کرنا بھی ضروری ہے اس مقام پہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت نے کیا خوب کہا ہے۔

ذرے مہر قدس تک تیرے توسط سے گئے
حد اوسط نے کیا صغریٰ کو کبریٰ نور کا

عبادت کا لغوی وشرعی معنی ومفہوم:

لغت میں عبادت کا معنی ہے عاجزی اور تواضع کے ساتھ اطاعت کرنا۔ اس کی اصل خضوع اور ذلت ہے۔ (الصحاح جلد 2 صفحہ 503 لسان العرب جلد 3 صفحہ 237)

بعض نے کہا عبادت کا معنی ہے ایسا فعل کرنا جس سے رب کی رضا حاصل ہو عبادت کا شرعی معنی یہ ہے کہ کسی کو اپنا خالق و مالک اور رب والہ جان کر اس کی تعظیم کیلئے کوئی عمل کرنا یا اس کی اطاعت بجالانا۔ لہٰذا عیسائیوں کا عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر یا ان کا بت بنا کر اس کے سامنے دعا کرنا یا سرنگوں ہو کر تعظیم بجالانا یا مشرکین کا بتوں کے سامنے ایسی ہی حرکات کرنا شرک کے زمرے میں آئے گا۔

اور اگر کوئی مسلمان کسی کو الہ یا رب سمجھ کر نہیں بلکہ صرف تعظیم کے طور پر جھکتا ہے تو سجدے اور رکوع کی حد تک جھکنا حرام ہے جبکہ جھکنا مقصود بالذات ہو ورنہ اگر جھکنا بالتبع ہے تو حرمت کا حکم نہ لگایا جائے گا جس طرح جھک کر جوتا پہننا یا اسی طرح قدم بوسی کرنا جیسا کہ وفد عبدالقیس نے حضور علیہ السلام کی قدم بوسی کی۔ (ابو داؤد جلد 2 صفحہ 218 مشکوۃ صفحہ 402) یا کچھ یہود نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر دست وقدم بوسی کی اور ایمان لائے۔ (ترمذی جلد 2 صفحہ 98) کسی کی عزت کیلئے کھڑے ہونا یا دوزانوں بیٹھنا نماز کا حصہ ہونے کے باوجود جائز ہے کیونکہ عبادت کی نیت سے نہیں۔

عبادت کی قسمیں:

1- اعتقادی عبادت: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے وہ صفات ماننا جو اس کی شایانِ شان

ہیں اور اس کے ہر حکم کو واجب العمل ماننا اور جس جس کو اس نے ماننے کا حکم دیا ہے اس پر ایمان لانا۔

2- عبادت عملی: رب کی رضا کی خاطر نماز، روزہ، صدقہ، حج، زکوۃ وغیرہ یہ سب امور عملی عبادت کے زمرے میں آتے ہیں، اس طرح جب اللہ کا حکم مان کر والدین کی اطاعت کریں گے، بچوں کیلئے رزق حلال کمائیں گے تو یہ بھی عبادت کے زمرے میں ہی آئے گا اور ہر کام جو اللہ کی رضا کی خاطر کیا جائے گا وہ عبادت شمار ہو گا حدیث میں ہے کہ جو شخص جہاد کیلئے گھوڑا پالتا ہے اور پھر پچھاڑے سے اس کی لید صاف کرتا ہے تو اس پر بھی اس کو عبادت کا ثواب ملتا ہے۔

عبادت اور عبودیت:

بعض ائمہ نے فرمایا ہے کہ عبادت یہ ہے کہ بندے کا ایسا فعل جس پہ رب راضی ہو کیا جائے اور عبودیت یہ ہے کہ رب کے فعل پہ بندہ راضی رہے۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن عبادت تو ساقط ہو جائے گی جبکہ عبودیت ساقط نہ ہو گی۔

صوفیاء کرام کی اصطلاح میں یہ بھی عبودیت ہے کہ دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کے حق میں حقیقی متصرف ہونے کا عقیدہ نہ رکھے۔ غلام کا آقا کی خدمت و اطاعت کرنا عبادت نہیں اور مسلمان کا اپنے رب کی اطاعت کرنا عبادت ہے۔

کتاب التعریفات میں سید شریف لکھتے ہیں نفس کی خواہش کے خلاف اپنے رب کی تعظیم کیلئے مکلف کا کام عبادت کہلاتا ہے اور حدود اللہ کی حفاظت، وعدہ وفائی و قناعت و صبر عبودیت کے زمرے میں آتا ہے۔ (صفحہ 63)

تفسیر روح البیان میں ہے عبادت کا معنی عابد بننا ہے اور عبودیت کا معنی عبد بننا (یعنی سراپا عبادت بن جانا) ہے۔ عربی زبان میں عام راستے کو "طریق معبد" کہا گیا ہے کیونکہ اس پر ہر ایک چلتا ہے۔

باجماعت عبادت کرنا:

اس مقام پہ نعبد جمع کا صیغہ لانے میں باجماعت نماز کی طرف بھی واضح اشارہ فرمایا گیا ہے تاکہ اگر تنہا شخص کی عبادت بارگاہ خداوندی کے قابل نہ بھی ہو تو جب نیک اور پرہیزگار لوگوں کی عبادت کے ساتھ ملا کر اپنی عبادت دربار الٰہی میں پیش کرے گا تو یقیناً اللہ تعالیٰ ان کی پاکیزہ عبادات کا صدقہ اس کی کمی والی عبادت بھی رد نہ فرمائے گا۔ اس کی مثال یوں دی جاسکتی ہے کہ اگر کثرت کے ساتھ کوئی چیز خریدنی ہو اور اس میں چند دانے خراب بھی ہوں تو ان سے درگذر کرنا پڑتا ہے اور بیچنے والا کہتا ہے لینی ہے تو ساری لو ورنہ ساری رہنے دو اب میں ان چند دانوں کو کیا کروں گا۔

یاد رہے! ہم اللہ کے پیاروں کو خدا کا بندہ مانتے ہیں اس لئے ان سے محبت کر کے ہم بھی اللہ کے پیارے بن جاتے ہیں جبکہ مشرک اپنے دیوتاؤں کو الوہیت میں حصے دار مانتے ہیں لہٰذا ہم مؤحد ہوئے اور وہ مشرک۔

لہٰذا اگر کوئی اکیلا بھی اللہ کی عبادت کرے تو بھی نیت اس طرح کی کرے کہ مجھ سے پہلے جو عبادت گذار ہوئے یا قیامت تک ہوں گے میں اپنی عبادت کو ان کی عبادت سے ملا کر رب کے دربار میں پیش کر رہا ہوں، جس طرح کہ اہل وعیال کی پرورش اگر یہ سمجھ کر کی جائے گی کہ حضور علیہ السلام کی سنت بھی ہے، اللہ کا حکم بھی، حقوق العباد کی ادائیگی بھی ہے تو ان تمام نیات کا ثواب حاصل ہو جائے گا۔

قرآن مجید میں لفظ عبادت وعبد کا استعمال کن کن معنوں میں ہوا ہے:

1- توحید واطاعت کیلئے۔ واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا۔ (النساء 36)

2- غلام ومملوک کو عبد کہا گیا۔ العبد بالعبد۔ (البقرہ 178)

3- ہر شئی بارگاہ خداوندی میں عبد ہے۔ إن کل من فی السموات و الارض الا اٰتی الرحمٰن عبدا۔ (مریم:93)

4- عبد کامل کیلئے یعنی جو اپنے اختیار سے عبدیت میں کامل ہوئے۔و اذکر عبدنا ایوب۔ واذکر عبادنا ابراھیم و اسحق و یعقوب۔ (سورۂ ص) سبحان الذی اسریٰ بعبدہ (الاسراء) حضرت نوح علیہ السلام کے بارے فرمایا گیا انہ کان عبدا شکورا۔ (الاسراء)

5- اپنے اختیار سے خدا کے عبد ناقص کیلئے۔ان تعذبھم فانھم عبادک۔ (مائدہ: 118) قل یعبادی الذین اسرفوا...... (الزمر: 53)

6- اپنے اختیار سے غیر اللہ کا عبد بننے والوں کیلئے۔یحسرۃ علی العباد (یٰس) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ معبودان باطلہ سے ان کے عبادت گذاروں کے بارے میں پوچھے گا ءانتم اضللتم عبادی ھؤلاء (الفرقان: 17)

عبد بمعنی غلام وتابعدار:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:
تم میں کوئی یہ نہ کہے کہ اپنے رب کو کھلاؤ، پلاؤ بلکہ (مالک کو) سید و مولا کہو اور غلام کو میرا بندہ نہ کہو بلکہ بندہ کہنے کی بجائے نوکر، نوکرانی کہو''۔

(بخاری جلد 1 صفحہ 347,346 خلاصۃ)

علامہ ابن اثیر جزری فرماتے ہیں یہ ممانعت تکبر اور بڑائی کی نفی کیلئے ہے۔

(نہایہ جلد 3 صفحہ 170)

ورنہ تو صرف مکروہ ہے اور وہ بھی تنزیہی۔ (شرک سے مشابہت کی وجہ سے) اور حرم اس لئے نہیں کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے خود عبد کی نسبت اس کے مالک کی طرف فرمائی ہے۔

و انکحو الایامٰی منکم و الصالحین من عبادکم و اماءکم۔

(النور: 32)

عبدالنبی یا عبدالرسول نام رکھنا:

سورۂ نور کی مندرجہ بالا آیت سے ان ناموں کا واضح جواز ملتا ہے اور یہاں عبد بمعنیٰ عابد نہیں بلکہ غلام و نوکر ہوگا۔ لہٰذا اس کو شرک (خفی) کہنا کسی طور پر بھی مناسب نہیں ہے جیسا کہ تھانوی صاحب نے بہشتی زیور میں ایسے ناموں کو شرک خفی کی فہرست میں شمار کیا ہے۔ (جلد 1 صفحہ 35)

اور جن فقہاء نے منع فرمایا ہے انہوں نے حقیقت عبودیت کے خدشے کے پیش نظر احتیاطاً منع فرمایا ہے اور جہاں ممانعت حدیث میں آئی ہے اس کو مکروہ تنزیہی کے زمرے میں رکھا ہے (وہ بھی امت کیلئے نہ کہ سید الرسل، امام الانبیاء کیلئے کیونکہ اللہ نے خود سارے انسانوں کو یہ فرما کر حضور علیہ السلام کے حلقۂ غلامی میں باندھ دیا ہے۔ قل یعبادی الذین اسرفوا ...... الزمر)

یعبادی کہہ کے ہم کو شاہ نے
اپنا بندہ کر لیا پھر تجھ کو کیا

بے دین پیروں سوال:

بے دین قسم کے پیر جو بزرگوں کا کلام نہ سمجھتے ہوئے اپنے جاہل مریدوں کو یہ کہتے ہوئے سنے گئے ہیں کہ فلاں بزرگ نے فرمایا ہے:

نفل نمازاں کم زنانے روزے صرفہ روٹی ہو

وہ یوں بھی کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ غنی و بے پرواہ ہے تو اس کو ہماری عبادت کی کیا ضرورت؟ لہٰذا ہم کیوں خواہ مخواہ عبادت کی مشقت میں پڑیں؟

جواب: یہ ہے کہ رب کو ہماری عبادت کی ضرورت نہیں بلکہ ہمیں ضرورت ہے کہ اس کی عبادت کریں تا کہ اس کے بندوں میں شامل ہو کر اس کی جنت میں جانے کے قابل ہو سکیں۔ (فادخلی فی عبادی و ادخلی جنتی)

کیونکہ قالین اور قیمتی بستر پہ صاف جسم والا ہی بیٹھ سکتا ہے۔ دنیا کی مشغولیت سے دل گندہ ہو جاتا ہے جو عبادت کے پانی سے دھل جاتا ہے۔ اور پھر نفس امارہ سے لے کر شیطان تک اور علاوہ ان کے بے شمار دنیوی الجھنوں کے دشمنوں میں ہم پھنسے ہوئے ہیں اور جو دشمنوں میں گھرا ہو اس کے بچنے کے دو ہی طریقے ہیں یا تو خود اتنا طاقتور ہو کہ اپنا دفاع کر سکے یا کسی قدرت والے کے دامن میں پناہ لے لے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کر کے اس کی پناہ میں آ جاتے ہیں اور ان دشمنوں کے حملوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔

عبادت اللہ کی منہ کعبہ کو؟:

اگر کوئی مشرک کہے کہ اگر ہم پتھر کے بت کو سجدہ کر کے مشرک ہیں تو تمام مسلمان بھی تو پتھروں کے بنے ہوئے کعبہ کو سجدہ کرتے ہیں اور اگر مسلمان کہیں کہ کعبہ تو ہمارے لئے صرف مرکز توجہ ہے سجدہ تو ہم خدا کو ہی کرتے ہیں تو مشرک بھی تو اپنا دھیان جمانے کیلئے پتھر کو سامنے رکھتا ہے تو اس الجھن کا حل یہ ہے کہ نماز کی نیت ہی یہ فیصلہ کر دیتی ہے کہ عبادت صرف خدا کیلئے ہے۔ بفرض محال اگر کعبہ وہاں سے اُٹھا کر مشرق میں کسی شہر کے اندر رکھ دیا جائے تو مسلمان پھر بھی اسی جہت نماز ادا کرے گا جبکہ مشرک کی مورتی جدھر ہو گی وہ اسے ہی سجدہ کرے گا۔ معلوم ہوا کہ اس کا سر مورتی کیلئے اور ہمارا خدا کیلئے جھکتا ہے۔ خوف اور سفر کی نماز میں جہت کا خیال بھی نہیں رکھا جاتا بلکہ اینما تولوا فثم وجه اللّٰه کے مطابق جدھر منہ کر کے نماز پڑھے گا ہو جائے گی۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ کعبہ کسی عمارت کا نام ہے ہی نہیں اگر بیت اللہ کی عمارت نہ بھی ہو تو بھی اس طرف ہی منہ کر کے نماز پڑھی جائے گی نہ اس کا نظر آنا ضروری ہے نہ اس کی عمارت ضروری ہے۔

کیا یہ شرک ہے؟

بعض لوگوں کے نزدیک عبادت وہ کام ہے جو بندگی ہونے کے ساتھ اللہ تعالیٰ

نے اپنے لئے خاص کیا ہوا ہو اس لئے ان کے ہاں کسی کی تعظیم کرنا، کسی کو مدد کیلئے پکارنا، قبر پہ جھاڑو دینا، شرک کہا جاتا ہے۔

حالانکہ پکارنے کا ذکر قرآن میں سینکڑوں جگہ ہے بلکہ اللہ تعالیٰ تو آگ کو بھی پکارتا ہے ینار کونی برداو سلاما علی ابراھیم۔ پھر صحابہ کرام سے پکارنا ثابت ہے حضرت عمر نے حضرت ساریہ کو غائبانہ پکارا (یا سارية الجبل) اور اگر کہو مدد کیلئے پکارنا شرک ہے تو یہ شرک تمہارے اپنے گھر میں موجود ہے۔

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا
نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار

(قاسم نانوتوی)

یادگار قائم کرنا اگر شرک ہے تو سارا حج ہی شرک بن جائے گا کہیں حضرت ابراہیم کی یادگاریں، کہیں حضرت ہاجرہ و اسماعیل کی، پانچ وقت کی نمازیں مختلف نبیوں کی یادگاریں ہیں، پیر کے دن کا روزہ ہمارے آقا علیہ السلام کی یادگار ہے۔

اور جہاں تک قبر پہ جھاڑو دینے کی بات ہے تو خدا جانے یہ کام اللہ نے اپنے لئے کہاں خاص فرمایا ہے نہ خدا کی کوئی قبر نہ اللہ خود کسی کی قبر پہ جھاڑو دے اور اگر جھاڑو دینا بندگی کی علامت ہوتا تو ایسے ہر توحید پرست کے پاس کم از کم بسترے، چینک اور لوٹے و مسواک کی طرح ایک ایک جھاڑو بھی تو ہر وقت ضرور ہوتا۔ دراصل بات یہ ہے کہ خدا جب دین لیتا ہے حماقت آ ہی جاتی ہے

دن مقرر کرنے کو بھی شرک کہہ دیا جاتا ہے حالانکہ قاعدہ کلیہ ہے ما لم یتعین لم یوجد۔ جب تک کوئی شئی متعین نہیں ہوگی پائی ہی نہیں جائے گی اور پھر اپنا ہر کام تو متعین شادی بیاہ، جلسہ جلوس کی تاریخین متعین مدرسوں کے امتحانات اور چھٹیوں کی تاریخیں متعین۔ کیا یہ سب شرک ہے؟ ہے سوچنے کی بات اسے بار بار سوچ

وایاك نستعين کی تفسیر:

تفسیر عزیزی کے مطابق اس جملہ کا تعلق پہلے حصے کے ساتھ یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ میں پہلا مضمون اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کا تھا دوسرا عنوان اظہار بندگی (ایاک نعبد) تھا اور اب تیسرا عنوان دعا مانگنا اس جملہ میں بیان ہو رہا ہے مگر دعا، عبادت کے وسیلے سے مانگی جارہی ہے، اسی لئے مصائب کے وقت صدقہ وخیرات اور نوافل کی ادائیگی ہوتی ہے کہ یہ اعمال قبولیت دعا کا ذریعہ ہیں جب اعمال صالحہ، صدقہ وخیرات کے ذریعے دعا قبول ہوتی ہے تو خیر الرسل، امام الانبیاء کا وسیلہ کتنا بابرکت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ میں بندوں کو اپنی بارگاہ سے مانگنے کا طریقہ بتایا ہے کہ جس طرح دنیا میں بھکاری بادشاہوں کی تعریف کر کے اپنی وفاداری کا اظہار کر کے کچھ مانگتے ہیں تو ضرور مل جاتا ہے اسی طرح ملك يوم الدين تک اللہ تعالیٰ کی تعریف کر کے، ایاك نعبد سے بندہ، اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنی وفاداری کا اظہار کرتا ہوا ایاك نستعين سے مانگنے کا آغاز کرتا ہے۔ مزید یہ کہ اے اللہ ہماری عبادت میں کمی کو دور کر دے جس طرح ہم نے عبادت کی ظاہری شرائط (وضو، طہارت وغیرہ) پوری کر دی ہیں اس کی ہمارے پاس ہمت تھی باطنی شرائط (خشوع وخضوع وغیرہ) پر ہماری مدد فرما کیونکہ وہ ہمارے بس میں نہیں بلکہ تیری مدد اور تیرے کرم سے ان کا حصول ممکن ہے۔ ہماری عبادت تیری بارگاہ میں تیرے کرم کے سہارے ہی مقبول ہوسکتی ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ سب کیا دھرا برباد ہو جائے، ہماری عبادت کو شیطانی حملوں (ریاکاری وغیرہ) سے محفوظ رکھ کر اپنی بارگاہ میں مقبول بنالے۔

نستعین۔ استعانت سے جمع متکلم کا صیغہ ہے اور استعانت عون سے ہے جس کا معنیٰ ہے کسی کام پر کسی کی مدد کرنا تو ایاک نستعین کا معنیٰ یہ ہوگا۔ اے ہمارے پروردگار! ہم اپنی عبادات، طاعات اور تمام معاملات میں صرف تجھی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ کیونکہ کفار اپنے معبودان باطلہ سے مدد طلب کرتے تھے۔ اور ہم ایسا نہیں کرتے بلکہ

اپنے تمام امور میں تجھی کو مددگار سمجھتے ہیں۔

چونکہ واؤ مطلقاً جمع کیلئے ہے نہ کہ ترتیب کیلئے اس لیے عبادت کو استعانت سے پہلے ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ یہ اعتراض کیا جائے کہ جب عبادت بھی اللہ کی مدد کے بغیر نہیں کی جاسکتی (کیونکہ یہ ایک اہم امر ہے اور تمام امور میں اللہ سے مدد مانگی جارہی ہے) لیکن چونکہ وسیلہ مقصود سے پہلے ہوتا ہے لہٰذا عبادت جو قبولیت دعا کا وسیلہ ہے اس کو مقدم رکھا گیا۔ اور تاکہ تمام آیات کا آخر ایک ہی طرح کا ہو جائے۔ جس کو رعایت سجع کہا جاتا ہے۔ (العٰلمین، یوم الدین، نستعین)

انبیاء و اولیاء کی مدد اللہ ہی کی مدد ہے:

اس دور کا بڑا معرکہ الآراء مسئلہ یہ ہے کہ جب عبادت صرف اللہ ہی کی ہوسکتی ہے تو مدد بھی صرف اللہ ہی سے مانگی جائے، جس طرح اللہ کے علاوہ کسی نبی ولی کی عبادت شرک ہے اسی طرح اللہ کے علاوہ کسی نبی ولی سے مدد طلب کرنا بھی شرک ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے اذا استعنت فاستعن باللّٰہ (ترمذی صفحہ 321 عن ابن عباس) جب تو مدد طلب کرے تو اللہ ہی سے طلب کر۔ اس کے مطابق تو نبیوں ولیوں کی بات بعد میں کریں گے پہلے انہی مفتیاں کرام سے پوچھ لیا جائے کہ بیماری میں حکیم کی، پریشانی میں پولیس کی، مقدمات میں وکلاء، حکام اور ججز کی، دیگر معاملات میں خاندان قبیلے اور احباب کی، صدام حسین کے خلاف امریکہ کی مدد بھی کیا اسی زمرے میں آتی ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر ذرا بتاؤ تو اے عقل کے اندھو!

حاکم حکیم دادو دوا دیں، یہ کچھ نہ دیں
مردود! یہ مراد کس آیت، خبر کی ہے

اس موضوع پہ میری کتاب "توحید و شرک کا معنی و مفہوم" جواب حال ہی میں "مسئلہ توحید و شرک پر دو تحقیقی مقالے" (انوارِ باہو لائبریری، اندرون بھاٹی گیٹ، لاہور) اور "مسئلہ توحید و شرک" (اکبر بک سیلرز، زبیدہ سنٹر، اردو بازار، لاہور) کے

نام سے چھپ چکی ہے اس کا مطالعہ بہت ضروری ہے یہاں اختصار کے ساتھ اس الجھن کا حل پیش کرنا مقصود ہے۔

جس طرح آپ الحمد للہ کی تفسیر میں سُن چکے ہیں کہ جب تمام تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں تو مخلوق کی تعریف کیوں کی جاتی ہے (چاہے وہ نبی ولی، علماء مشائخ ہوں یا مدارس مساجد و دیگر اشیاء ہوں) تو اس کا جواب یہ تھا کہ اللہ کی تعریف ایک بلا واسطہ ہے ایک بالواسطہ۔ جس طرح بلڈنگ کی تعریف بالواسطہ بنانے والے ہی کی تعریف ہے اسی طرح مخلوق کی تعریف بالواسطہ خالق ہی کی تعریف ہے۔ اسی طرح اللہ کے پیاروں کی مدد بھی ان کے واسطے سے خدا ہی کی مدد ہے۔ قرآن پاک میں حضور علیہ السلام کی اطاعت بیعت، رضا، کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بیعت، اطاعت اور رضا قرار دیا ہے۔ من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ۔ ان الذین یبایعونك انما یبایعون اللّٰہ وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ۔ و اللّٰہ ورسولہ احق ان یرضوہ) اور اگر مدد کا معاملہ عبادت والا ہی ہوتو جا بجا قرآن میں کبھی صبر وصلوۃ سے مدد (استعینوا بالصبرو الصلوۃ) کبھی اپنے دین کی مدد (ان تنصروا اللّٰہ ینصر کم) کبھی لوگوں سے مدد (اعینونی بقوۃ) کبھی عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں سے مدد (من انصاری الی اللّٰہ) کبھی نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد (وتعاونوا علی البر و التقویٰ) کبھی نبیوں اور رسولوں کو حکم دے کر اپنے محبوب علیہ السلام کی مدد (ولتنصرنہ) اگر یہ شرک ہوتا تو اس کا حکم نہ دیا جاتا۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ اپنے مدارس کیلئے اگر غیر مسلموں کی طرف سے بھی مدد آئے تو جائز ہے اور اپنے ایمان کے دفاع کیلئے رسول خدا کی اور محبوبان بارگاہ خدا کی مدد کو شرک کہا جائے۔

تیری اٹکے تو وکیلوں سے کرے استمداد
یا محمد سے بگڑتی ہے طبیعت تیری

ہر انسان مہد سے لحد تک دوسروں کی مدد کا محتاج ہے پیدا ہوتے ہی دائی کی مدد کا محتاج، ماں باپ پیر استاذ سے پرورش و تعلیم ملے، رشتہ داروں کی مدد سے دنیا کا نظام چلے موت کے وقت کفن دفن کیلئے اہل اسلام کی مدد درکار ہے ورنہ نظام زندگی سارا کا سارا بے کار ہے خدا کی مدد حقیقی ہے اور مخلوق خدا کی مدد مجازی اور بالواسطہ خدا ہی کی مدد ہے۔

مُردوں سے مدد مانگنا:

یہ مسئلہ بھی بہت تفصیل مانگتا ہے اس کو بھی اختصار سے عرض کر دیتا ہوں۔ اس سلسلہ میں یہ بات ذہن میں رہے کہ مدد دو طرح کی ہوتی ہے جسمانی اور روحانی۔ کسی سے روٹی پانی وغیرہ مانگنا جسم کی مدد ہے اور کسی سے قرب حق، جنت، اخروی کامیابی طلب کرنا روحانی مدد ہے، موت سے بعض لوگوں کا صرف جسم بیکار ہوتا ہے روح کی طاقت ان کی اور بھی بڑھ جاتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ دفن ہونے کے بعد مردہ قبر باہر والوں کے جوتوں کی آہٹ کو بھی سُنتا ہے حالانکہ ہو سکتا ہے جس نے خود جوتا پہنا ہو وہ اپنے ہی جوتے کی آہٹ نہ سُن سکتا ہو۔ ہم سارا جہاں مل کر ایک نماز کا ایک سجدہ معاف نہ کرا سکیں مگر موسیٰ علیہ السلام اپنی وفات کے تین ہزار سال بعد ہمارے لئے پنتالیس نمازوں کو معاف کروانے کی مدد فرما چکے ہیں۔ قرآن پاک کی سورۂ بقرہ میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کی برکات سے بنی اسرائیل کی جالوت جیسے ظالم بادشاہ پر مدد فرمائی گئی۔ حضور علیہ السلام کے لباس مبارک سے آپ کی وفات کے بعد صحابہ کرام اپنی بیماریوں سے نجات کی مدد حاصل کرتے تھے۔ قرآن پاک میں ہے کہ بنی اسرائیل حضور علیہ السلام کی تشریف آوری سے بھی پہلے اپنے دشمنوں پر حضور علیہ السلام کے وسیلے سے فتح حاصل کرنے کی مدد لیتے تھے (وکانوا یستفتحون علی الذین کفروا) . تو جب ہمارے آقا علیہ السلام کا نام پہلوں کے کام آسکتا ہے تو محبوب خدا پچھلوں کی مدد کیوں نہیں کر سکتے۔ اس آیت کی تفسیر میں شبیر احمد عثمانی صاحب لکھتے ہیں۔

اس کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی ناجائز ہے ہاں اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطۂ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت اللہ ہی سے استعانت ہے۔

بلکہ خود اشرف علی تھانوی صاحب نے رشید احمد گنگوہی سے روحانی مدد طلب کرتے ہوئے یہ شعر کہا۔

یا سیدی للّٰہ شیئا انہ
انتم لی المجدی و انی جاد

(تذکرۃ الرشید صفحہ 144,155)

اے میرے آقا (گنگوہی) خدارا مجھے کچھ دیجئے (اگر آپ کے پاس کچھ ہے) آپ میرے داتا ہیں اور میں آپ کے در کا سوالی ہوں۔ (اسی لئے ہی تو ہاتھ خالی ہوں)

اسی طرح کا عقیدہ ہدیۃ المہدی میں غیر مقلد عالم وحید الزمان صاحب نے بیان کیا ہے جس کی تفصیل میں نے ''مسئلہ توحید پہ دو تحقیقی مقالے'' میں لکھ دی ہے۔

- حدیث شریف میں ہے کہ حضرت عمر کے دور میں ایک بار قحط پڑا تو ایک شخص (حضرت بلال بن حارث مزنی) حضور علیہ السلام کے مزار پر انوار پہ حاضر ہوا اور امت پر بارش کے نزول کی دعا کرنے کی اپنے آقا علیہ السلام کی بارگاہ میں درخواست پیش کی۔ حضور علیہ السلام نے خواب میں تشریف لا کر فرمایا عمر کے پاس جاؤ ان کو میرا سلام دو اور خوشخبری سنا دو کہ یقیناً بارش ہوگی (چنانچہ ہوگئی)

(المصنف لابن ابی شیبہ جلد 12 صفحہ 32 عن مالک الدار، حافظ ابن کثیر نے بھی اس حدیث کی تصحیح فرمائی ہے۔ البدایہ والنہایہ جلد 7 صفحہ 92)

کرم کرتے نہیں تجھ کو بار
ہو مایوس کیوں تجھ سے امیدوار

امام ابن عبد البر نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حالات میں یہ روایت درج کی

ہے کہ جب اس شخص کو رسول کریم ﷺ خواب میں ملے تو فرمایا:

ائت عمر فمره ان یستقی للناس فانهم یستقون۔

''عمر کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ وہ لوگوں کیلئے بارش طلب کرے تو یقیناً ان پر بارش ہوگی''۔ (الاستیعاب جلد دوم، صفحہ 64 مطبوعہ بیروت)

امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ابن ابی شیبہ نے یہ حدیث نقل کی ہے اور اس کی سند صحیح ہے اور جس شخص نے قبر رسول ﷺ پر استغاثہ کیا تھا وہ صحابی رسول حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ تھے۔ (فتح الباری جلد 2 صفحہ 496)

- امام ابن کثیر نے عتبی کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک اعرابی رسول کریم ﷺ کی قبر انور پر حاضر ہوا اور کہنے لگا: یارسول اللہ! آپ پر سلام ہو، اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد میں نے سنا ہے۔

ولو انهم اذظلموا انفسهم جآء وك۔

''جب لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرلیں تو آپ کے پاس آجائیں''۔ (نسآء 64)

اور میں آپ کے پاس اپنے گناہوں کی بخشش کیلئے آیا ہوں تا کہ آپ میری سفارش فرمائیں پھر اس نے چند اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ میری جان اس قبر رسول پر قربان ہو اس قبر میں ہمارے لئے حفاظت ہے اور جود و کرم ہے۔

(تفسیر ابن کثیر جلد اول، صفحہ 532 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

ان احادیث صحیحہ کی روشنی میں ہم یہ سمجھنے پہ مجبور ہیں کہ جو لوگ بزرگانِ دین اور اولیاء اللہ (جو صحیح اولیاء اللہ ہیں) کے مزارات پہ جا کر ان سے دعا کرانے کو کفر و شرک اور ''و ایاك نستعین ؕ'' کے خلاف قرار دیتے ہیں وہ دین میں غلو کر رہے ہیں وہ ''و ایاك نستعین ؕ'' کا مفہوم سمجھے ہی نہیں اور ان کا یہ فتوائے شرک و کفر صحابہ کرام سمیت ساری امت محمدیہ کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے۔

یہ بھی شرک نہیں:

یونہی اگر کوئی مسلمان یوں دعا کرتا ہے یارسول اللہ! یا حبیب اللہ! میں مشکل میں ہوں آپ میری مشکل کیلئے اللہ کے حضور سفارش فرمائیں تا کہ وہ اپنی رحمت سے میری مصیبت دور فرمادے، تو کچھ لوگ اسے بھی شکر قرار دیتے ہیں اور دلیل میں یہی ''و ایاك نستعین ؕ'' پڑھتے ہیں۔ یہ بھی دین میں غلو اور اہل اسلام کے عقائد خراب کرنے کی سازش ہے۔ پچھلے درس میں حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ والی حدیث گزری ہے جس کے مطابق صحابہ کرام وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی اس طرح دعا مانگتے تھے یا محمد! صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کے وسیلے سے اللہ سے مانگتے ہیں تا کہ وہ ہماری حاجت روائی فرمادے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر وصال نبوی کے بعد سب سے بڑا مصیبت ومشکل وقت جنگ یمامہ میں مسیلمہ کذاب سے لڑائی میں آیا تھا قریباً بارہ سو صحابہ کرام جن میں بڑی تعداد حفاظ وقراءِ قرآن کی تھی شہید ہو گئے حتیٰ کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ڈر ہوا کہ قرآن کریم کے حفاظ یوں ختم ہو گئے تو قرآن کیسے محفوظ اور آگے منتقل ہو گا؟ اس مصیبت ومشکل کے وقت میں جنگ یمامہ میں صحابہ کرامؓ ''یا محمداہ! یا محمداہ!'' کا نعرہ لگاتے تھے۔

(دیکھئے البدایہ والنہایہ جلد ششم صفحہ 329 مطبوعہ دار البیان مصر۔ تاریخ طبری جلد دوم صفحہ 281 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

چنانچہ مولا کریم نے انہیں فتح عطا فرمادی۔ گویا صحابہ کرام کی فریاد پر روح محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ و السلام) نے رب العزۃ کی بارگاہ میں استغاثہ کیا کہ مولا میری امت کی مدد فرما تو اللہ نے مدد فرمادی۔ (تفسیر بینات القرآن)

جو لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یا رسول اللہ کہہ کر پکارنا شرک قرار دیتے ہیں کیا وہ صحابہ کرام پر بھی شرک کا فتویٰ لگائیں گے؟ ہم تو کہتے ہیں یہ فتویٰ لگانے والے اللہ کی قدرت پر اعتراض کرتے ہیں اللہ چاہے تو وہ اپنے مقبول بندوں انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام علیہم رحمۃ الرحمٰن کو دور ونزدیک کی باتیں سنا سکتا ہے جس طرح کہ سلیمان

علیہ السلام نے دور سے چیونٹی کی آواز سن لی۔ (النمل)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مدینہ شریف میں کھڑے ہو کر نہاوند کے علاقے میں لڑنے والے لشکر کو آواز پہنچادی۔ (مشکوۃ)

قرآن پاک میں ہے اہل جنت اہل دوزخ کو اور یہ ان کو بلائیں گے دونوں ایک دوسرے کی آواز سنیں گے اور جواب دیں گے (حالانکہ دونوں میں سات آسمانوں سے بھی زیادہ فاصلہ ہوگا۔ کہاں دوزخ اسفل اسافلین میں، سات زمینوں سے نیچے اور کہاں جنت عند المنتھٰی عند ھا جنت الماویٰ) (دیکھئے سورۂ اعراف آیت:44)

جب آخرت میں کافروں کے اندر بھی اتنی طاقت آجائے گی تو اگر دنیا میں محبوبان خدا کے لئے مان لی جائے تو کونسا شرک لازم آجاتا ہے اور پھر بلا دلیل نہیں مانی جارہی بلکہ قرآن وسنت کے سینکڑوں دلائل کے ساتھ، جن میں سے ایک دلیل وہ حدیث قدسی ہے جو صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

لا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببته فکنت سمعه الذی یسمع به و بصره الذی یبصر به ویده التی یبطش بها و رجله الذی یمشی بهاولئن سألنی لا عطینه۔ (بخاری جلد 2 صفحہ 963)

"میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرے اتنا قریب ہوجاتا ہے کہ میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں پھر میں اس کے کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا، دیکھتا، چھوتا اور چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے (اپنے لئے یا کسی کیلئے کچھ) مانگے تو میں ضرور ضرور اس کو عطا فرماتا ہوں"۔

ایک حدیث میں ہے رب اشعث اغبر مدفوع بالابواب لو اقسم علی اللہ لا برہ۔ کئی بکھرے بالوں والے، گرد آلود، دروازوں سے ہٹائے گئے (اللہ کے ہاں اس مقام کے حامل ہوتے ہیں کہ) اگر کسی بات کی قسم اٹھالیں تو اللہ تعالیٰ ویسا ہی کر دیتا ہے۔ (بخاری جلد 1 صفحہ 372 ملخصا) کیونکہ جو خدا کا حکم ہوتا ہے وہ بجالاتے ہیں پھر یہ

کیسے ہوسکتا ہے کہ کبھی اللہ سے عرض کریں تو قبول نہ ہو۔(هل جزاء الاحسان الا الاحسان)

تصرفات کی بحث:

اگر کسی کے ذہن میں سوال پیدا ہو کہ جب مرنے کے بعد اسباب و وسائل تعاون ختم ہو جاتے ہیں اور زندگی میں بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا بلکہ وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

تو پھر انبیاء و اولیاء کے تصرفات اور مشکل کشائی کی قوت یا کسی کو روحانی اور جسمانی فائدہ پہنچانا بظاہر غیر ممکن ومحال سا معلوم ہوتا ہے تو اس کی تسلی وتشفی کیلئے۔

تصرف کی حقیقت اور اس کا تاثر شرعی نقطہ نظر سے بیان کر دیا جاتا ہے تا کہ مسئلہ زیر بحث کی تکمیل ہو جائے۔تصرف کا معنی یہ ہے کہ کسی کام کو کسی وجہ سے سرانجام دیا جائے اور یہ عقلی اور شرعی طور پر جائز ہے کیونکہ اس کا مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ طاقت سے کسی کام کی تکمیل کرنا اور یہ امر بلا قباحت جائز ہے۔

اس سلسلہ میں قرآن مجید کی ایک آیت اور چند دیگر حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

تصرفات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پاک:

دیکھئے قرآن مجید میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان اقدس میں یوں وارد ہوا ہے۔

الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجد و نه مکتوبا عند هم فی التوراة والا نجیل یا مرهم بالمعروف و ینهٰهم عن المُنکرو یحل لهم الطیبٰت و یحرم علیهم الخبٰئث و یضع عنهم اصرهم و الا غلال التی کانت علیهم۔ (الی آخرہ-الاعراف:157)

''وہ لوگ کہ پیروی کریں گے اس بھیجے ہوئے غیب کی باتیں بتانے والے اُمی (نبی) کی جسے لکھا پائیں گے اپنے پاس تورات اور انجیل میں،

وہ انہیں حکم دے گا بھلائی کا اور روکے گا برائی سے اور حلال کرے گا ان کیلئے ستھری چیزیں اور حرام کرے گا ان پر گندی چیزیں اور اتارے گا ان سے ان کا بھاری بوجھ اور سخت تکلیفوں کے بھاری طوق جو ان پر تھے تو جو اس پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم بجالائیں اور اس کی مدد کریں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا وہ بامراد ہوئے''۔

اس آیۂ مبارکہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو تصرف امور شرعیہ میں عطا ہوا ہے اس کا بیان ہے کہ آپ امر بالمعروف و نھی عن المنکر۔ ستھری چیزوں کے حلال کرنے والے اور گندی چیزوں کو حرام کرنے والے اور ناقابل برداشت بوجھ اتارنے والے سخت تکلیف کے طوق دور کرنے والے ہیں...... اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام و دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرف امور شرعیہ میں تصرف کرنیوالے اور ان کو اپنی طرف منسوب کرنے والے مذکور ہے بلکہ ملائکہ کرام کی طرف یہ تصرفات بھی منسوب ہیں جیسا کہ

لاھب لك غلا ما ز کیاط

میں تجھے ستھرا بچہ دوں، یہ جبرائیل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کو کہا تھا۔ اسی طرح قابض الارواح نازعات ارواح مدبرات امور و دیگر امور تکوینیہ میں ان کو متصرف اور کرنے والے بتایا ہے۔

تصرفات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور حدیث پاک:

ناظرین! قرآن مجید میں امور تکوینیہ و شرعیہ کو مجازی طور پر غیر کی طرف منسوب کرنا کس قدر صاف اور واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔ صحیح مسلم اور ابوداؤد میں حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا کرتا تھا کہ ایک رات آپ نے جب کہ میں نے وضو کیلئے پانی اور دیگر ضروریات بہم پہنچائیں تو آپ نے فرمایا: سَل۔ یعنی مانگ کیا مانگتا ہے جس پر میں نے عرض کیا کہ مجھے جنت میں آپ کی رفاقت عطا ہو فرمایا بھلا اور کچھ عرض کی بس! مراد تو یہی ہے۔ فرمایا میری

اعانت کرا اپنے نفس پر کثرت سجود سے، اس میں آپ نے بلا تقیید و تخصیص کے فرمایا کہ مانگ کیا مانگتا ہے۔ چنانچہ مولانا شیخ عبدالحق محدث رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کے نیچے فرماتے ہیں:

''از اطلاق سوال کہ فرمود سل بخواہ، تخصیص نکرد بمطلوبے خاص معلوم میشود کہ کار ہمہ بدست ہمت و کرامت اوست، واو صلی اللہ علیہ وسلم ہر چہ خواہد ہر کرا خواہد باذن پروردگار خود دہد''۔

''آپ فرماتے ہیں کہ سوال کے اطلاق سے پتہ چلا جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا مانگ کیا مانگتا ہے کسی خاص مطلوب کو معین نہیں فرمایا: معلوم ہوتا ہے کہ تمام کام آپ کی ہمت اور ہمت اور قدرت کے ماتحت کئے گئے ہیں کہ آپ جو چاہیں اپنے جس کو چاہیں اپنے مولا کریم کی اجازت سے عطا فرمائیں''۔

اسی حدیث کے تحت علامہ علی القاری الحنفی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

یوخذ عن اطلاقہ صلی اللہ علیہ وسلم الامر بالسوال ان اللہ مکنہ من اعطاء کل ما اراد من خزائن الحق''۔

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مطلقاً کسی چیز کے مانگنے کا حکم دیا ہے اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قدرت بخشی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں سے جس کو چاہیں جو چاہیں دیں''۔

علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے اس قصیدہ بردہ میں جو کہ انہوں نے حضور علیہ السلام کو خواب میں روبرو سنایا اور آپ نے اس کی انتہائی تحسین فرمائی۔ آپ کی شان میں فرماتے ہیں:

و ان من جودك الدنیا و ضرتها ومن علومك علم اللوح و القلم

''دنیا و آخرت آپ کی بخشش کا نتیجہ ہے اور لوح و قلم کا علم آپ کے علم بے پایاں کا ایک قطرہ ہے''۔

❁ مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ صفحہ 9 میں ہے:

عن العرباض بن سارية قال قام رسول الله ﷺ فقال ايحسب احد كم متكئاً على اريكته يظن ان الله لم يحرم شيئاً الاماني هٰذا القرآن الاواني و اللّٰه قد امرت و وعظت ونهيت عن اشياء انها لمثل القرآن او اكثر......

اور دوسری حدیثوں میں یوں آیا ہے:

و انما ما حرم رسول اللّٰه كما حرم اللّٰه۔ (ابوداؤ، ابن ماجہ، دارمی)

''عرباض بن ساریہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک روز ارشاد فرمایا کہ کیا کوئی تمہارا اپنی مسند پر تکیہ لگا کر بیٹھے ہوئے یہ خیال کرتا ہے کہ شریعت میں وہی چیزیں حرام ہیں جن کی حرمت قرآن پاک نے بیان کی اور بس خبردار بخدا میں نے اتنی چیزوں کے کرنے کا حکم دیا ہے اور اتنی اشیاء سے منع کیا ہے غالباً وہ قرآن کی حلال اور حرام کردہ کے برابر یا زیادہ ہوں گی۔ اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ میری حلال وحرام کردہ چیزیں ایسی ہی ہیں جیسا کہ قرآن کی حلال وحرام کردہ''۔

اور تیسری حدیث میں اس کو سختی سے بیان فرمایا:

❁ لا الفين احد كم متكنا علىٰ اريكته يا تيه الامر من امر مما امرت به اونهيت عنه فيقول لا ادري ما وجد نا في كتاب الله اتبعناه۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، دلائل النبوۃ)

دیکھئے آپ نے شرعی تصرف سے انکار کرنے والے کو کس قدر ڈانٹا ہے اور یہ کہ آپ کے امرو نہی کی حیثیت قرآن کی سی ہے اور اس کا ماننا عقلاً شرعاً نہایت ضروری ہے۔ آپ کے امرو نہی کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہے بلکہ اس سے مراد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی سے جو میں نے امرو نہی کیا ہے جیسا کہ وما

ینطق عن الھوی کا بدیہی تقاضا ہے۔

- امام احمد وابوبکر بن ابی شیبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اُعطیتُ مالم یعط احد من الانبیاء قبلی نصرتُ بالرعب و اعطیت مفاتیح الارض۔ (الحدیث)

''مجھے وہ عطا ہوا جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہ ہوا۔ رعب سے میری مدد کی گئی کہ مہینہ بھر کی راہ پر دشمن میرا نام پاک سن کر کانپنے لگتا ہے اور مجھے ساری زمین کی کنجیاں عطا ہوئیں۔ یعنی بالآخر میری امت زمین پر قابض ہو جائے گی''۔

- امام احمد اپنی مسند میں، ابن حبان اپنی صحیح میں، ابونعیم اپنی دلائل النبوۃ میں حضرت جابر بن عبداللہ سے راوی ہیں:

اوتیت بمقالید الدنیا علی فرس ابلق جائنی به جبرائیل علیه قطیفة من سندس۔

''حضرت جبرئیل علیہ السلام ابلق گھوڑے پر بہترین ریشمی لباس زیب تن کئے ہوئے دنیا (بھر کے خزانوں) کی کنجیاں لے کر میری خدمت میں حاضر ہوئے''۔

یہاں پر بھی تصرف مراد ہے۔

- ابن عبدربہ کتاب بہجۃ المحاسن میں راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

من عرفنی فقد عرفنی ومن لم یعرفنی فانا رضوان خازن الجنان ان اللّٰہ امرنی ان ادفع مفاتیح الجنة الیٰ محمد و ان محمدا مرنی ان ادفعھا الی ابی بکر ھاہ اشھدو اھاہ اشھدوا الخ

''جس نے مجھے جانا اس نے جانا اور جس نے نہ جانا تو میں رضوان داروغہ

جنت ہوں مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ جنت کی کنجیاں محمد ﷺ کو دے دوں اور محمد ﷺ کا حکم ہے کہ کنجیاں ابو بکر کو سپرد کر دوں ہاں ہاں گواہ ہو جاؤ ہاں ہاں گواہ ہو جاؤ''۔

حضور علیہ السلام کے اختیارات:

مواہب لدنیہ میں امام احمد قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

من خصائصہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کان یخص من یشاء بما یشاء مِن الاحکام۔

''سید عالم ﷺ کے خصائص کریمہ سے یہ ہے کہ حضور علیہ السلام شریعت مطہرہ کے عام احکام سے جسے چاہیں جس حکم سے چاہیں مستثنیٰ فرما دیں''۔

- اسی طرح خصائص کبریٰ میں امام جلیل حضرت جلال الدین سیوطی نے فرمایا ہے اور مشکوٰۃ میں بھی اسی طرح ہے۔ کہ ایک صحابی کو جس نے ماہ رمضان میں بحالت روزہ اپنی بیوی سے مجامعت کا ارتکاب کر لیا تھا اس کو آپ نے کفارہ سے معافی دے دی اور دو من 10 سیر کھجوریں بطور انعام مرحمت فرمائیں۔

حضرت خزیمہ کی شہادت دو مردوں کے برابر کر دی۔ حضرت اسماء بنت عمیس کیلئے ان کے خاوند کے شہید ہونے پر صرف تین روز سوگ جائز قرار دے دیا۔ پھر نکاح کی رخصت عنایت فرما دی۔

ابو بردہ بن نیار کیلئے ششماہہ بکری کا بچہ قربانی کیلئے جائز فرما دیا۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف، اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما کیلئے خارش کے دفعیہ کیلئے ریشمی کپڑے پہننے کی اجازت دے دی۔ اپنی مسجد میں اپنے اور حضرت علی و حسنین اور فاطمہ خاتون جنت کیلئے جنابت کی حالت میں آنا و جانا حلال کر دیا...... سراقہ بن مالک کو سونے کے کنگن پہننے کی پیشگوئی فرما دی جو کہ عہد فاروق رضی اللہ عنہ میں پوری کر دی گئی...... قصیدہ بردہ شریف میں ہے:

نبینا الآمر الناھی فلا احد ابر فی قول لا منہ ولا نعم

علامہ خفاجی رحمۃ اللہ علیہ شرح شفا شریف نسیم الریاض میں اس شعر کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبینا الآمر انه لا حاکم سواہ صلی اللہ علیہ وسلم فھو حاکم غیر محکوم۔

''یعنی حضور علیہ السلام کے سوا اور کوئی حاکم نہیں پس وہ محکوم نہیں بلکہ محض حاکم ہیں......''

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت عثمان سے دس ہزار اشرفی پر جنتی مکان فروخت کر دیا اور ضمانت خود لے لی......اسی طرح آپ (رضی اللہ عنہ) نے ایک چشمہ بیر رومہ پینتیس ہزار روپیہ سے خرید کر حضور علیہ السلام سے ایک جنتی چشمہ کے بدلہ فروخت کیا اور آپ نے بیچ اس کی بھی ذمہ داری لے لی۔ (ماخوذ از الامن والعلاء)

بے خبر ہو جو غلاموں سے وہ آقا کیا ہے:

امام علامہ جلال الدین سیوطی اپنی کتاب انتباہ الاذکیاء فی حیات الانبیاء میں فرماتے ہیں:

النظر فی اعمال امته و الاستغفار لھم من السیئات و الدعاء بکشف البلاء عنھم و التردد فی اقطار الارض لحصول البرکت فیھا و حضور جنازۃ من مات من صالحی امته فان ھذہ الامور من اشغاله کما ورد بذالك الاحادیث و الاثار۔

یعنی یہ احادیث اور آثار سے ثابت ہے کہ آپ اعمال امت میں نظر فرماتے ہیں۔ ان کے گناہوں کو معاف کرانے اور بلاؤں کو دور کرانے کیلئے حدود زمین میں افادہ برکت کیلئے طواف فرماتے ہیں اور جب امت سے کوئی نیک آدمی فوت ہو جائے تو اس کے جنازہ میں شریک ہوتے ہیں اور عالم برزخ میں آپ کے اسی طرح کے اشغال ہیں جیسا کہ احادیث اور آثار میں مذکور ہے۔

تفسیر روح البیان سورہ ملک کے آخر میں لکھا ہے:

قال الامام الغزالی و الرسول صلی اللہ علیہ وسلم له الخیار فی طواف العالم مع

ارواح الصحابة رضی اللہ عنہم لقد راہ کثیر من الاولیاء۔

"امام غزالی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ تمام عالم میں مع ارواح صحابہ کے سیر کریں اور بہت سے اولیاء کرام نے حضور علیہ السلام کو (سیر کرتے ہوئے) بیداری میں دیکھا ہے"۔

تصرفاتِ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم اپنوں اور بیگانوں کی نظر میں:

- حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تفسیر عزیزی میں آیت ایاك نستعین کے تحت لکھتے ہیں:

"غیر اللہ سے مدد مانگنا اس طریق پر جس میں غیر پر کلی اعتماد کیا جائے اور مظہر عون الہٰی سمجھ کر خدا کے کارخانہ اسباب و حکمت پہ خیال کر کے استمداد کرے تو یہ عرفان سے بعید نہیں اور شرع شریف میں اس قسم کی مدد طلب کرنا جائز اور روا ہے۔ اور انبیاء و اولیاء نے بھی اس قسم کی مدد (غیر اللہ) کی ہے حقیقت میں یہ استعانت بالغیر نہیں بلکہ استعانت باللہ ہے"۔

صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی سے مدد چاہنا کہ آپ ہماری مشکل کشائی بلحاظِ عالم اسباب خود فرمائیں یا ہمارے لئے دعا کریں سفارش کریں یہ امر قطعاً جائز ہے اور یہ استعانت بالغیر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی سے مدد چاہنا ہے۔

- مدارج شریف میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں لکھتے ہیں:

"واز اں جملہ آنست کہ دادہ شد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را مفاتیح خزائن رزق وسپردہ شد بوے۔ مراد از خزئن اجناس عالم است کہ رزق ہمہ بوے داد مفاتیح خزائن رزق وقسمت آن در دست ایں سید کریم نہادند۔ قوله صلى الله عليه وسلم انما انا قاسم و المعطي هو الله"۔

"دینے والا اللہ ہے میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں...... یعنی آپ کی

خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ اجناس عالم کے رزق کے خزانوں کی کنجیاں اوراس کی تقسیم آنحضرت ﷺ کے ہاتھ میں دے دی گئی''۔

امام محقق ابن حجر مکی اپنی کتاب الجوہرالمنظم میں تحریر فرماتے ہیں:

انہ صلی اللہ علیہ وسلم خلیفۃ اللہ الاعظم الذی جعل خزائن کرمہ وموائد نعمہ طوع یدیہ وتحت ارادتہ یعطی منہا من یشاء و یمنع من یشاء۔

''بلاشبہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے وہ خلیفہ اعظم ہیں کہ اللہ نے اپنے جودوکرم کے تمام خزانے اوراپنی نعمتوں کے تمام دسترخوان آپ کے زیرِ حکم واختیار کردیئے ہیں جو چاہیں جس کو چاہیں دیں اور جو چاہیں جس کو چاہیں منع کردیں''۔

مولوی اسمٰعیل دہلوی نے بھی پہلے یہی عقیدہ اپنی کتاب صراط مستقیم صفحہ 101 پہ لکھاہے کہ:

''ہمچنیں اصحاب ایں مراتب عالیہ وارباب ایں مناصب رفیعہ ماذون مطلق درتصرف عالم مثال وشہادت می باشد وایں کبار اولی الایدی و الابصار رامیرسد کہ تمامی کلیات رابسوئے خودنسبت نمایند مثلاً ایشانرا میرسد کہ بگویند ازعرش تافرش سلطنت ماست''۔

''اسی طرح مراتب علیہ ومناصب رفیعہ کے ارباب واصحاب عالم مثل و شہادت میں ماذون مطلق ہوتے ہیں اوران کوحق پہنچتاہے کہ تمام کلیات کواپنی طرف منسوب کریں مثلاً یہ کہیں کہ عرش سے فرش تک ہماری حکومت ہے''۔

قرآن وسنت کی روشنی میں:

آیۃ کریمہ لولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض کے تحت علماء محققین نے بہت

سی روایات نقل کی ہیں جن میں سے ایک نقل کی جاتی ہے:

عن عباد ابن الصامت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الابدال فی امتی ثلثون رجلاً بھم تقوم الارض و بھم تمطرون و بھم ینصرون ثم قال عبادة رضی اللہ عنہ انی ارجوا یکون الحسن منھم۔

"حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ میری امت میں تیس ابدال ہیں انہی کے سبب سے زمین قائم ہے اور انہی کی برکت سے لوگ بارش برسائے جاتے ہیں اور انہی کی وجہ سے مدد اور فتح پاتے ہیں پھر حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے امید ہے کہ (حضرت) حسن بصری انہی میں سے ہیں"۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تحفہ اثنا عشریہ میں لکھتے ہیں:

"حضرت امیر و ذریۂ طاہرہ او را تمام امت بر مثال پیراں و مرشداں می پرستند و امور تکوینیہ را بایشاں وابستہ می دانند و فاتحہ و درود و صدقات و نذر بنام ایشاں رائج و معمول گردید چنانچہ جمیع اولیاء اللہ را ہمیں معاملہ است"۔ (صفحہ 396)

"حضرت امیر اور آپ کی اولاد پاک کو تمام امت پیروں کی طرح مانتی ہے اور امور تکوینیہ میں ان کو متصرف مانتی ہے اور ان کے نام پر نذر و نیاز وغیرہ دینا ایک عام رواج ہو گیا ہے جیسا کہ تمام اولیاء کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا ہے"۔

اسی طرح تفسیر عزیزی، ملفوظات مرزا مظہر، تذکرۃ الموتی، ہمعات، صراط مستقیم اور جواہر خمسہ وغیرہ میں ہے۔

- نواب صدیق حسن خاں سے دیوان نفح الطیب میں یوں منقول ہے:

زمرہ رائے درافتاد بار باب سنن شیخ سنت مددے قاضی شوکانی مددے۔

"ارباب سنن حیران ہیں اے شیخ سنت قاضی شوکانی مدد کرو"۔

- مولانا مولوی غلام حسین ہوشیار پوری نے اپنی مسدس میں کیا خوب کہا ہے۔

انبیاء اولیاء سب ہیں وسائل بالیقیں
ہے تصرف ان کا عالم میں ز رب العالمین

امر حق سے یہ کریں ہیں مقصد دنیاؤ دیں
بن خدا جو ان کو خود مختار جانے ہے لعین
مت سن ان کی مذہب سنت جماعت کو سمبھال
بدعتی مشرک لہالی سب کے سر پر خاک ڈال
خود کہا مشکوٰۃ میں آں رحمۃ اللعالمیں
شام میں ابدال ہیں چالیس برروئے زمیں
مظہر عون الٰہی ہیں بلاشک اولیاء
جو کہے شرک اس مدد کو اس کو جانو بے حیا
انبیاء و اولیاء سب ہیں جو مقبول خدا
مانگنی ان سے مدد حصن حصیں میں ہے روا

❁ مولوی محمود حسن صاحب مولوی رشید احمد صاحب کے مرثیہ صفحہ 10 پر لکھتے ہیں:

قاسم حضرت امداد کر مرنے نہ دیا
بلکہ زندہ ہی رکھ سب کو علی وجہ اتم

علی ہذا القیاس مولوی محمد قاسم بانی مدرسہ دیو بند۔ حاجی امداد اللہ صاحب۔ مولوی اشرف علی صاحب وغیرہ علماء دیو بند کے اقوال پہلے گزر چکے ہیں جن سے یہ تصرف روز روشن سے زیادہ ثابت ہوتا ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب کو کیا کچھ بنا دیا گیا اور مادی وروحانی تصرف حتیٰ کہ موت وحیات کو ان کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے اور دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ اشغال وتصرفات تا حال بلکہ تا قیامت باقی رہیں گے اور ان تصرفات کا درست ہونا مولوی محمود الحسن صاحب اور ان کے ہم خیال دیو بندی حضرات سب کو مسلم ہے۔ ہذا ہو المراد۔

مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی:

مکتوبات امام ربانی ہشتاد ودوم جلد اول میں فرماتے ہیں:

امروز در حلقہ بامدادی بینم کہ حضرت الیاس و حضرت خضر علیہما السلام بصورت روحانیاں حاظر شدند و بہ تلقی روحانی حضرت خضر فرمودند کہ ما از عالم ارواحیم حضرت سبحانہ، وتعالیٰ ارواح مارا قدرت کاملہ عطا فرمودہ است کہ بصورت اجسام متمثل شدہ کارہائے کہ از اجسام بوقوع می آیند از ارواح ما صدور می یابند۔

''آج حلقہ میں صبح کے وقت میں کیا دیکھتا ہوں کل حضرت الیاس اور حضرت خضر علیٰ نبینا و علیہما السلام صورت روحانیوں میں تشریف لائے اور روحانی القا سے حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم عالم ارواح سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری ارواح کو قدرت کاملہ عطا فرمائی ہوئی ہے کہ اجسام کی صورت میں متمثل ہو کر دنیا کے ان کاموں کو سرانجام دیں جو کہ ظاہری اجسام سے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہدیۃ المہدی صفحہ 61 پر ہے:

معزز ناظرین! ان مذکورہ بالا جوالجات سے ثابت ہوا کہ حضور پُر نور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کا کائنات عالم میں مختار ہونا خزائن ارضیہ پر قبضہ ہونا اور عالم کے کلیات و جزئیات کا زیر قدرت ہونا وغیرہ محققین اعلام اور علماء فہام رحمۃ اللہ علیہم نے اس کثرت سے بیان فرمادیا ہے کہ وہ حد تواتر کو پہنچ چکا ہے۔ آپ یہ ''مشتے نمونہ از خروارے'' پر کفایت فرمالیجئے۔ یہ سچے ایماندار کیلئے ازبس کافی ہے۔

قصیدہ غوثیہ کے اشعار:

نیز اسی طرح اولیاء، اقطاب، اغواث، اوتاد، مجددین وغیرہ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمرہ خواص میں سے ہیں وہ بھی حضور علیہ السلام کے ارادے کے موافق ہر طرح دینے لینے میں مختار ہوتے ہیں۔ ایسے حضرات کا تذکرہ تفصیلی طور پر ناممکن سا معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا ہم یہاں صرف ایک بزرگ مستند و مسلم کا ارشاد تحریر کرتے ہیں جس کی کرامتیں، بزرگیاں اتفاقی طور پر مسلم ہیں۔ یعنی حضرت قطب ربانی غوث صمدانی شہباز لامکانی سیدنا وسندنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ...... آپ اپنے قصیدہ میں فرماتے ہیں:

و ولانی علی الاقطاب جمعاً   فحکمی نافذ فی کل حال

''مجھے تمام قطبوں پر فضیلت بخشی گئی ہے پس میرا ہر وقت و ہر حالت حکم جاری ہے''۔

بلاد اللّٰہ ملکی تحت حکمی   ووقتی قبل قلبی قد صفالی

''اللہ کے تمام ملک میرے حکم کے ماتحت ہیں اور میرا دل وجان صفا ومصفا فرما دیا ہے''۔

نظرت الی بلاد اللّٰہِ جمعاً   کخردلۃ علی حکم اتصالی

''میں اللہ کے تمام ممالک کو اس طرح ملاحظہ کرتا ہوں، جیسے ہتھیلی پر رائی کا دانہ''۔

شرک کا فتویٰ لگانیوالے حضرات سے دردمندانہ درخواست ہے کہ خدارا وحدت امت کو پارہ پارہ مت کیجئے اور اپنے اکابرین میں سے کم از کم ایک عالم کی عبادت فتویٰ لگانے سے پہلے ضرور پیش نظر رکھ لیجئے۔ ''اگر کوئی یہ گمان کرتا ہے کہ نبی علیہ السلام یا حضرت علی یا اولیاء اللہ میں سے کسی کی سماعت سب لوگوں سے زیادہ ہے بایں حیثیت کہ تمام جہان یا تمام اطراف زمین کو گھیرے میں لئے ہوئے ہے تو یہ شرک نہ ہوگا۔ کیونکہ اللہ نے بعض فرشتوں بلکہ حیوانات کو (بھی) ایسی بصارت اور سماعت عطا فرمائی ہے جو سب انسانوں سے بڑھ کر رہے چنانچہ دیلمی نے مسند الفردوس میں اور ابو یعلیٰ نے یہ حدیث مرفوعا روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری قبر پہ فرشتہ مقرر کر رکھا ہے۔ تو جب بھی میری امت میں سے کوئی مجھ پہ درود پڑھے تو وہ فرشتہ کہتا ہے یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم فلاں بن فلاں نے آپ پر اس وقت درود پڑھا ہے۔

(ہدیۃ المہدی، پیشوائے غیر مقلدین علامہ وحید الزمان حیدر آبادی کی کتاب جو عقائد اہل حدیث پہ مشتمل ہے)

حرف آخر اور احتیاط کا تقاضا:

باوجود اس کے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام علیہم رحمۃ الرحمٰن کو پکارنا اور ان

سے روحانی مدد طلب کرنا اور اللہ کی عطاء وتوفیق واذن سے ان کے تصرفات کا ثبوت قرآن وسنت میں موجود ہے لیکن ہمارے علماء احتیاط کے پیش نظر یہی طریقہ افضل و احسن قرار دیتے ہیں کہ استمداد ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ہی کی جائے تا کہ غلو سے بچا جائے جس میں آج کل ہر دو فریق (مجوزین ومانعین) مبتلاء ہیں کہ مانعین تو اسے شرک سے کم درجہ دینے پہ تیار ہی نہیں اور ردعمل کے طور پر بعض غالی اور عوام کالانعام دعا بھی اللہ سے مانگنے کی بجائے محبوبان خدا سے مانگنا شروع کر دیتے ہیں جو کہ کسی طرح بھی اہل حق کا شیوہ نہیں ہے چنانچہ شیخ الحدیث علامہ عبدالحکیم شرف قادری دامت برکاتہ ندائے یارسول اللہ صفحہ 12 پہ لکھتے ہیں:

البتہ یہ ظاہر ہے کہ جب حقیقی حاجت روا، مشکل کشاء اور کارساز اللہ تعالیٰ کی ذات ہے تو احسن اور اولیٰ یہی ہے کہ اسی سے ہی مانگا جائے اور اسی سے درخواست کی جائے اور انبیاء واولیاء کا وسیلہ اس کی بارگاہ میں پیش کیا جائے کیونکہ حقیقت حقیقت ہے اور مجاز مجاز ہے یا بارگاہ انبیاء واولیاء میں درخواست کی جائے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ دعا کریں کہ ہماری مشکلیں آسان فرمادے اور حاجتیں برلائے اس طرح کسی کو غلط فہمی بھی پیدا نہ ہوگی اور اختلافات کی خلیج بھی زیادہ وسیع نہ ہوگی:

وما علینا الاالبلاغ المبین الحمد لله الذی خلق الموت والحیات وهو حی لا یموت فسبحن من لا یغیب عن علمه حیّ ولا یمیت ولا یفوته هوالذی ارسل رسوله وفضله علی العالمین فی الملك و الملکوت و الصلوٰة و السلام علی النبی الذی حمده الانبیاء وهو فی کتبهم منعوته وعلی اله و اصحابه الذین مفاتیح الهدیٰ و منابع الرحموته واخردعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

آٹھواں درس

الحمدللّٰہ العلی الاکبر، والصلٰوۃ و السلام علی اکرم الخلق و سید البشر، و علی الہ و اصحابہ السرج العزر، وعلی من اتبعھم الی یوم المحشر، اما بعد فقد قال اللّٰہ تعالیٰ فی کتابہ العظیم و خطابہ القدیم۔

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

اھدنا الصراط المستقیم۔

''(اے اللہ) ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرما''۔

صدق الله مولانا العظیم o

ربط و تعلق آیات:

مندرجہ بالا آیت کا ماقبل آیات طیبات سے کئی طرح کا تعلق بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً اس سے پہلے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے کا طریقہ بیان ہوا اور اب اس استعانت کی نوعیت بیان ہو رہی ہے کہ ویسے تو ہر دینی و دنیوی، روحانی و جسمانی، ظاہری و باطنی، کام سرانجام دینے کیلئے ہم اللہ ہی کی مدد و نصرت کے محتاج ہیں مگر صراط مستقیم پہ استقامت تمام بھلائیوں کی بنیاد اور اصل ہے اس پر قائم رہیں گے تو ہر کام پہ اجر و ثواب ملے گا ورنہ کام تو کسی کا نہیں رُکتا سب کے کام ہو جاتے ہیں چاہے کوئی مسلمان ہو یا کافر لیکن کام بھی ہو جائے اور اس پہ اجر و ثواب بھی مل جائے تو کام ہو بھی جائے گا

اور کام بن بھی جائے گا۔ کیونکہ ایسے کام میں اللہ اور اس کے رسول کی رضا بھی شامل ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے کام عبادت کے درجے میں آجاتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ پانی جانور بھی پیتے ہیں اور انسان بھی پھر انسانوں میں کافر بھی ہیں اور مسلمان بھی تو کافر پانی پیتا ہے تو اس کی صرف پیاس بجھتی ہے اور جب مسلمان پانی پیتا ہے تو اسلامی طریقے کو ملحوظ رکھ کر پیتا ہے یعنی سنت کے مطابق دائیں ہاتھ سے، بسم اللہ شریف پڑھ کر، پانی کو دیکھ کر، بیٹھ کر، تین سانسوں میں پی کر آخر میں الحمد للہ کہتا ہے تو پیاس بھی بجھ جاتی ہے اور یہ پانی اس کے اندر نورانیت بھی پیدا کرتا ہے۔ لہٰذا کافر، جانوروں کی طرح کھاتا پیتا ہے جس میں آداب کا خیال نہیں ہوتا اور بندۂ مؤمن آداب کو ملحوظ رکھ کر کھاتا پیتا ہے تو غذا ایک ہونے کے باوجود وہ (کافر) خدا سے دور ہو جاتا ہے اور بندۂ مومن کے سینے میں نور و سرور پیدا ہو جاتا ہے۔

ایں خورد گردد پلیدی زو جُدا
واں خور دگرد ہمہ نور خدا

یہ کھاتا ہے تو پلیدی بن کر اس سے جُدا ہو جائے، وہ کھائے تو نور خدا ہو کر اس کے روئیں روئیں میں سما جائے۔

۞ اس سے پہلی آیت میں عبادت کا تذکرہ تھا اور اس آیت میں عبادت کے مغز دعا کا بیان ہے گویا اس میں عبادت گذار کو مزید ترقی نصیب ہوگئی کہ عبادت کے مغز تک رسائی ہوگئی، عبادت چونکہ دعا کے ذریعے مقبول ہوتی ہے لہٰذا حکم دیا جا رہا ہے کہ عبادت کے بعد دعا کو اپنے اوپر لازم کرلو۔ اور جو بندہ عبادت تو کرے مگر دعا نہ مانگے وہ متکبرین میں لکھ دیا جاتا ہے قرآن مجید میں جب عبادت سے روگردانی کرنے والوں کو دوزخ میں ذلیل کر کے داخل کرنے کی بات کی گئی ہے (ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جهنم داخرین۔ المؤمن) تو جو عبادت کا مغز ہے اس سے روگردانی کرنے والے کا حال کیا ہوگا؟

عبادت کے بعد دعا کی اہمیت:

سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب بندہ نماز ادا کر کے بغیر دعا مانگے مسجد سے نکلتا ہے تو اللہ کی رحمت اس کو دیکھتی رہتی ہے (کہ ہوسکتا ہے ابھی آ کر دعا کرے) اور جب وہ بن دعا مانگے مسجد کے دروازے سے باہر نکل جاتا ہے تو اس کی نماز اس کو واپس کر دی جاتی ہے۔ (گویا اس کے منہ پہ ماری جاتی ہے) کہ مجھے تیری اس عبادت کی ضرورت نہیں جس کے بعد تو مجھ سے دعا بھی نہ مانگے۔ کیونکہ دنیا کے سخی زیادہ مانگنے سے ناراض ہو جاتے ہیں اور ہمارا پروردگار نہ مانگنے سے ناراض ہو جاتا ہے اور جتنا زیادہ مانگیں گے اتنا ہی زیادہ خوش ہوگا۔ اسی لئے عبادت کے بعد دعا کا ذکر ہے اور دعا میں بھی سیدھی راہ پہ استقامت کا تذکرہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ ہم چند دن عبادت کر کے پھر تیری عبادت سے باغی ہو جائیں (جیسا کہ اکثر مسلمان صرف رمضان میں ہی عبادت کرتے ہیں رمضان گیا تو عبادت بھی گئی، بعض صرف جمعہ پر ہی اکتفاء کر لیتے ہیں)

جب میں کہتا ہوں کہ اے اللہ میرا حال دیکھ
حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامۂ اعمال دیکھ

جب سر محشر وہ پوچھیں گے بلا کر سامنے
کیا حساب جرم دو گے تم خدا کے سامنے

بس سمجھ لو کہ ہمیشہ اللہ کی عبادت پہ قائم رہنا صراط مستقیم پہ گامزن رہنا ہے راحت و آرام میں عبادت سے غافل ہو جانا اور غمی و پریشانی میں لمبی لمبی دعائیں کرنا اہل ایمان کا شیوہ نہیں ہے لہٰذا عبادت میں بھی افراط و تفرط کا شکار ہونا صراط مستقیم پہ استقامت کے خلاف ہے۔ اسی لئے تو عبادت کے بعد بھی ہدایت کی دعا مانگی جارہی ہے کیونکہ صرف عبادت منزل مقصود تک نہیں پہنچاتی جب تک کہ اللہ کی راہنمائی شامل حال نہ ہو

آخر ابلیس، بلعم بن باعورہ جیسے لوگ کم عبادت گذار تو نہ تھے مگر ہدایت سے محروم ہو گئے اور عبادت ان کے کام نہ آئی۔

لفظ ہدایت کی تحقیق:

امام راغب اصفہانی کے مطابق مطلوب تک پہنچانے والی شئی کی طرف نرمی سے راہنمائی کرنا ہدایت کہلاتا ہے اور ''اہد'' اسی (ہدایت) سے ہی امر کا صیغہ ہے۔ امر کا معنی اگرچہ حکم کرنا بھی ہے لیکن بڑا چھوٹے سے کہے تو حکم ہوگا برابر کا برابر سے کہے تو التماس یا درخواست کے معنی میں ہوگا اور بندہ اللہ سے اسی امر کے صیغے کے ساتھ مخاطب ہو تو یہی امر کا صیغہ دعا کے معنی میں ہوگا پھر ہدایت چند طرح کی ہے۔

1- ہدایت الہامی جو خود بخود حاصل ہو جائے جس طرح کہ بچے کا رو رو کر ماں سے دودھ مانگنا اور پھر اس کا پستان کو منہ میں لے کر ایک خاص انداز سے چوسنا اس کو وجدان بھی کہا جا سکتا ہے۔ جس کے پاس یہ ہدایت نہیں وہ باقی ہدایات سے بھی محروم ہے بلکہ وہ مکلّف بھی نہیں جیسا کہ حیوانات وغیرہ۔ اسی کا ذکر سورۂ طٰہٰ کی آیت:50 میں اس طرح فرمایا گیا۔ اعطیٰ کل شئی خلقه ثم هدیٰ۔ وہ ذات جس نے ہر شئی کو پیدا فرمایا پھر ہدایت دی۔

2- ہدایت احساسی۔ جو حواس کی درستگی کے بعد حاصل ہوتی ہے جس طرح کہ بچہ ہوش سنبھالنے کے بعد اچھے بُرے میں تمیز کر لیتا ہے۔

3- عقلی، اس کو نظری بھی کہا گیا، کیونکہ یہ عقل و نظر اور دلائل میں غور و فکر سے ملتی ہے۔

4- ہدایت الٰہی۔ جو اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل اور اس کے نبیوں کی نگاہ کرم سے نصیب ہوتی ہے۔

ایں سعادت بزور باز و نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اسی ہدایت کا ذکر مندرجہ ذیل مقامات پہ فرمایا گیا:

والذین اھتدو ازادھم ھدی و اٰتھم تقوھم۔

''جن کو توفیق ہدایت مل گئی ان کی ہدایت میں اضافہ ہوتا رہے گا اور تقویٰ بھی مل گیا''۔

وجعلنا ھم ائمة یھدون با مرنا (الانبیاء:73)

''ہم نے انہیں (نبیوں کو) ہادی و راہنما بنایا جو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے ہیں''۔

الحمد للّٰہ الذی ھدانا لھذا۔ (الاعراف:43)

''(آخرت میں اہل جنت کہیں گے) اصل تعریف تو اللہ ہی کیلئے ہے جس نے ہمیں جنت میں پہنچایا''۔

پھر ہدایت عامہ بھی ہوتی ہے خاصہ بھی۔ ہدایت عامہ انبیاء کرام سے عام لوگوں کو ملتی ہے جس کا تعلق عقائد و اعمال سے ہوتا ہے اسے ہدایت بنیانی اور توفیق بھی کہتے ہیں۔ اور ہدایت خاصہ نور نبوت و ولایت کا نام ہے۔ جو خاص لوگوں کو ہی نصیب ہوتا ہے۔ (تفسیر عزیزی)

یاد رہے کہ حواس کی ہدایت انسانوں اور حیوانوں میں مشترک ہے اور عقلی ہدایت صرف انسان کے پاس ہے جس سے انسان اپنے حواس کی اصلاح کا کام کرتا ہے جس طرح کہ صفراوی مزاج والا میٹھی اشیاء کو کڑوا محسوس کرتا ہے تو عقل کے ذریعے معلوم ہوتا ہے کہ چیز تو میٹھی ہے تیرا مزاج بدلا ہوا ہے۔

وجدانی، حواسی اور عقلی ہدایت کو سورۂ بلد کی ان آیات میں بیان کیا گیا ہے:

الم نجعل له عینین٥ولسانا وشفتین٥وھدینه النجدین۔

''ہم نے اس (انسان) کیلئے دو آنکھیں۔ ایک زبان، دو ہونٹ بنائے اور اس کو دونوں راستے (نیکی بدی کے) سمجھا دیے''۔

دینی اور شرعی ہدایت کو اس آیت میں بیان فرمایا گیا:

واما ثمود فھدینٰھم فاستحبوا العمیٰ علی الھدیٰ۔ (حم السجدہ:17)
''اور لیکن قوم ثمود کو ہم نے ہدایت کی پس انہوں نے گمراہی کو ہدایت کے مقابلے میں پسند کرلیا''۔

یاد رہے! ہدایت الٰہیہ ہمارے لئے تو آخری (انتہائی) ہدایت ہے مگر حضور علیہ السلام کیلئے یہ پہلی (ابتدائی) ہدایت ہے کیونکہ اللہ کے خاص بندے پیدائش طور پر ہی عارف ہوتے ہیں جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی انی عبد اللّٰہ...... کہا اور یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا و اتیناہ الحکم صبیئا ہمارے آقا علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی سجدہ فرمایا۔ سیدنا غوث اعظم نے پیدا ہوتے ہی روزہ رکھا۔

سورۂ فاتحہ کی مندرجہ بالا آیت میں جس ہدایت کا ذکر ہے وہ ہدایت توفیق ہے۔

ہدایت کے دو معانی:

1- الدلالۃ الموصلۃ الی المطلوب۔ مقصود تک پہنچانے کی راہنمائی۔ یہ معنی اللہ کیلئے ہوگا۔

2- الدلالۃ علی مایوصل الی المطلوب۔ ایسے راستے کی راہنمائی جو راستہ مطلوب تک پہنچا دے۔ انبیاء کرام اور قرآن پاک کی یہی ہدایت ہے۔ ان دونوں ہدایات کو بالترتیب ایصال الی المطلوب اور ارائۃ الطریق کا (اصطلاحی) نام بھی دیا گیا ہے۔ نور الانوار میں ہے۔

اجمعوا علی انہ اذا نسب الی اللّٰہ تعالیٰ یراد بہ الاول و اذا نسب الی الرسول او القرآن یراد بہ الثانی۔ (ترجمہ کا خلاصہ نمبر 2 کے تحت گذر چکا)

لہٰذا جہاں قرآن پاک میں حضور علیہ السلام کی طرف سے ہدایت کی نفی ہے وہاں ہدایت کا پہلا معنیٰ مراد ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

انك لا تھدی من احببت۔ اور لیس علیك ھدٰھم۔

یعنی توفیق ہدایت آپ کا منصب نہیں آپ تو اللہ کی ہدایت کو نافذ و تقسیم فرمانے

والے ہیں۔ جس کیلئے اللہ نے ہدایت پیدا ہی نہیں کی آپ اس کو ہدایت یافتہ نہیں بنا سکتے۔ اور جن آیات میں حضور علیہ السلام کیلئے ہدایت کا اثبات ہے و انك لتهدى الى صراط مستقيم۔ اور بے شک آپ ضرور صراط مستقیم کی ہدایت دیتے ہیں۔ وہاں ہدایت کا دوسرا معنیٰ (اراءۃ الطریق) ہی مراد ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ پہلے معنی یعنی ایصال الی المطلوب کے بعد گمراہی ناممکن ومحال ہے اور اراءۃ الطریق یعنی دوسرے معنی میں گمراہی کا امکان ہے۔

ہدایت کے دونوں معنوں پہ علمی اعتراض:

لیکن دونوں معنی پر اعتراض واقع ہوگا۔ ایصال الی المطلوب پر تو اس لئے کہ باری تعالیٰ کا قول ہے ''و اما ثمود فهدينا هم فاستحبوا العمىٰ على الهدىٰ'' یعنی ہم نے قوم ثمود کو ہدایت دی مگر انہوں نے ضلالت کو ہدایت پر ترجیح دی یعنی ہدایت کو چھوڑ کر ضلالت کو اختیار کیا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ ثمود کے لوگ ہدایت کے بعد گمراہی میں مبتلا ہوئے ہیں اور ہدایت کے بعد گمراہی میں مبتلا ہونا چونکہ ایصال الی المطلوب کے منافی ہے اس لئے فهدينا هم میں ایصال الی المطلوب کے معنی مراد نہیں ہو سکتے اور اراءۃ الطریق پر اس لئے اعتراض واقع ہوگا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا ''انك لا تهدى من احببت'' آپ جس کو پسند کریں اس کو ہدایت نہیں کر سکتے ہیں اور بقول بعض حضرات کے ہدایت کے معنی اراءۃ الطریق کے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اراءۃ الطریق یعنی مطلقاً راستہ دکھانا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ لا تهدی میں اراءۃ الطریق کے معنی مراد نہیں ہو سکتے۔

علامہ تفتازانی کی طرف سے اعتراض کا جواب:

بعض حضرات نے ان اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ کشاف کے

حاشیہ پر علامہ تفتازانی نے یہ ضابطہ تحریر کیا ہے کہ لفظ ہدایت متعدی بدو مفعول ہوتا ہے اور اپنے مفعول اول کی طرف ہمیشہ بلا واسطہ متعدی ہوتا ہے مگر مفعول ثانی کی طرف کبھی بلا واسطہ متعدی ہوتا ہے اور کبھی لام یا الٰی کے واسطہ سے متعدی ہوتا ہے، اگر لفظ ہدایت اپنے مفعول ثانی کی طرف بلا واسطہ متعدی ہو تو ہدایت کے معنی ایصال الی المطلوب کے ہوتے ہیں جیسے ''اھدنا الصراط المستقیم ''میں صراط المستقیم مفعول ثانی ہے اور ''اھد'' صیغہ امر اس کی طرف بلا واسطہ متعدی ہے اور اگر لام یا الٰی کے واسطے سے متعدی ہو تو اراءۃ الطریق کے معنی مراد ہوتے، لام کی مثال جیسے ''ان ھذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم میں'' ''للتی ھی اقوم'' مفعول ثانی ہے اور مفعول اول لفظ الناس ''مقدر ہے، تقدیری عبارت یوں ہوگی ''ان ھٰذا القرآن یھدی الناس للتی ھی اقوم'' اور الٰی کی مثال ''ولکن اللّٰہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم'' میں ''ہم'' مفعول ثانی الی الاسلام کی طرف چونکہ الٰی کے واسطہ سے متعدی ہے اسلئے اس آیت میں ہدایت کے معنی ارائۃ الطریق کے ہوں گے اور ارائۃ الطریق کے بعد گمراہی ممکن ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا لہٰذا اس آیت کو لے کر اعتراض کرنا درست نہ ہوگا اور ''انك لا تھدی من احببت'' میں ''من احببت'' ''تھدی کا مفعول ثانی ہے اور مفعول اول مقدر ہے تقدیری عبارت یہ ہوگی ''انك لا تھدی الاسلام من احببت'' اور سابق میں گذر چکا ہے کہ لفظ ہدایت اگر مفعول ثانی کی طرف بلا واسطہ متعدی ہو تو ہدایت کے معنی ایصال الی المطلوب کے ہوتے ہیں لہٰذا آیت ''انك لا تھدی'' میں ہدایت کے معنی ایصال الی المطلوب کے ہوں گے تو گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو فرمایا کہ آپ جس کو چاہیں ایصال الی المطلوب نہیں کر سکتے، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ ایصال الی المطلوب تو اللہ کا کام ہے نہ کہ نبی کا۔ نبی کا کام تو صرف اراءۃ الطریق کا ہے پس اس آیت کو لے کر اعتراض کرنا بھی درست نہ ہوگا۔

اس جواب پر پھر اعتراض:

لیکن علامہ تفتازانی کے بیان کردہ ضابطہ میں بھی نقص ہے اور نقص یہ ہے کہ یہ ضابطہ قرآن پاک کی بعض آیات کے خلاف ہے مثلاً آیت ''وھدیناہ النجدین'' ہم نے انسان کو طریق خیر اور شر کی راہ دکھلا دی۔ دیکھو اس آیت میں ہدایت اپنے مفعول ثانی کی طرف بلا واسطہ متعدی ہے مگر یہاں ایصال الی المطلوب کے معنی مراد نہیں ہیں، کیونکہ آگے چل کر فرمایا ''فلا اقتحم العقبۃ'' جس کے معنی یہ ہیں کہ ہدایت دینے کے بعد بھی انسان گھاٹی خیر و اسلام میں داخل نہ ہوا، ملاحظہ فرمائیں کہ ہدایت کے بعد بھی خیر کی نفی فرمادی، اگر یہاں ایصال الی المطلوب کے معنیٰ ہوتے تو مقصود تک پہنچ جانے کے بعد پھر اسلام میں داخل نہ ہونے کے کیا معنی؟ دوسری آیت ''انك لا تھدی من احببت و لکن اللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم'' اس آیت میں دوسرا یہدی الیٰ کے واسطہ سے متعدی ہے مگر مراد ایصال الی المطلوب کے معنی ہیں، کیونکہ اللہ نے ''لـکـن'' سے اپنے لئے اس ہدایت کو خاص کیا ہے جس ہدایت کی رسول اللہ ﷺ سے نفی فرمائی ہے، اور یہ مسلم ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے ایصال الی المطلوب کی نفی کی گئی ہے لہٰذا آپ کا ضابطہ کہ ہدایت اگر الیٰ کے واسطہ سے متعدی ہو تو ہدایت کے معنی اراءۃ الطریق کے ہوتے ہیں ٹوٹ گیا۔

قاضی بیضاوی کا فیصلہ:

بہر نوع ہدایت کے سلسلہ میں کوئی قول بھی خدشہ سے خالی نہیں ہے اسی لئے قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ہدایت کے ایسے معنی بیان فرمائے ہیں جو ایصال الی المطلوب اور اراءۃ الطریق دونوں کو شامل ہیں، قاضی نے فرمایا کہ ہدایت کے معنی دلالۃ بلطف کے ہیں یعنی اسباب طاعت کو پیدا کر کے رہنمائی کرنا اب وہ رہنمائی خواہ ایصال الی المطلوب کے طریقہ پہ ہو خواہ اراءۃ الطریق کے طریقہ پر ہو۔

صراط مستقیم کی تفسیر:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے صراط مستقیم سے اسلام مراد لیا ہے یہی ابن مسعود اور دیگر صحابہ سے مروی ہے حضرت ابن عباس نے اس سے قرآن مراد لیا ہے اور طبرانی کی ایک روایت میں ابن مسعود کا قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ صراط مستقیم وہ ہے جس پر حضور علیہ السلام نے ہمیں قائم کیا اور دنیا سے رخصت ہو گئے (درمنثور) حاکم نے ابن عباس کا ایک قول اس بارے میں یہ نقل کیا ہے کہ اس سے مراد حضور علیہ السلام کے دو ساتھی (صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما) ہیں یعنی ان کی سیرت و کردار۔

حضور علیہ السلام نے صراط مستقیم کی ایک مثال یوں ارشاد فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے خود سیدھے راستے کی ایک مثال دی ہے کہ گویا ایک راستہ ہے جس کی دونوں طرف اونچی اونچی دیواریں ہیں اور ان دیواروں میں دونوں طرف دروازے کھلے ہوئے ہیں جن پر پردے لٹک رہے ہیں، راستے کے شروع میں ایک شخص کھڑا ہو کر کہہ رہا ہے اے لوگو! راستے میں اکھٹے داخل ہونا اسی طرح راستے کی دوسری طرف بھی ایک شخص آواز دے رہا ہے، جب بھی اس راستے پہ چلنے والا کوئی شخص دائیں بائیں دروازوں میں جھانکنا چاہتا ہے تو وہ کہتا ہے خبردار! اگر تم نے دروازوں میں جھانکا تو انہی میں جا پڑو گے (اور منزل پر نہ پہنچ سکو گے) فرمایا: راستہ اسلام ہے دائیں بائیں کی دیواریں حدود اللہ ہیں۔ دروازے محرمات ہیں اور اول و آخر کھڑے شخص میں سے ابتداء والا داعی قرآن ہے اور آخر والا وہ واعظ ہے جو ہر مسلمان کے دل میں ہے (نور ایمان) ترمذی، نسائی، مسند احمد۔

صوفیاء کرام نے صراط مستقیم سے وہ راستہ مراد لیا ہے جو محبت و عقل دونوں کا جامع ہے یعنی سلوک۔ کیونکہ عقل محض کبھی بے دین بنا دیتی ہے اور عشق جس میں عقل نہ ہو "جذب" ہے ان دونوں میں افراط و تفریط ہے۔

ایک ایمان افروز حکایت:

تفسیر کبیر میں اسی لفظ کی تفسیر میں ایک ایمان افروز حکایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ حج پہ پیدل تشریف لے جارہے تھے ایک شخص نے کہا آپ دیوانے تو نہیں کہ اتنا لمبا سفر اور وہ بھی پیدل؟ نہ سواری نہ توشہ، کیا مرنے کا ارادہ ہے؟ فرمایا! تیرے پاس تو ایک سواری ہے مگر میرے پاس بہت سی ہیں جو تجھے نظر نہیں آرہیں۔ اس نے وضاحت طلب کی تو آپ نے فرمایا۔

جب مجھ پر کوئی مصیبت آتی ہے تو صبر کے گھوڑے پہ سوار ہو جاتا ہوں۔ جب نعمت ملتی ہے تو شکر کی سواری استعمال کرتا ہوں، جب رب کی تقدیر کا کوئی امر آتا ہے تو رضا کی سواری پہ چڑھ جاتا ہوں اور جب میرا نفس مجھے کسی گناہ کی دعوت دیتا ہے تو اپنی زندگی کی بے اعتمادی کے گھوڑے پہ سوار ہو جاتا ہوں۔ اس شخص نے کہا: بے شک آپ پیدل ہو کر بھی سوار ہیں اور میں سواری پہ ہو کر بھی پیدل ہوں۔

الغرض جس طرح دنیا کے سفروں کو طے کرنے کیلئے طرح طرح کی سواریوں کی ضرورت ہے کہیں تانگہ کام آتا ہے کہیں ریل کی ضرورت پڑتی ہے کہیں موٹر اور کہیں ہوائی اور بحری جہاز کی۔ اسی طرح دینی اور اخروی سفر کیلئے بھی مختلف سواریاں درکار ہیں اسی لئے فرمایا گیا۔

پیر رابگزیں کہ بے پیرا ایں سفر
ہست بس پُر آفت و خوف و خطر
چوں گرفتی پیر ہیں تسلیم شو
ہمچو موسیٰ زیر حکم خضر رو

صراط مستقیم کی مزید وضاحت:

اصول فقہ کی معروف کتاب نورالانوار میں بڑی وضاحت کے ساتھ صراط مستقیم

پر بحث کی گئی ہے مثلاشیان حق کے ذوق کی تسکین کیلئے عربی عبارت ترجمے اور تشریح کے ساتھ پیش کی جارہی ہے۔

و الصراط المستقیم ھوا الصراط الذی یکون علی الشارع العام و یسلکه کل و احد من غیر ان یکون فیه التفات الی شعب الیمین و الشمال وھو الذی یکون معتدلاً بین الافراط و التفریط و ھذا صادق علی شریعة محمد صلی اللہ علیہ وسلم لا نھا متوسطة بین الافراط الذی فی دین موسیٰ علیہ السلام و التفریط الذی فی دین عیسی علیہ السلام و علی عقائد السنة و الجماعةفانھا متوسطة بین الجبر و القدر و بین الرفض و الخروج و بین الشبیه و التعطیل الذی فی غیر ھا وعلی طریق سلوك جامع بین المحبة و العقل فلا یکون عشقاً محضاً مفیضاً الی الجذب ولا عقلاً صرفاً موصلاً الی الالحاد و الفلسفة نعوذ باللّٰه منهُ۔

''اورصراط مستقیم وہی راستہ ہے جوشاہراہ عام پر ہوتا ہے، اوراُس پر ہر شخص چلتا ہے بغیراس کے کہ اس میں دائیں بائیں جانب توجہ ہو، اور وہ افراط اورتفریط کے بین بین درمیانی راہ ہوتی ہے اور یہ صراط مستقیم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پرصادق آتا ہے کیونکہ آپ کی شریعت اس افراط سے جوحضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین میں تھی اوراس تفریط سے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں تھی پاک ہے اوران دونوں کے درمیان والد دین ہے جس میں نہ افراط ہے نہ تفریط اوراہل سنت والجماعت کے عقائد پرصادق آتا ہے کیوں کہ ان کے عقائد فرقہ جبریہ اور قدریہ کے عقائد کے بین بین اورروافض اورخوارج کے عقائد کے بین بین اورفرقہ مشبہ اورمعطلہ کے عقائد کے بین بین ہیں اور(صراط مستقیم کا اطلاق) اُس طریق سلوک پر

بھی ہوتا ہے جو محبت اور عقل دونوں کو جامع ہے پس یہ نہ تو عشق محض ہے جو جذب تک پہنچادے اور نہ عقل محض ہے جو بے دینی اور بد دینی تک پہنچادے نعوذ باللہ منہ''۔

عربی عبارت کی تشریح:

اس عبارت میں شارح نور الانوار (شیخ احمد بن ابی سعید، ملا جیون صدیقی رحمۃ اللہ علیہ صاحب التفسیرات الاحمدیہ فی بیان الایات الشرعیہ) ''صراط مستقیم'' کے معنی اور اس کا مصداق متعین فرمارہے ہیں چنانچہ فرمایا کہ ''صراط مستقیم'' اس واضح اور کشادہ راستہ کو کہا جاتا ہے جس میں کجی اور ٹیڑھاپن نہ ہو اور ہر کس و ناکس ادھر اُدھر بھٹکے بغیر بآسانی اس پر سے گذر جاتا ہو۔ آجکل ایسے راستہ کو شارع عام، شاہراہ اور مین روڈ کہتے ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ صراطِ مستقیم ہر ایسے قول یا فعل کو کہتے ہیں جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہو یعنی جس قول یا فعل سے اللہ جل شانہ' خوش ہوتا ہو اس کو صراط مستقیم کہا جاتا ہے۔ ''صراط مستقیم'' کے تین مصداق بیان کئے گئے ہیں۔

- رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت مطہرہ اور ملت حنفیہ، صراط مستقیم کا مصداق ہے کیونکہ شریعت مصطفیٰ میں نہ افراط (حد سے زیادتی) ہے اور نہ تفریط (حد سے کمی) ہے بلکہ انتہائی اعتدال اور میانہ روی ہے۔

دین موسوی اور دین عیسوی میں افراط وتفریط:

اس کے برخلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین میں افراط یعنی حد سے زیادہ سختی ہے مثلاً طہارت اور پاکی حاصل کرنے کیلئے موضع نجاست کپڑے کا کاٹنا ضروری تھا، زکوٰۃ میں چوتھائی مال ادا کرنا فرض تھا، اور ان کے یہاں توبہ یہ تھی کہ گناہ کے مرتکب کو قتل کردیا جائے (فاقتلوا انفسکم) اگر کوئی گناہ کرتا تو منجانب اللہ اس کے مکان کے دروازے پر لکھ دیا جاتا، قتل میں قاتل پر قصاص فرض تھا، مقتول کے اولیاء دیت

لینے یا معاف کرنے کے مجاز نہ تھے، اور دین موسوی میں حائضہ عورت کے ساتھ مکان میں رہنے تک کی اجازت نہیں تھی، غرضیکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کو احکام شاقہ کا مکلّف کیا گیا تھا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں تفریط یعنی حد سے زیادہ نرمی اور آسانی ہے مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں شراب حلال تھی، سور اور مردار کا گوشت حلال تھا، مشرکہ عورتوں سے نکاح جائز تھا۔ صاحب نتائج الافکار نے غایۃ البیان سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شراب اور سور پہلی امتوں میں اور ابتدائے اسلام میں حلال تھے، پھر حرمت کے ساتھ خاص طور پر مسلمانوں کو مخاطب کیا گیا چنانچہ باری تعالیٰ نے فرمایایا ایھا الذین آمنو ا انما الخمر و المیسر و الانصاب و الازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون اور باری تعالیٰ نے فرمایاحرمت علیکم المیتۃ و الدم و لحم الخنزیر پس جب حرمت کا مخاطب خاص طور پر مسلمان کو کیا گیا تو یہ چیزیں مسلمانوں کو حرام ہوں گی اور کفار کے حق میں حلال رہیں گی، اسی طرح مشرکہ عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا تمام لوگوں کے حق میں حلال تھا مگر آیت ولا تنکحوا المشرکت حتی یومن۔ (بقرہ) میں حرمت کا مخاطب صرف مسلمانوں کو کیا گیا ہے لہٰذا مشرکہ عورتیں مسلمانوں کے حق میں حرام ہوں گی اور کفار کے حق میں علیٰ حالہ حلال رہیں گی اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں قتل عمد میں قصاص واجب نہیں تھا بلکہ اولیاء مقتول پر معاف کرنا واجب تھا، دین عیسوی میں نجاست لگنے کے باوجود کپڑا ناپاک نہ ہوتا تھا، حائضہ عورت سے وطی کرنا جائز تھا، بہرحال مذکورہ احکام سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں بہت زیادہ نرمی تھی، اور شریعت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں چونکہ نہ حد سے زیادہ سختی ہے اور نہ حد سے زیادہ نرمی ہے بلکہ اعتدال اور میانہ روی ہے اس لئے صراط مستقیم کا مصداق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو قرار دیا گیا ہے۔ اس احتمال کی صورت میں ''صراط مستقیم'' کا لفظ براعت استہلال کے طور پر ہوگا، براعتِ استہلال یہ ہے کہ خطبۂ کتاب میں ایسے الفاظ کا ذکر

کرنا جو مقصود کتاب کی طرف اشارہ کرتے ہوں، اور ''صراط مستقیم'' کے ذکر میں براعتِ استہلال اس طور پر ہے کہ صراط مستقیم سے مراد شریعت نبوی ہے اور شریعت نبوی کتاب وسنت سے مستفاد ہے۔

اہل سنّت اور فرقہ جبریہ وقدریہ کے عقائد:

* اہل سنت و جماعت کے عقائد بھی صراط مستقیم کا مصداق ہیں کیوں کہ جبریہ اور قدریہ کے عقائد کی بہ نسبت اہل سنت و جماعت کے عقائد میں اعتدال اور میانہ روی ہے اس طور پر کہ فرقہ قدریہ کے عقائد میں افراط ہے، انہوں نے بندوں کیلئے قدرت کاسبہ اور قدرت خالقہ دونوں کو ثابت کیا ہے یعنی قدریہ کا عقیدہ یہ ہے کہ بندہ اپنے افعال کا کاسب بھی ہے اور خالق بھی ہے حالانکہ قرآن پاک کی آیت ''و اللہ خلقکم وما تعملون'' بندے کے خالق افعال ہونیکی تردید کرتی ہے، اور رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے ''القدریۃ مجوس ھذہ الامۃ'' قدریہ اس امت کے مجوسی ہیں۔ اور فرقہ جبریہ کے عقائد میں تفریط ہے جبریہ کا عقیدہ یہ ہے کہ بندہ جماد محض اور پتھر محض ہے نہ اس کو کسب کی قدرت حاصل ہے اور نہ خلق کی قدرت حاصل ہے یعنی بندہ نہ کسی فعل کو پیدا کر سکتا ہے اور نہ اس کا کسب کر سکتا ہے ان دونوں کے برخلاف اہل سنت و جماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ بندہ کیلئے قدرت خالقہ تو ثابت نہیں البتہ قدرت کاسبہ ثابت ہے یعنی بندہ اگر چہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتا لیکن اس کا کسب کر سکتا ہے پس جبریہ اور قدریہ کے عقائد کی بہ نسبت ''اہل سنت و جماعت'' کے عقائد میں چونکہ اعتدال ہے اس لئے ''صراط مستقیم'' کا مصداق اہل سنت والجماعت کے عقائد کو قرار دیا گیا۔ اسی طرح روافض اور خوارج کے عقائد کی بہ نسبت ''اہل سنت و جماعت'' کے عقائد میں اعتدال اور میانہ روی ہے اس طور پر کہ روافض شیخین (ابوبکر وعمر) کی امامت کا انکار کیا، مسح علی الخفین کے جواز کا انکار کیا، حضرت امیر معاویہ اور

ان کے رفقاء پر سب وشتم کیا، پس ان حضرات نے حضرت علی رحمۃ اللہ علیہ کی محبت و مودت میں افراط اور غلو سے کام لیا اور خوارج نے حضرت علی کی محبت میں تفریط سے کام لیا حتی کہ یہ لوگ حضرت علیؓ کے طریقۂ صحیحہ سے نکل گئے، حضرت علی کے مقابلہ میں جنگ کی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامادوں کو سب وشتم کیا، ان کے برخلاف ''اہلِسنّت نے اس بارے میں سکوت کیا اور اس پر یقین کیا کہ تمام صحابہ عدولِ امت اور خیارِ امت ہیں۔ شیخین کی امامت اور خلافت بھی تسلیم ہے اور دامادوں سے محبت بھی بجا اور برحق ہے''

عقائد اہلِ سُنّت اور فرقہ مشبہ ومعطلہ:

اسی طرح فرقہ مشبہ اور معطلہ کے عقائد کی بہ نسبت ''اہلِسنّت کے عقائد میں اعتدال اور میانہ روی ہے، کیونکہ فرقہ مشبہ کے لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے مشابہ قرار دیا، اور اس کیلئے جسم اور جہت کو ثابت کیا، ان میں سے بعض نے کہا کہ مخلوق کے اجسام کی طرح اللہ تعالیٰ بھی اپنے لئے خون، گوشت اور ہڈیوں کا جسم رکھتا ہے، اور بعض نے کہا کہ اللہ کا جسم تو ہے مگر مخلوق کے اجسام کی طرح خون اور گوشت سے مرکب نہیں ہے، اور فرقہ معطلہ کے لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ معطل اور بے کار ہے جیسا کہ حکماء نے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے عقل اول صادر ہوئی پھر عقل ثانی پھر عقل ثالث حتی کہ عقل عاشر صادر ہوئی، اور پورا نظام عالم انہیں عقولِ عشرہ پر مبنی ہے۔ یعنی نظام عالم کو عقول عشرہ چلاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ بیکار محض اور معطل ہیں (نعوذ باللہ منہ) ان کے برخلاف اہلِسنّت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جہت اور جسم سے منزہ ہے اور تمام مخلوقات کی پیشانیاں اللہ کی قدرت میں ہیں۔

صراطِ مستقیم کا تیسرا مصداق:

❁ صراطِ مستقیم اس طریق سلوک پر بھی صادق آتا ہے جو محبت اور عقل دونوں کو جامع

ہے، سلوک کہتے ہیں اپنے ظاہر کو افعال ذمیمہ سے اور باطن کو ردی اخلاق سے مہذب کرنا۔ سالک کا ابتدائی حال شرائع پر عمل کرنا اور انتہائی حال اخلاقِ حسنہ کے ساتھ آراستہ ہونا ہے۔ بحر حال طریق سلوک بھی صراط مستقیم کا مصداق ہے کیونکہ سلوک کے اندر محبت اور عشق بھی کارفرما ہوتے ہیں اور عقل کا بھی بہت بڑا دخل ہوتا ہے نہ تو عشق محض کا دخل ہوتا ہے اور نہ عقل محض کارفرما ہوتی ہے کیونکہ عشق بغیر عقل کے دخل کے انسان کو مجذوب اور بے خود کر دیتا ہے اور عقل محض بغیر عشق کے انسان کو ملحد کر دیتی ہے اور خلاف عقل امور مثلاً عذابِ قبر کا منکر بنا دیتی ہے۔ پس محبت اور عقل دونوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے طریق سلوک میں چونکہ اعتدال ہے اس لئے صراط مستقیم کا مصداق طریق سلوک کو قرار دینا بھی درست ہے۔ (قوت الاخیار شرح نور الانوار)

ایک سوال، دو جواب:

جب نماز میں نمازی یہ دعا مانگتا ہے اهدنا الصراط المستقیم۔ تو یہ بے موقع دعا ہے کیونکہ باوضو ہو کر نماز میں کھڑا عبادت میں مصروف ہے اور تلاوت قرآن کر رہا ہے پھر کونسی ہدایت رہ گئی جو اسے حاصل نہیں اگر ہدایت پہ نہ ہوتا تو یہاں تک پہنچتا کیسے یعنی یہ تو تحصیل حاصل ہے۔

پہلا جواب:

تو اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک ہدایت پر ہے مگر ہدایت پہ استقامت کی دعا مانگ رہا ہے یا پھر ہدایت میں ترقی و اضافے کی یا دل کی درستگی اور مصیبت پر صبر کرنے کی کیونکہ ہر انسان کی ہدایت اس کے حال کے مطابق ہو گی کافر کیلئے ہدایت یہ ہے کہ ایمان لے آئے، عام مومن کی ہدایت یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کرے، اوامر کو بجالائے اور نواہی سے بچے۔ اور جو پہلے ہی متقی ہے اس کی ہدایت یہی ہے کہ اس پہ قائم رہے۔ پھر

ہم بھی یہی دعا کرتے ہیں، ولی اور نبی بھی یہی دعا کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس طرح ہر ایک کی ہدایت اس کے حال کے مطابق ہے اسی طرح ہر ایک کی منزل مقصود بھی اس کے حال کے مطابق ہے ہمارے لئے آگ سے نجات ہی کافی ہے، مقبولین کیلئے جنت کے باغات بھی ہوں گے، محبوبین کیلئے دیدار ذات بھی ہوگا۔ جس طرح بارات میں سب ہی شامل ہوتے ہیں مگر محض باراتی صرف کھانے پینے تک محدود ہوتے ہیں، رشتہ داروں کا مقصود رشتے ناطے کا قائم رکھنا بھی ہوتا ہے مگر دولہے کے مقصود کی انتہا سب جانتے ہیں۔ راستہ ایک ہے مگر مقصود جدا جدا ہیں۔ خوراک سارے ایک ہی طرح کی کھاتے ہیں لیکن ہم میں اور پاکان امت میں فرق صاف ظاہر ہے۔

ے ایں خود دگردد پلیدی زو جُدا — واں خورد گرد دہمہ نور خدا

ایں خورد زاید ہمہ بخل وحسد — واں خورد زاید ہمہ نور اَحَد

بہر حال اس دعا کے مذکورہ معنی کی تائید قرآن پاک سے بھی ہوتی ہے۔

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذهديتنا

"اے پروردگار ہدایت عطا کرنے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ بنا"۔

(ال عمران:8)

اور حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے جس کو امام ترمذی نے روایت فرمایا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کثرت سے یہ دعا کیا کرتے تھے۔

یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینك۔ (صفحہ 312)

"اے دلوں کو پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پہ استقامت عطا فرما"۔

دوسرا جواب:

دوسرا جواب یہ ہے کہ معرفت خداوندی کے درجات چونکہ بے انتہا ہیں اور جو درجہ جس کو حاصل ہے وہ اہدنا الصراط المستقیم کے ذریعے اس سے اگلے درجے کے حصول کی دعا کر رہا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو ہدایت، تقویٰ و بھلائی

میں بلند سے بلند تر مقام عطا فرما تا رہتا ہے۔ س کی وجہ شاید یہ ہے کہ اس کی اپنی شان ہے کُلّ یومٍ ھو فی شان۔ ہر دن اس کی نئی شان ہے۔ تو جب اس کے بندوں کو حکم ہے کہ خلقوا باخلاق اللّٰہ اللہ کی شانوں کو اپناؤ تو یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بھی ہدایت، تقویٰ اور خیر و برکت کی نئی نئی شانیں عطا فرما تا رہتا ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات میں اس حقیقت کو بیان فرمایا گیا۔

و الذین اھتدوا ازادھم ھدی و اٰتھم تقوٰھم۔ (سورۂ محمد:17)

ویزید اللّٰہ الذین اھتدوا ھدی۔ (مریم:76)

ووجدك ضالا فھدی۔ (الضحیٰ:4)

الحمد للّٰہ علیٰ کل حال:

اکمل الاملآء باسم الذات العلیہ o مستدرًا فیض البرکات علی ما انا لہ و او لاہ o و اُثنی بحمد مواردہ سآئغۃ ھنیۃ o ممتطاً من بالشکر الجمیل مطایاہُ o و اصلی و اسلم علی النورا الموصوف بالتقدم و الا ولیۃ o المنتقل فی الغرر الکریمۃ و الجباہ o و استمنح اللّٰہ تعالیٰ رضواناً یخص العترۃ الطاھرۃ النبویۃ o و یعم الصحابۃ و الاتباع ومن و الاہُ o و استجدیہ ھدایۃ لسلوك السبل الواضحۃ الجلیۃ o و حفظا من الغوایۃ فیی خطط الخطآء و خطاہ o و انشر من قصۃ المولد النبوی برودًا احساناً عبقریۃ o ناظما من النسب الشریف عقدا تحلی المسامع بحلاہ o واستعین بحول اللّٰہ وقوتہ القویۃ o فانہ لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ o

''میں بزرگ ذات کے نام سے لکھنا مکمل کرتا ہوں اس حال میں کہ اُن نعمتوں پر جو اس نے دی ہیں اور عطا کی ہیں، برکتوں کے فیض کا نزول طلب کرتا ہوں۔ اور ایسی حمد سے ثنا کرتا ہوں کہ جس کے چشمے خوشگوار

ہیں۔ حالانکہ میں شکر جمیل کی سواریوں پر سوار ہونے والا ہوں۔ اور میں درود و سلام بھیجتا ہوں اُس نور پر جو پہلے ہونے یعنی اول ہونے کی شان سے متصف ہے۔ اور پیشانیوں کی شریف سفیدیوں میں منتقل ہونے والا ہے۔ اور میں اللہ تعالیٰ سے اُس رضا مندی کا طلب گار ہوں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک اہلبیت سے خاص ہے۔ اور آپ کے صحابہ اور پیروی کرنے والوں اور آپ سے محبت رکھنے والوں کو شامل ہے۔ اور میں اللہ سے کھلے ظاہر راستوں پر چلنے کی ہدایت اور خطا کی زمینوں اور خطا کے قدموں میں بھکنے سے حفاظت طلب کرتا ہوں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے ذکر کی خوبصورت عبقری چادریں بچھاتا ہوں۔ اس حال میں کہ میں آپ کے نسب شریف سے ایک موتیوں کی لڑی پرونے والا ہوں جس کے زیوروں سے کان آراستہ ہوں۔ اور اللہ کی طاقت اور زبردست قوت سے مدد چاہتا ہوں کیونکہ گناہ سے بچنے کی طاقت اور طاعت کی قوت مدد الٰہی کے سوا نہیں"۔

عطر اللّٰهم قبرهُ الكريم بعرفٍ شذيٍ من صلاةٍ و تسليم۔

"لان الجنة و نعيمها سعد لمن عصلي ويسلم و يبارك عليه"۔

"جنت اور اُس کی نعمت اس شخص کو مبارک ہو جو جناب رسالت مآب پر درود و سلام اور برکت بھیجتا ہے"۔

الٰهی بعطر درود و سلام　　معطر بکن قبر خیرا لانام

نواں درس

الحمد للّٰہ العظیم العلیم الخبیر، و الصلوۃ و السلام علی سیدنا محمد ن البشیر النذیر، و علی الہ و صحبہ الفائزین بمغفرۃ و اجر کبیر، و حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل ونعم المولیٰ و نعم النصیر، وھو علی کل شئی قدیر۔ اما بعد

فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

صراط الذین انعمت علیھم۔

''ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا''۔

گذشتہ آیت سے اس آیت کے تعلقات:

گذشتہ آیت میں سیدھی راہ کی دعا مانگی گئی اور کوئی راہ بھی بغیر راہ بر کے طے نہیں ہوسکتی اگر منزل مقصود تک پہنچنا ہے تو کسی راہبر کے دامن سے وابستہ ہونا ضروری ہے تو اس آیت میں خود سیدھی راہ پہ چلنے والے اور دوسروں کو سیدھے راستے پہ چلانے والے رہنما اور راہبر کی راہ بری مانگی جا رہی ہے۔ تا کہ

؎ کہیں ایسا نہ ہو سارا سفر بے کار ہو جائے

پھر یوں بھی کہا جا سکتا تھا کہ ہمیں قرآن کا راستہ چاہیے جو کہ یقیناً سیدھا راستہ ہی ہے ہمیں حدیث کا راستہ عطا فرما۔ لیکن نہیں بلکہ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا ہے۔ ورنہ تو ہر طبقہ کہتا ہم قرآن پڑھتے ہیں تو ہم جس راستے پر چل رہے ہیں

یہی سیدھا راستہ ہے اور باقی سب غلط ہیں۔ ہم اہل حدیث کہلاتے ہیں صرف ہم ہی حق پر ہیں باقی سب باطل پہ ہیں۔ اللہ نے بتا دیا اگرچہ قرآن وسنت کا راستہ سیدھا راستہ ہی ہے مگر میرے ہاں سیدھے راستے کی پہچان یہ ہے کہ سیدھا راستہ وہ ہے جو میرے پیاروں (انعام یافتہ لوگوں) کا راستہ ہے اور یہ شخصیت پرستی بھی نہیں ہے کہ کوئی کہے قرآن وسنت کی بات کرنے کی بجائے بندوں کے پیچھے چلنے کا حکم دیا جا رہا ہے تو ثابت ہوا کہ جو بندوں کا راستہ ہے وہی خدا اور رسول کا اور قرآن وسنت کا راستہ ہے، جس کے ہاتھ میں بندوں کا دامن نہیں وہ لاکھ قرآن وسنت کی بات کرے اس کو سیدھے راستے سے تعلق ہی کیا ہے؟ اور بندے بھی وہ جو انعام یافتہ ہیں ورنہ تو ہر طرف بندے ہی بندے ہیں وہ بھی بندے ہیں جو اولئک کالا نعام بل هم اضل کا مصداق ہیں اور یہ بھی بندے ہیں کہ اذا رأ و اذکر اللہ کہ جب ان کو دیکھو خدا یاد آ جائے۔

اس طرف بھی آدمی ہیں اس طرف بھی آدمی
اُن کے جوتے پر چمک ہے اِن کے چہرے پر نہیں

اسی لئے فرمایا: تینوں جماعتوں میں بندے ہی تو ہیں مگر ایک طرف وہ ہیں جو افراط کا شکار ہیں (مغضوب علیهم) دوسری طرف وہ ہیں جو تفریط میں پڑے ہوئے ہیں (الضالین) مگر تمہارا راستہ ان کے درمیان ہے کیونکہ تم درمیانی امت ہو اور خیر الامور اوسطها۔ بہترین کام درمیانے ہی ہوتے ہیں۔

دو راستے اور ان پر چلنے والوں کا حال:

یاد رہے! راستے دو ہی ہیں خیر کا راستہ، شر کا راستہ، شیطان کا راستہ شر کا راستہ ہے اور رحمان کا راستہ خیر کا راستہ ہے۔ یا یوں کہہ لو کہ ایک راستہ مخلوق سے خالق کی طرف جاتا ہے یہ خطروں سے بھرپور راستہ ہے، اس راہ پہ بہت قافلے لٹ چکے ہیں کیونکہ ایمان کے ڈاکوؤں کا سردار ابلیس لعین اسی راستے پہ بیٹھا ہوا ہے اور اس نے پہلے دن ہی کہا تھا۔

لا قعدن لھم صراطك المستقیم۔ ثم لا تینھم من بین ایدیھم و من خلفھم و عن ایمانھم وعن شمائلھم ولا تجد اکثرھم شکرین۔

''میں ضرور تیرے بندوں (کو گمراہ کرنے) کی خاطر تیری سیدھی راہ پہ بیٹھوں گا، انہیں دائیں بائیں اور آگے پیچھے سے (حملہ آور ہوکر) گمراہ کروں گا اور تو اکثر کو ان میں سے ناشکرا پائے گا''۔

دوسرا راستہ وہ ہے جو خالق سے مخلوق کی طرف آتا ہے یہ گویا سرکاری راستہ ہے اس پہ جگہ جگہ محافظ ہیں حفاظتی چوکیاں اور حفاظت کا سامان موجود ہے اور وہ محافظ کون ہیں چار قسم کے انعام یافتہ لوگ ہیں۔ جن کا ذکر مندرجہ ذیل آیات میں ہے اور یہ وہ تفسیر ہے جو قرآن کی قرآن سے ہے کیونکہ القرآن یفسر بعضه بعضہ قرآن کی بعض آیات خود بعض دوسری آیات کی تفسیر کرتی ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

انعم اللّٰہ علیھم من النبین و الصدیقین و الشھداء و الصالحین۔

(النساء)

''جن پر اللہ نے انعام فرمایا وہ نبی، صدیق، شہید اور نیکوکار لوگ ہیں۔ اور جو اللہ ورسول کی اطاعت کرے گا وہ ان نفوس قدسیہ کے دامن سے وابستہ رہے گا''۔

وحسن اولئك رفیقا۔

''اور ان کا ساتھ کتنا پیارا اور حسین ساتھ ہے''۔

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

اولئك انعم اللّٰہ علیھم من النبین ...... سجدا وبکیا (مریم:58)

انعام یافتہ لوگ کون ہیں؟:

گویا فاتحہ میں جو بات اجمالاً فرمائی ان آیات میں اس کی تفصیل بیان کردی گئی۔ اور انعام یافتہ لوگوں میں سے گذشتہ امتوں کے انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کا

ذکر خیر فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما یہ دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ ہمیں ان لوگوں کی راہ پہ چلا جن پر تو نے اپنی اطاعت وعبادت کا انعام فرمایا اور پھر گذشتہ چار طبقوں کا ذکر کرتے۔ (جامع البیان جلد 1 صفحہ 59,58 عن ابن جریر بسندہ)

ہم بھی اپنے رب سے یہی دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ ہمیں ان لوگوں کی راہ پہ چلا جن پر تو نے اپنی اطاعت وعبادت کا انعام فرمایا اب ہم ان چار طبقوں کا ذکر شروع کرتے ہیں وماتوفیقی الا باللہ۔

انبیاء کرام علیہم السلام

لفظ نبی کا لغوی معنی:

نبی کا اصطلاحی معنیٰ اور نبوت کے متعلق عقائد جاننے سے پہلے ضروری ہے کہ اس لفظ کی لغوی تحقیق عرض کردی جائے چنانچہ لفظ بنی کے مادۂ اشتقاق میں تین احتمال ہیں۔ نبو، نبأ، نبیء۔ (نَبِیٌّ بروزن فعیل مہموز اللام)

پہلے مادے کے اعتبار سے معنیٰ ہے بلندی، چونکہ نبی جس قوم کی طرف نبی بن کر آتا ہے اس قوم کے ہر ہر فرد سے ہر لحاظ سے بلند ہوتا ہے اس لئے اس کو نبی کہا جاتا ہے۔

دوسرے مادے کے لحاظ سے نباء کا معنیٰ خبر ہے جیسا کہ فرمایا گیا عم یتساء لون عن النبأ العظیم الذی ھم فیہ مختلفون۔ اس میں نبأ کا معنیٰ ہے خبر۔

پھر ظاہر ہے نبی کا معنیٰ ہوگا خبر دینے والا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر خبر دینے والے کو نبی نہیں کہہ سکتے ورنہ تو اخبارات، ریڈیو اور ٹی وی وغیرہ تھوک کے حساب سے خبریں دیتے ہیں تو مطلب یہ ہوا کہ باقی ہر کوئی زمین کی خبر زمین پر دیتا ہے۔ اور نبی وہ ہوتا ہے جس کا قدم فرش پہ ہوتا ہے اور خبر عرش کی دیتا ہے، جو بیٹھا زمین پہ ہو خبر آسمان کی دیتا ہے، جو چوبیس گھنٹے بعد والے کل ہی کی نہیں کل قیامت کی خبریں بھی دیتا ہے۔

تیسرے مادہ کے اعتبار سے نبی کا معنیٰ ہے راستہ پھر نبی کو اس لئے نبی کہا جائے

گا کہ نبی مخلوق کو خالق تک پہنچانے کا واسطہ اور راستہ ہوتا ہے۔ (نبراس بر شرح عقائد)

جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کا ایک شعر جو کہ معروف منطقی اصطلاحات پر مشتمل ہے اس معنیٰ کی وضاحت کر رہا ہے۔

ذرے مہر قدس تک تیرے توسط سے گئے
حد اوسط نے کیا صغریٰ کو کبریٰ نور کا

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ لفظ نبی اصل میں "نباۃ" ہے جس کا معنیٰ ہے الصوت الخفی۔ مخفی آواز، اس کے لحاظ سے نبی کو نبی اس لئے کہیں گے کہ نبی ایسی آواز (وحی) کو سنتا ہے جو دوسروں پر مخفی ہوتی ہے۔

چاروں مادوں کے اعتبار سے جہاں نبی کے دیگر کمالات پہ روشنی پڑتی ہے وہاں بالخصوص علم نبوت کی فراوانی پر بھی واضح دلالت موجود ہے اسی لئے علماء فرماتے ہیں کہ خاص طور پہ حضور علیہ السلام کی علمی شان یہ ہے۔ کہ

انه لم یخرج من الدنیا حتی علمه الله بجمیع مغیبات الدنیا و الاخرة و لکن امر بکتم اشیاء منها

"وصال سے پہلے حضور علیہ السلام کو دنیا و آخرت کی ہر غیب شئی کا علم دے دیا گیا لیکن بعض اشیاء کو مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا"۔

(صاوی علی الجلالین زیر آیت یسئلونك عن الساعة ایان مرسها صفحہ 490)

نبی کا اصطلاحی معنیٰ:

یہ ہے کہ وہ نبی آدم یعنی انسان ہوتا ہے مذکر ہوتا ہے، آزاد ہوتا ہے۔ (غیر انسان، عورت، غلام وغیرہ نبی نہیں ہوسکتا) اس کی طرف وحی آتی ہے اور وہ لوگوں تک پیغام الٰہی پہنچاتا ہے، ایمانداروں کو جنت کی بشارت دیتا ہے اور کفار کو دوزخ سے ڈراتا ہے۔ اور معجزات کے ذریعے اس کی نبوت کو تائید حاصل ہوتی ہے۔

انبیاءکرام کے بارے میں ہمیں کیسا عقیدہ رکھنا چاہیے؟

یاد رہے کہ ایک مسلمان کیلئے جس طرح ذات وصفات کا جاننا ضروری ہے کہ کسی ضروری بات کا انکار یا محال کا اثبات اسے کافر نہ کردے، اسی طرح یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ نبی کیلئے کیا جائز اور کیا واجب اور کیا محال ہے کیونکہ واجب کا انکار اور محال کا اقرار موجب کفر ہے۔ اور بہت ممکن ہے کہ آدمی نادانی سے حق کے خلاف عقیدہ اپنائے یا زبان سے قول کرے اور اس کا ایمان ضائع ہو جائے۔ لہٰذا ہم اختصار کے ساتھ ان عقائد کا ذکر کررہے ہیں کہ انبیاءکرام کی ذوات قدسیہ کے ساتھ جو عقائد متعلقہ ہیں۔

نبوت ورسالت سے متعلقہ عقائد:

1- اللہ عزوجل پر نبی کا بھیجنا واجب نہیں۔ اس نے اپنے فضل وکرم سے لوگوں کی ہدایت کیلئے انبیاء بھیجے۔

2- نبی ہونے کیلئے اس پر وحی ہونا ضروری ہے۔ خواہ فرشتہ کی معرفت ہو یا بلاواسطہ۔

3- بہت سے نبیوں پر اللہ تعالیٰ نے صحیفے اور آسمانی کتابیں اتاریں، ان میں سے چار کتابیں بہت مشہور ہیں۔ تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر، زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر، انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر قرآن عظیم جو سب سے افضل کتاب ہے سب سے افضل رسول حضور پرنور احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ کلام الٰہی میں بعض کا بعض سے افضل ہونا کے یہ معنی ہیں کہ ہمارے لئے اس میں ثواب زائد ہے ورنہ اللہ ایک، اس کا کلام ایک، اس میں افضل ومفضول کی گنجائش نہیں۔ یاد رہے کہ پہلی کتابیں صرف نبیوں کو ہی یاد ہوتی تھیں یہ قرآن پاک کا معجزہ ہے کہ بچہ بچہ اس کو حفظ کئے ہوئے ہے۔

4- وحی نبوت انبیاء کیلئے خاص ہے جو اسے کسی غیر نبی کیلئے مانے کافر ہے نبی کو خواب میں جو چیز بتائی جائے وہ بھی وحی ہے اس کے جھوٹے ہونے کا احتمال

نہیں۔ ولی کے دل میں بعض وقت سوتے یا جاگتے میں کوئی بات القا ہوتی ہے اس کو الہام کہتے ہیں۔ اور وحی شیطانی جو القا من جانب شیطان ہو، یہ کاہن ساحر اور دیگر کفار و فساق کیلئے ہوتی ہے۔

5- نبوت کسبی نہیں کہ آدمی عبادت و ریاضت کے ذریعہ سے حاصل کر سکے بلکہ محض عطیۂ الٰہی ہے کہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے دیتا ہے۔ ہاں دیتا اسی کو ہے جسے اس منصب عظیم کے قابل بناتا ہے۔ جو قبل حصول نبوت تمام اخلاق رذیلہ سے پاک اور تمام اخلاق فاضلہ سے مزین ہو کر جملہ مدارج ولایت طے کر چکا ہوتا ہے اور اپنے نسب و حسب و قول و فعل و حرکات و سکنات میں ہر ایسی بات سے منزہ ہوتا ہے جو باعث نفرت ہو۔ اسے عقل کامل عطا کی جاتی ہے جو اوروں کی عقل سے بدر جہا زاید ہے۔ کسی حکیم اور کسی فلسفی کی عقل اس کے لاکھویں حصہ تک نہیں پہنچ سکتی۔ اللّٰہ اعلم حیث یجعل رسالتہ۔ (124,6) ذالك فضل اللّٰہ یوتیه من یشآء و اللّٰہ ذو الفضل العظیم۔ (4,62) اور جو نبوت کو کسبی مانے کہ آدمی اپنے کسب و ریاضت سے منصب نبوت تک پہنچ سکتا ہے کافر ہے۔

6- جو شخص نبی سے نبوت کا زوال جائز جانے کافر ہے۔

نبی کی عصمت کا عقیدہ:

نبی کا معصوم ہونا ضروری ہے اور یہ عصمت نبی اور ملک (فرشتے) کا خاصہ ہے یعنی نبی اور فرشتہ کے سوا کوئی معصوم نہیں۔ اماموں کو انبیاء کی طرح معصوم سمجھنا گمراہی اور بددینی ہے۔ عصمت انبیاء کے یہ معنی ہیں کہ ان کیلئے حفظ الٰہی کا وعدہ ہے جس کے سبب ان سے صدور گناہ شرعاً محال ہے بخلاف ائمہ و اکابر اولیاء کہ اللہ عزوجل انہیں محفوظ رکھتا ہے۔ ان سے گناہ ہوتا نہیں مگر ہو تو شرعاً محال بھی نہیں۔

چنانچہ امام قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ذهب طائفة من محققي الفقهاء و المتكلمين الى العصمة من

الصغائر کالعصمة من الکبائر۔ (نبراس صفحہ 453)

"انبیاء کرام ہر قسم کے صغائر و کبائر سے معصوم ہوتے ہیں یہ محققین، فقہا، اور متکلمین کا مؤقف ہے"۔

چنانچہ بہار شریعت میں اس عقیدے کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

انبیاء علیہم السلام شرک و کفر اور ایسے امر سے جو خلق کیلئے باعث نفرت ہو جیسے کذب و خیانت و جہل وغیر یا صفات ذمیمہ سے نیز ایسے افعال سے جو وجاہت اور مروت کے خلاف ہیں قبل نبوت اور بعد نبوت بالاجماع معصوم ہیں۔ اور کبائر سے بھی مطلقاً معصوم ہیں اور حق یہ ہے کہ عمداً صغائر سے بھی قبل نبوت اور بعد نبوت معصوم ہیں۔

8- اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام پر بندوں کیلئے جتنے احکام نازل فرمائے انہوں نے وہ سب پہنچا دیئے جو یہ کہے کہ کسی حکم کو کسی نبی نے چھپا رکھا تقیہ یعنی خوف کی وجہ سے یا اور کسی وجہ سے نہ پہنچایا کافر ہے۔

9- احکام تبلیغیہ میں انبیاء سے سہو و نسیان محال ہے۔

10- ان کے جسم کا برص و جذام وغیرہ ایسے امراض سے جن سے تنفر ہوتا ہے پاک ہونا ضروری ہے۔

علمِ غیب نبوت:

اللہ عزوجل نے انبیاء علیہم السلام کو اپنے غیوب پر اطلاع دی۔ زمین و آسمان کا ہر ذرہ ہر نبی کے پیش نظر ہے۔ مگر یہ علم غیب جو ان کو ہے صرف اللہ کے دیئے سے ہے لہٰذا ان کا علم عطائی ہوا اور علم عطائی اللہ عزوجل کیلئے محال ہے کیونکہ اس کی کوئی صفت کوئی کمال کسی کا دیا ہوا نہیں ہو سکتا بلکہ ذاتی ہے جو لوگ انبیاء بلکہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے مطلق علم غیب کی نفی کرتے ہیں وہ قرآن عظیم کی اس آیت کے مصداق ہیں۔ افتؤمنون ببعض الکتب و تکفرون ببعض۔ (85:6) یعنی قرآن عظیم کی بعض باتیں مانتے ہیں اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہیں کہ آیت نفی دیکھتے ہیں اور ان آیتوں کا جن میں انبیاء علیہم السلام

کوعلوم غیب عطا کیا جانا بیان کیا گیا ہے۔ انکار کرتے ہیں حالانکہ نفی واثبات دونوں حق ہیں کہ نفی علم ذاتی کی ہے جو کہ خاصہ الوہیت ہے اثبات عطائی کا ہے کیونکہ یہ انبیاء ہی کی شایان شان ہے اور منافی الوہیت ہے اور یہ کہنا کہ ہر ذرہ کا علم نبی کیلئے مانا جائے تو خالق ومخلوق کے علم میں مساوات لازم آئے گی، باطل محض ہے کہ مساوات تو جب لازم آئے کہ اللہ ﷻ کیلئے بھی اتنا ہی علم ثابت کیا جائے اور یہ نہ کہے گا مگر کافر۔ ذرات عالم متناہی ہیں اور اللہ کا علم غیر متناہی ورنہ جہل لازم آئے گا اور یہ محال ہے کیونکہ خدا جہل سے پاک ہے نیز ذاتی وعطائی کا فرق بیان کرنے پر بھی مساوات کا الزام دینا صراحۃً ایمان واسلام کے خلاف ہے کیونکہ اگر اس فرق کے ہوتے ہوئے مساوات ہو جایا کرے تو لازم آئے گا کہ ممکن و واجب، وجود میں معاذ اللہ مساوی ہو جائیں کہ ممکن بھی موجود ہے اور واجب بھی موجود اور وجود میں مساوی کہنا صریح کفر کھلا، شرک ہے۔ انبیاء علیہم السلام غیب کی خبر دینے کیلئے ہی آتے ہیں یہ جنت ونار وحشر ونشر وعذاب وثواب غیب نہیں تو اور کیا ہیں ان کا منصب ہی یہ ہے کہ وہ باتیں ارشاد فرمائیں جن تک عقل وحواس کی رسائی نہیں اور اسی کا نام غیب ہے اولیاء کو بھی علم غیب عطائی ہوتا ہے مگر بواسطہ انبیاء کے۔

12- انبیائے کرام تمام مخلوق یہاں تک کہ رسل ملائکہ سے افضل ہیں۔ ولی کتنا ہی بڑے مرتبہ والا ہو کسی نبی کے برابر نہیں ہو سکتا ہے جو کسی غیر نبی کو کسی نبی سے افضل یا برابر بتائے وہ کافر ہے۔

13- نبی کی تعظیم فرض عین بلکہ اصل تمام فرائض ہے۔ کسی نبی کی ادنیٰ توہین یا تکذیب کفر ہے۔

جن نبیوں کا ذکر قرآن پاک میں ہے:

حضرت آدم علیہ السلام سے ہمارے حضور سید عالم ﷺ تک اللہ تعالیٰ نے بہت سے نبی بھیجے۔ بعض کا صریح ذکر قرآن مجید میں ہے اور بعض کا نہیں۔ جن کے اسمائے طیبہ

بالتصریح قرآن مجید میں ہیں وہ یہ ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت الیاس علیہ السلام، حضرت الیسع علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام، حضرت ادریس علیہ السلام، حضرت ذوالکفل علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضور سید المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

15- حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بے ماں باپ کے مٹی سے پیدا کیا اور اپنا خلیفہ بنایا اور تمام اسماء مسمیات کا علم دیا۔ ملائکہ کو حکم دیا کہ ان کو سجدہ کریں سب نے سجدہ کیا۔ شیطان کہ از قسم جن تھا مگر بہت بڑا عابد و زاہد تھا یہاں تک کہ گروہ ملائکہ میں اس کا شمار تھا انکار پیش آیا ہمیشہ کیلئے مردود ہوا۔

16- حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے انسان کا وجود نہ تھا بلکہ سب انسان انہیں کی اولاد ہیں اسی وجہ سے انسان کو آدمی کہتے ہیں یعنی اولادِ آدم۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کو ابوالبشر کہتے ہیں یعنی سب انسانوں کے باپ۔

17- سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہوئے اور سب سے پہلے رسول جو کفار پر بھیجے گئے حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے ساڑھے نو سو برس ہدایت فرمائی۔ ان کے زمانہ کے کفار بہت سخت تھے۔ ہر قسم کی تکلیفیں پہنچاتے۔ استہزاء کرتے اتنے عرصہ میں گنتی کے لوگ مسلمان ہوئے باقیوں کو جب ملاحظہ فرمایا کہ ہرگز اصلاح پذیر نہیں ہٹ دھرمی اور کفر سے باز نہ آئیں گے، مجبور ہو کر اپنے رب کے حضور ان کی ہلاکت کی دعا کی۔ طوفان آیا اور ساری زمین ڈوب گئی صرف وہ گنتی کے مسلمان اور ہر جانور کا ایک ایک جوڑا جو کشتی میں لے لیا گیا تھا بچ گئے۔

18- انبیاء کی کوئی تعداد معین کرنا جائز نہیں کیونکہ خبریں اس باب میں مختلف ہیں اور

تعداد معین پر ایمان رکھنے میں نبی کو نبوت سے خارج ماننے یا غیر نبی کو نبی جاننے کا احتمال ہے اور یہ دونوں باتیں کفر ہیں۔لہٰذا یہ اعتقاد چاہیے کہ اللہ کے ہر نبی پر ہمارا ایمان ہے۔

19- نبیوں کے مختلف درجے ہیں۔بعض کو بعض پر فضیلت ہے اور سب سے افضل ہمارے آقا و مولیٰ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔حضور کے بعد سب سے بڑا مرتبہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا ہے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور پھر حضرت نوح علیہ السلام کا ان حضرات کو مرسلین اولوالعزم کہتے ہیں۔اور یہ پانچوں حضرات باقی تمام انبیاء و مرسلین، انس و ملک و جن و جمیع مخلوقات الٰہی سے افضل ہیں جس طرح حضور تمام رسولوں کے سردار اور سب سے افضل ہیں، بلاتشبیہ حضور علیہ السلام کے صدقہ میں حضور کی امت تمام امتوں سے افضل ہے۔

20- جو شخص نبی نہ ہو اور نبوت کا دعویٰ کرے وہ دعویٰ کر کے کوئی محال عادی اپنے دعویٰ کے مطابق ظاہر نہیں کر سکتا ورنہ جھوٹے سچے میں فرق نہ رہے گا۔

21- تمام انبیاء اللہ عزوجل کے حضور عظیم وجاہت و عزت والے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک معاذ اللہ چوہڑے چمار کی مثل کہنا کھلی گستاخی اور کلمہ کفر ہے۔

22- نبی کے دعویٰ نبوت میں سچے ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ نبی اپنے صدق کا اعلانیہ دعویٰ فرما کر محالات عادیہ کے ظاہر کرنے کا ذمہ لیتا اور منکروں کو اس کے مثل کی طرف بلاتا ہے۔اللہ عزوجل اس کے دعویٰ کے مطابق امر محال عادی ظاہر فرما دیتا ہے اور منکرین سب عاجز رہتے ہیں۔اس کو ''معجزہ'' کہتے ہیں جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی ناقہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا سانپ ہو جانا اور ید بیضا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو جلا دینا اور مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دینا۔اور ہمارے حضور کے معجزے تو بہت ہیں۔

معجزہ، ارہاص، استدراج، معونت اور اہانت میں فرق:

نبی سے جو بات خلاف عادت قبل نبوت ظاہر ہو اس کو "ارہاص" کہتے ہیں ولی سے جو ایسی بات صادر ہو اس کو کرامت کہتے ہیں اور عام مومنین سے جو صادر ہو اسے معونت کہتے ہیں۔ اور بیباک فجار یا کفار سے جو ان کے موافق ظاہر ہو اس کو استدراج کہتے ہیں اور ان کے خلاف ظاہر ہو تو "اہانت" ہے۔

حیات النبی کا عقیدہ:

انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں اسی طرح بحیات حقیقی زندہ ہیں جیسے دنیا میں تھے۔ کھاتے پیتے ہیں جہاں چاہیں آتے جاتے ہیں تصدیق وعدہ الٰہیہ کیلئے ایک آن کو ان پر موت طاری ہوئی پھر بدستور زندہ ہو گئے۔ ان کی حیات، حیات شہداء سے بہت ارفع واعلیٰ ہے اسی لیے شہید کا ترکہ تقسیم ہوگا۔ اس کی بیوی بعد عدت نکاح کر سکتی ہے بخلاف انبیاء کے کہ وہاں یہ جائز نہیں یہاں تک جو عقائد بیان ہوئے ہیں ان میں تمام انبیاء علیہ السلام شریک ہیں۔ اب بعض وہ امور جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں ہیں بیان کیے جاتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلقہ عقائد:

21- اور انبیاء کی بعثت خاص کسی ایک قوم، قبیلے، علاقے کی طرف ہوئی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق انسان وجن بلکہ ملائکہ، حیوانات، جمادات، سب کی طرف مبعوث ہوئے۔ جس طرح انسان کے ذمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فرض ہے، یوں ہی ہر مخلوق پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمان برداری ضروری ہے۔

22- حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ملائکہ وانس، جن وحور، غلمان وحیوانات وجمادات، غرض تمام عالم کیلئے رحمت ہیں اور مسلمانوں پر تو نہایت ہی مہربان ہیں۔

23- حضور خاتم النبین ہیں یعنی اللہ عزوجل نے سلسلہ نبوت حضور پر ختم کر دیا کہ حضور

کے زمانہ میں یا بعد کوئی نیا نبی نہیں ہو سکتا۔ جو شخص حضور ﷺ کے زمانہ میں یا حضور کے بعد کسی کو نبوت ملنا مانے یا جائز جانے کافر ہے۔

24- حضور افضل جمیع مخلوق الٰہی ہیں اس طرح کہ اوروں کو فرداً فرداً جو کمالات عطا ہوئے حضور میں وہ سب جمع کر دیئے گئے اور ان کے علاوہ حضور کو وہ کمالات ملے جن میں کسی کا حصہ نہیں بلکہ اوروں کو جو کچھ ملا حضور ﷺ کے طفیل میں بلکہ حضور علیہ السلام کے دست اقدس سے ملا بلکہ کمال اس لئے کمال ہوا کہ حضور کی صفت ہے اور حضور اپنے رب کے کرم سے اپنے نفس ذات میں کامل و اکمل ہیں۔ حضور کا کمال کسی وصف سے نہیں بلکہ اس وصف کا کمال ہے کہ کامل کی صفت بن کر خود کمال و کامل و مکمل ہو گیا کہ جس میں پایا جائے اس کو کامل بنا دے۔

25- محال ہے کہ کوئی حضور ﷺ کا مثل ہو جو کسی صفت خاصہ میں کسی کو حضور کا مثل بتائے گمراہ ہے یا کافر۔

26- حضور ﷺ کو اللہ عزوجل نے مرتبہ محبوبیت کبریٰ سے سرفراز فرمایا کہ باقی تمام خلق جو یائے رضائے مولیٰ ہیں اور اللہ عزوجل طالب رضائے مصطفیٰ ﷺ۔

27- حضور ﷺ کے خصائص سے معراج ہے جو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور وہاں سے ساتوں آسمان اور کرسی و عرش تک بلکہ بالائے عرش رات کے ایک معمولی سے حصہ میں مع جسم تشریف لے گئے اور وہ قرب خاص حاصل ہوا کہ کسی بشر و ملک کو کبھی نہ حاصل ہوا، نہ ہو گا اور جمال الٰہی بچشم سر دیکھا اور کلام الٰہی بلا واسطہ سنا اور تمام ملکوت السموت و الارض کو بالتفصیل ذرہ ذرہ ملاحظہ فرمایا۔

28- تمام مخلوق اولین و آخرین حضور کی نیاز مند ہے یہاں تک کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام بھی۔

حضور علیہ السلام کی شفاعت کا عقیدہ:

(شفاعت کا ذکر آپ چھٹے درس میں تفصیل سے پڑھ چکے ہیں یہاں صرف

شفاعت کے بارے میں عقیدۂ اسلام بیان کیا جاتا ہے) قیامت کے دن مرتبہ شفاعت کبریٰ حضور علیہ السلام کے خصائص سے ہے کہ جب تک حضور فتح باب شفاعت نہ فرمائیں گے کسی کو مجال شفاعت نہ ہوگی بلکہ حقیقتاً جتنے شفاعت کرنے والے ہیں حضور علیہ السلام کے دربار میں شفاعت لائیں گے اور اللہ عزوجل کے حضور مخلوقات میں صرف حضور شفیع ہیں اور یہ شفاعت کبریٰ مومن، کافر، مطیع، عاصی، سب کیلئے ہے کہ وہ انتظار حساب جو سخت جانگزا ہوگا جس کیلئے لوگ تمنائیں کریں گے کہ کاش جہنم میں پھینک دیئے جاتے اور اس انتظار سے نجات پاتے۔ اس بلا۔ سے چھٹکارا کفار کو بھی حضور کی بدولت ملے گا جس پر اولین وآخرین، موافقین ومخالفین، مؤمنین وکافرین، سب حضور کی حمد کریں گے اسی کا نام مقام محمود ہے۔ اور شفاعت کے اور اقسام بھی ہیں مثلاً بہتوں کو بلا حساب جنت میں داخل فرمائیں گے جن میں چار ارب نوے کروڑ کی تعدد معلوم ہے۔ اس سے بہت زائد اور ہیں جو اللہ ورسول کے علم میں ہیں۔ بہتیرے وہ ہوں گے جن کا حساب ہو چکا ہے اور مستحق جہنم ہو چکے ان کو جہنم سے بچائیں گے اور بعضوں کی شفاعت فرما کر جہنم سے نکالیں گے اور بعضوں کے درجات بلند فرمائیں گے اور بعضوں سے تخفیف عذاب فرمائیں گے۔

30- ہر قسم کی شفاعت حضور کیلئے ثابت ہے شفاعت بالوجاہتہ، شفاعت بالمحبتہ شفاعت بالاذن، ان میں سے کسی کا انکار وہی کرے گا جو گمراہ ہے۔

31- منصب شفاعت حضور کو دیا جا چکا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"اعطیت الشفاعة"۔

اور آپ کا رب فرماتا ہے:

و استغفر لذنبك و للمؤمنين و المؤمنٰت۔ (19:47)

''مغفرت چاہو اپنے خاصوں کے گناہوں اور عام مومنین ومومنات کے گناہوں کی''۔

شفاعت اور کس کا نام ہے۔

"(اللھم ارزقنا شفاعة حبيبك الكريم) يوم لا ينفع مال ولا بنون الا من اتى الله بقلب سليم"۔(89.88:26)

شفاعت کے بعض احوال نیز دیگر خصائص جو قیامت کے دن ظاہر ہوں گے احوال آخرت میں انشاءاللہ تعالیٰ بیان ہوں گے۔

حضور علیہ السلام کی محبت واطاعت کا عقیدہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت مدار ایمان بلکہ ایمان کی جان اور ایمان اسی محبت ہی کا نام ہے۔ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ماں باپ اولاد اور تمام جہان سے زیادہ نہ ہو آدمی مسلمان نہیں ہوسکتا۔

33- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت عین طاعت الٰہی ہے۔ طاعت الٰہی بے طاعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناممکن ہے یہاں تک کہ آدمی اگر فرض نماز میں ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے یاد فرمائیں تو فوراً جواب دے اور حاضر خدمت ہو اور یہ شخص کتنی ہی دیر تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرے بدستور نماز میں ہے اس سے نماز میں کوئی خلل نہیں۔

حضور علیہ السلام کی تعظیم وتوقیر کا عقیدہ:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم یعنی اعتقاد عظمت جزو ایمان و رکن ایمان ہے۔ اور فعل تعظیم بعد ایمان ہر فرض سے مقدم ہے۔ اس کی اہمیت کا پتا اس حدیث سے چلتا ہے۔ کہ غزوہ خیبر سے واپسی میں منزل صہبا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر پڑھ کر مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کے زانو پر سر مبارک رکھ کر آرام فرمایا۔ مولیٰ علی نے نماز عصر نہ پڑھی تھی آنکھ سے دیکھ رہے تھے کہ وقت جارہا ہے مگر اس خیال سے کہ زانو سر سے نکالوں تو شاید خواب مبارک میں خلل آئے زانو نہ ہٹایا یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوگیا۔ جب چشم اقدس کھلی مولیٰ علی نے اپنی نماز کا حال عرض کیا۔ حضور نے حکم دیا، ڈوبا ہوا آفتاب

پلٹ آیا، مولیٰ علی نے نماز ادا کی آفتاب پھر ڈوب گیا، اس سے ثابت ہوا کہ افضل العبادات نماز اور وہ بھی صلوٰۃ وسطیٰ نماز عصر مولیٰ علی نے حضور کی نیند پر قربان کر دی کہ عبادتیں بھی ہمیں حضور ہی کے صدقہ میں ملیں۔ دوسری حدیث اس کی تائید میں یہ ہے کہ غار ثور میں پہلے صدیق اکبر صلی اللہ علیہ وسلم گئے۔ اپنے کپڑے پھاڑ پھاڑ کر اس کے سوراخ بند کر دیئے۔ ایک سوراخ باقی رہ گیا اس میں پاؤں کا انگوٹھا رکھ دیا پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا۔ تشریف لے گئے اور ان کے زانو پر سر اقدس رکھ کر آرام فرمایا۔ اس غار میں ایک سانپ مشتاق زیارت رہتا تھا اس نے اپنا سر صدیق اکبر کے پاؤں پر ملا۔ انہوں نے اس خیال سے کہ حضور کی نیند میں فرق نہ آئے پاؤں نہ ہٹایا۔ آخر اس نے پاؤں میں کاٹ لیا جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے آنسو چہرہ انور پر گرے، چشم مبارک کھلی تو عرض حال کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لعاب دہن لگا دیا فوراً آرام آ گیا ہر سال وہ زہر عود کرتا بارہ برس بعد اسی سے شہادت پائی۔

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں
اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

❁ حضور کی تعظیم و توقیر جس طرح اس وقت تھی کہ حضور اس عالم میں ظاہری نگاہوں کے سامنے تشریف فرما تھے، اب بھی اسی طرح فرض اعظم ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آئے تو بکمال خشوع و خضوع و انکسار باادب سنے اور نام پاک سنتے ہی درود شریف پڑھنا واجب ہے۔ (اللھم صل علیٰ سیدنا و مولانا محمد معدن الجود و الکرم و اٰلہ و صحبہ العظام و بارک وسلم) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی علامت یہ ہے کہ بکثرت ذکر کرے اور درود شریف کی کثرت کرے اور نام پاک لکھے تو اس کے بعد صلی اللہ علیہ وسلم لکھے۔ بعض لوگ برائے اختصار صلعم لکھتے ہیں یہ محض ناجائز و حرام ہے۔ اور محبت کی یہ بھی علامت ہے کہ آل و اصحاب، مہاجرین و انصار و جمیع متعلقین و متوسلین سے محبت رکھے اور حضور کے

دشمنوں سے عداوت رکھے اگر چہ وہ اپنا باپ یا بیٹا یا بھائی یا کنبہ کے کیوں نہ ہوں اور جو ایسا نہ کرے وہ اس دعوئ میں جھوٹا ہے۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اپنے سب عزیزوں، قریبوں، باپ، بھائیوں، اور وطن کو چھوڑا اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ورسول کریم سے بھی محبت ہو اور ان کے دشمنوں سے بھی الفت۔ ایک کو اختیار کر کیونکہ ضدین جمع نہیں ہوسکتیں۔ چاہے جنت کی راہ چل یا جہنم کو جا۔ نیز علامت محبت یہ ہے کہ شان اقدس میں جو الفاظ استعمال کئے جائیں ادب میں ڈوبے ہوئے ہوں کوئی ایسا لفظ جس میں کم تعظیمی کی بو بھی ہو کبھی زبان پر نہ لائے اگر حضور کو پکارے تو نام پاک کے ساتھ ندا نہ کرے کہ یہ جائز نہیں بلکہ یوں کہے یا نبی اللہ یا رسول اللہ، یا حبیب اللہ، اگر مدینہ طیبہ کی حاضری نصیب ہو تو روضہ شریف کے سامنے چار ہاتھ کے فاصلہ پر دستہ بستہ جیسے نماز میں کھڑا ہوتا ہے کھڑا ہو کر سر جھکائے ہوئے صلوٰۃ و سلام عرض کرے بہت قریب نہ جائے نہ ادھر ادھر دیکھے اور خبردار خبردار! آواز بلند نہ کرنا کہ عمر بھر کا سارا کیا دھرا اکارت جائے گا۔ اور محبت کی یہ نشانی بھی ہے کہ حضور کے اقوال وافعال واحوال لوگوں سے دریافت کرے اور ان کی پیروی کرے۔

36- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول وفعل وعمل وحالت کو جو بہ نظر حقارت دیکھنا کفر ہے۔

حضور علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نائب مطلق ہیں:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عزوجل کے نائب مطلق ہیں۔ تمام جہان حضور کے تحت تصرف کر دیا گیا جو چاہیں کریں جسے چاہیں دیں جس سے جو چاہیں واپس لیں۔ تمام جہان میں ان کے حکم کا پھیرنے والا کوئی نہیں۔ تمام جہان ان کا محکوم ہے اور وہ اپنے رب کے سوا کسی کے محکوم نہیں۔ تمام آدمیوں کے مالک ہیں جو انہیں اپنا مالک نہ جانے حلاوت سنت سے محروم ہے۔ تمام زمین حضور کی ملک ہے، تمام جنت ان کی جاگیر

ہے، ملک السموت و الارض حضور کے زیر فرمان، جنت و نار کی کنجیاں دست اقدس میں دے دی گئیں، رزق و خیر اور ہر قسم کی عطائیں حضور ہی کے دربار سے تقسیم ہوتی ہیں۔ دنیا و آخرت حضور ﷺ کی عطا کا ایک حصہ ہے احکام تشریعیہ حضور کے قبضہ میں کر دیئے گئے کہ جس پر جو چاہیں حرام فرما دیں اور جس کیلئے جو چاہیں حلال کر دیں اور جو فرض چاہیں معاف فرما دیں۔

سب نبی حضور علیہ السلام کے نائب ہیں:

سب سے پہلے مرتبہ نبوت حضور ﷺ کو ملا، روز میثاق تمام انبیاء سے حضور پر ایمان لانے اور حضور کی نصرت کرنے کا عہد لیا گیا اور اسی شرط پر یہ منصب اعظم ان کو دیا گیا۔ حضور نبی الانبیاء ہیں اور تمام انبیاء حضور کے امتی سب نے اپنے اپنے عہد کریم میں حضور کی نیابت میں کام کیا۔ اللہ عزوجل نے حضور کو اپنی ذات کا مظہر بنایا اور حضور کے نور سے تمام عالم کو منور فرمایا بایں معنی ہر جگہ حضور تشریف فرما ہیں۔

کالشمس فی وسط السماء و نورها
یغشی البلاد مشارقاً و مغارباً

مگر کور باطن کا کیا علاج۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم　　　چشمہ آفتاب را چہ گناہ

نبوت کے متعلق ایک نہایت ہی ضروری عقیدہ:

انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے جو لغزشیں واقع ہوئیں ان کا ذکر تلاوت قرآن و روایت حدیث کے سوا حرام اور سخت حرام ہے۔ اوروں کو ان سرکاروں میں لب کشائی کی کیا مجال۔ مولیٰ عزوجل ان کا مالک ہے جس محل پر جس طرح چاہے تعبیر فرمائے۔ وہ اس کے پیارے بندے ہیں اپنے رب کیلئے جس قدر چاہیں تواضع فرمائیں دوسرا ان کلمات کو سند نہیں بنا سکتا اور جو ان کا اطلاق کرے گا تو مردود بارگاہ ہوگا پھر ان

کے یہ افعال جن کو ذلت ولغزش سے تعبیر کیا جائے ہزار ہا حکم ومصالح پر مبنی ہزار ہا فوائد وبرکات کے مثمر ہوتے ہیں۔ایک لغزش اپنے باپ آدم علیہ السلام کی دیکھئے اگر وہ نہ ہوتی جنت سے نہ اترتے دنیا آباد نہ ہوتی، نہ کتابیں اترتیں، نہ رسول آتے نہ جہاد ہوتے لاکھوں کروڑوں ثوابوں کے دروازے بند رہتے ان سب کا فتح باب ایک لغزش آدم کا نتیجہ مبارکہ وثمرہ طیبہ ہے بالجملہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی لغزش من وتو کس شمار میں ہیں صدیقین کی حسنات سے افضل واعلیٰ ہے۔(حسنات الابرار سیات المقربین)

(بہار شریعت جلد 1)

نبیوں کا راستہ کونسا ہے؟:

انبیاء کرام علیہم السلام کا راستہ یہ ہے کہ وہ کسی دنیوی مفاد کے بغیر اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ واشاعت کیلئے اپنے مال وجان کی قربانی دیتے ہیں جیسا کہ لا اسئلکم علیه اجراً (شوریٰ:23) سے ثابت ہے۔ان کے راستے میں بڑے بڑے فرعون ونمرود، شداد وقارون، ابوجہل وابولہب آتے رہے مگر اُن کی استقامت کے سامنے اِن کی کوئی دال نہ گلی۔اللہ کی طرف سے لائے ہوئے دین کے راستے میں آنے والی ہر مصیبت کا مقابلہ بڑی جرأت کے ساتھ کرتے رہے کسی کو آگ میں ڈالا گیا، کسی کو آرے سے چیرا گیا، کوئی شدید بیماری میں مبتلا ہوا، ہمارے آقا علیہ السلام کو طائف کے بھرے بازار میں دین حق کی خاطر لہولہان کیا گیا۔مکہ جیسے بابرکت شہر سے نکالا گیا مگر آپ نے دین کا جھنڈا بلند رکھا اور بڑی استقامت کے ساتھ نعرۂ توحید ورسالت بلند کرتے رہے۔

اگر ان کو حکومت بھی ملی تو ساری دنیا کے حکمران بن کر بھی اللہ کی اطاعت وعبادت سے ذرہ برابر غافل نہ رہے۔اور کبھی ایک لمحہ کیلئے بھی اللہ کی مخلوق میں عدل وانصاف کے راستے سے نہ ہٹے۔مچھلی کے پیٹ میں رہ کر بھی یونس علیہ السلام اللہ کی تسبیح وتہلیل بیان کرتے رہے۔حسن وجمال کا پیکر گم کر کے بھی یعقوب علیہ السلام صبر جمیل پر کار بند رہے، صاحب جمال واقتدار عورت کی دعوت کے باوجود بھی یوسف علیہ السلام نے قید

میں جانا تو منظور کر لیا لیکن اپنی عصمت کو داغدار نہ ہونے دیا۔ بچپن کی حالت میں اپنی گردن پہ چھری کا چلنا تو قبول ہے مگر خدا کے حکم سے بال برابر بھی سرتابی اسماعیل علیہ السلام کو گوارا نہیں ہے۔ علم کے حصول کیلئے اگر موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کے پاس بھی جانا پڑا تو اپنے مرتبے اور مقام کو رکاوٹ نہ بننے دیا اور اس میں کوئی عار نہ سمجھی۔ باپ (داؤد علیہ السلام) نے اگر اپنے فیصلے کے مقابلے میں بیٹے (سلیمان علیہ السلام) کے فیصلے کو حق جانا تو ان کا مؤقف قبول کرنے میں جھجک محسوس نہ کی۔

صدیقوں کا راستہ:

یہ وہ خوش نصیب لوگ ہیں کہ اپنے نبیوں کا ساتھ دینے پر ان پر مصائب و آلام کے پہاڑ گرائے گئے طرح طرح کے ظلم کیے گئے، گھر سے بے گھر کیا گیا، انہوں نے سب کچھ گوارہ کر لیا مگر دامن نبوت کو اخلاص کے ساتھ تھامے رکھا اور حق کا ساتھ دیتے رہے۔ اس ضمن میں ہر نبی اللہ کے صحابہ کے حالات پڑھے جا سکتے ہیں اور قرآن پاک میں اصحاب عیسیٰ (اصحاب کہف) کا واقعہ تو کوئی بھی نہیں جھٹلا سکتا مگر یہاں پہ حضور علیہ السلام کے صحابہ کرام میں سے صرف ایک صحابی کا ذکر بطور مثال کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

انعام یافتہ بندوں میں سے ایک بندہ:

انبیاء کرام کے بعد انعام یافتہ لوگوں کی فہرست میں دوسرا نام ان کے مخلص ترین ساتھیوں کا ہے جن کے راستے پہ چلنے کی ہر نماز کی ہر رکعت میں ہم دعا کرتے ہیں اگرچہ بعض لوگ نماز میں دعا کر کے سلام پھیرتے ہی بجائے ان ذوات قدسیہ کے حق میں دعا کرنے کے ان پر تبرا کرنا، ان کی عیب جوئی اور ان سے برأت کا اظہار کرنا اپنے دین کا رکن سمجھتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ ابھی نماز میں تو میں ان کی پیروی کی دعا کر رہا تھا۔ ؎ شرم تم کو مگر نہیں آتی

حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ ایک ٹانگ سے معذور (یعنی لنگڑے) تھے اور ان

کے چار صاحبزادے حضور ﷺ کی خدمت میں غزوات و جہاد میں حاضری دیتے رہتے تھے۔ جب انہوں نے چاہا کہ غزوہ احد میں اپنی قوم کی موافقت کریں تو لوگوں نے کہا کہ تم لنگڑے شخص ہو اور قرآن میں آپ کو معذور قرار دیا گیا ہے: "ولیس علی الاعرج حرج" "لنگڑے پر کوئی مواخذہ نہیں ہے"۔ تمہارے چار فرزند تو حضور ﷺ کی خدمت میں موجود ہیں۔ انہوں نے کہا ان کی کتنی خوش نصیبی ہے کہ میرے فرزند تو جنت میں چلے جائیں اور میں تمہارے سامنے بیٹھا رہوں۔ ان کی بیوی نے کہا مجھے نظر آتا ہے کہ تم بھاگ کر لوٹ جاؤ گے۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے یہ بات سن کر ہتھیار تھامے اور دعا مانگی کہ "اللھم لا تردنی الی اھلی" "اے خدا مجھے اپنے اہل میں نہ لوٹانا اور باہر نکل گئے اور حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں جا کر اپنی قوم کے منع کرنے کی بابت عرض کیا اور کہا میں تمنا رکھتا ہوں کہ اپنے لنگڑے پاؤں سے جنت کے باغوں میں سیر کروں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "عذرك اللّٰه و لا جناح علیك" "اللہ تعالیٰ نے تمہیں معذور رکھا ہے تم پر مواخذہ نہیں ہے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے مکرر التجا کی تو حضور ﷺ نے اجازت دے دی۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کو میدان کارزار میں دیکھا کہ وہ جنگ کرتے اور کہتے جاتے کہ خدا کی قسم میں جنت کا مشتاق ہوں۔ ان کے چاروں صاحبزادے بھی میدان جنگ میں اپنے باپ کے عقب میں مصروف قتال تھے۔ یہاں تک کہ وہ سب شہید ہو گئے۔

مروی ہے کہ ہند زوجہ عمرو بن جموح اپنے شوہر عمرو رضی اللہ عنہ، اپنے بیٹوں، اور اپنے بھائی کو جو شہید ہو چکے تھے خود ان کے جسموں کو اٹھا کر اونٹ پر بار کر کے مدینہ میں لانا چاہتی تھی تا کہ انہیں دفن کرے مگر اونٹ زانو کے بل زمین پر بیٹھ جاتا ہے۔ اور جب بھی اونٹ کو جھڑک کر اٹھانا چاہتی تو وہ سو جاتا۔ ایک مرتبہ اس نے اٹھا کر اس کا منہ احد کی جانب کر دیا تو وہ چلنے لگا۔ ہند رضی اللہ عنہا نے یہ مسئلہ حضور کی بارگاہ میں پیش کیا تو آپ نے پوچھا؟ عمرو رضی اللہ عنہ نے جاتے وقت کوئی بات تو نہ کہی تھی۔ اس نے کہا ہاں! احد

شریف جاتے وقت روبقبلہ ہوکر یہ دعا مانگی تھی کہ اے خدا مجھے میرے گھر کی طرف نہ لوٹانا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی وجہ ہے کہ اونٹ مدینہ کی طرف نہیں جاتا۔

(مدراج النبوت جلد 2)

خدا ہی جانتا ہے کہ جب ایک عام اور غیر معروف صدیق (صحابی) کی جرآت کا یہ عالم ہے تو صدیقِ اکبر و فاروقِ اعظم کی بہادری کی حالت کیا ہوگی کہ جن کی عظمت کے ڈنکے زمین و آسمان اور عرش و فرش پہ بج رہے ہیں اور اس حیدر کرار کی شجاعت کا کون اندازہ کرسکتا ہے کہ جس کی ذوالفقار حیدری کے بارے میں عرش پہ اعلان ہوا۔ لا فتی الاعلی لا سیف الاذو الفقار۔ حضرت شیخ محقق مدارج النبوۃ میں ہی فرماتے ہیں کہ حضرت علی نے جب خیبر کے قلعہ کے دروازے کو پکڑ کر ہلایا تو سارا قلعہ ہلنے لگا۔

؎ شاہِ مرداں شیرِ یزداں قوت پروردگار

(معارج النبوت، کشف الغمہ بحوالہ مدارج النبوت جلد 2 صفحہ 201 مترجم)

کردار کے غازی:

اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ خوش نصیب ہماری طرح صرف زبان کی حد تک ہی یہ نعرہ نہیں لگاتے تھے کہ غلامی رسول میں موت بھی قبول ہے۔ بلکہ موقع ملتے ہی اپنی جان حضور کے قدموں میں قربان بھی کرتے تھے۔ اور ان کا جیتا جاگتا مشن تھا کہ۔

؎ سر کٹے کنبہ مرے یا گھر لٹے
دامن احمد نہ ہاتھوں سے چھٹے

ہم تو فرائض سے پہلو تہی کرنے کے بہانے تراشتے ہیں جیسا کہ بے نمازوں کے بہانے ضرب المثل ہیں۔ مگر وہ جان قربان کرنے کیلئے کس قدر بے تاب رہتے تھے۔ حالانکہ حضرت عمرو بن جموح پہ جہاد فرض نہ تھا اور خود اللہ کی طرف سے ان کو رخصت تھی مگر اس کے باوجود انہوں نے کس قدر بے تابی سے شہادت کی سعادت کو حاصل کیا۔

اسی غزوۂ احد میں جب حضور علیہ السلام نے کئی صحابہ کو کم سنی اور نابالغی کی وجہ سے واپس کیا جن میں حضرت عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت، اسامہ بن زید، زید بن ارقم، براء بن عازب، ابو سعید خدری، سمرہ بن جندب اور رافع بن خدیج وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین بھی شامل تھے، تو رافع بن خدیج کی بے تابی دیکھ کر صحابہ کرام نے حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں سفارش کی اور عرض کیا کہ یہ بڑا اچھا تیر انداز ہے، اس کو لشکر میں شامل کر لیں چنانچہ حضور نے اجازت دے دی، ان کو اجازت مل گئی تو حضرت سمرہ نے عرض کیا: حضور رافع کو آپ نے اجازت دے دی ہے حالانکہ میں کشتی میں اس کو پچھاڑ سکتا ہوں، آپ نے فرمایا اچھا کشتی کر کے دکھاؤ، جب کشتی ہوئی تو سمرہ نے رافع کو بچھاڑ دیا اس لئے حضور نے ان کو بھی اجازت مرحمت فرمادی۔

الغرض قرآن مجید میں فرمایا گیا کہ جب کفار کی طرف سے یہ بات مشہور کی گئی کہ ہم دوبارہ حملے کیلئے پلٹ رہے ہیں تو ابھی صحابہ ستر افراد کو دفن کر کے مدینے پہنچے ہی تھے اور ابھی زخمیوں نے پٹی بھی نہ کی تھی خون بہہ رہے تھے تو یہ خبر سن کر بجائے ڈرنے کے فزادتھم ایمانا ''ان کے ایمان بڑھ گئے'' اور ان کی زبان سے یہ نعرۂ مستانہ بلند ہوا۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

کہ پہلے تو ہم سے بھول ہو گئی تھی لڑنے کا مزہ تو اب آئے گا۔ ہمیں اللہ ہی کافی ہے۔ اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔

اس موضوع کو تفصیل سے پڑھنے کیلئے میری کتاب کواکب سبعہ اور یاران مصطفیٰ کا مطالعہ فرمائیں۔ یہاں اتنا مزید سمجھ لیں کہ اس آیت کے تحت تفاسیر میں اس طرح لکھا ہے مثلاً معالم التنزیل میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

فانا احب النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ابا بکر و عمر و ارجوا ان اکون معھم بحبی ایا ھم و ان لم اعمل با عمالھم۔

''پس میں حضور علیہ السلام، ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے محبت کرتا ہوں اور اللہ کی رحمت سے

امیدوار ہوں کہ میں ان کے ساتھ اُٹھوں گا اگر چہ میرے اعمال ان جیسے نہیں ہیں۔
(ابن کثیر صفحہ 523، معالم التنزیل مع خازن جلد 1 صفحہ 424)

صدیق کون ہوتے ہیں؟:

صاحب کشاف نے اس طرح تفسیر کی ہے۔

الصدیقون افاضل صحابة الانبیاء الذین تقدموا فی تصدیقهم کابی بکرن الصدیق۔ (جلد 1 صفحہ 540)

''صدیقین سے انبیاء کرام کے وہ عظیم الشان صحابہ مراد ہیں جنہوں نے سب سے پہلے نبیوں کی تصدیق کی جیسے (اس امت میں) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ''۔

اور تفسیر خازن میں علاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

و الصدیقین: الصدیق کثیر الصدق، فعیل من الصدق، و الصدقون هم اتباع الرسل الذین اتبعوهم علیٰ منها جهم بعد هم حتیٰ الحقوابهم، وقیل "الصدیق" الذی صدق بکل الذین حتیٰ لا یخالطه فی شکه و المراد بالصدیق فی هذه آلایه افاضل اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کابی بکر فانهٗ هوالذی سمی بالصدیق من هذه الامت وهو افضل اتباع الرُسل وقیل المرُاد "بالنبیین" ههنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم علیه و اله وسلم و بالصدیقین ابو بکر و الشهداء عمر و عثمان و علی رضی الله عنهم۔ (تفسیر خازن جلد اول صفحہ 464)

''صدیق بہت زیادہ سچ بولنے والے کو اور رسولوں کی تصدیق کرنے والے کو کہا جاتا ہے اور نبیوں کے بعد ان کے طریقے پر کاربند رہنے والے کو کہتے ہیں یعنی جس کے دین میں سچائی و یقین ہو، شک کی گنجائش نہ ہو اور اس آیت میں صدیقین سے صحابہ مراد ہیں جس طرح کہ ابوبکر جن کا نام ہی صدیق ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے، کہ النبیین سے مراد محمد رسول

اللہ ہیں، صدیقین سے مراد ابوبکر ہیں الشہداء سے مراد عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں''۔

انعام یافتہ لوگوں کا تیسرا طبقہ:

یہ خوش نصیب طبقہ شہداء کا ہے جو دین کی سربلندی اور رضائے الٰہی کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیتے ہیں، اس قربانی سے نہ ان کا مقصد نام و نمائش ہے اور نہ ہی قومیت و وطن۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

مناسب ہوگا کہ شہداء کے بارے میں بھی آپ حضرات کو کچھ معلومات حاصل ہو جائیں۔ قرآن مجید میں شہداء اسلام کے بارے ارشاد فرمایا گیا:

ولا تقولو لمن یقتل فی سبیل اللّٰہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون۔ (154:2)

''جو اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تمہیں خبر نہیں''۔

اور فرماتا ہے:

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللّٰہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون ٥فرحین بما اتھم اللّٰہ من فضلہ و یستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم من خلفھم الا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ٥یستبشرون بنعمۃ من اللّٰہ وفضل و ان اللّٰہ لا یضیع اجر المومنین۔ (171.169:3)

''جو لوگ راہ خدا میں قتل کیے گئے انہیں مردہ نہ گمان کر بلکہ وہ اپنے رب کے یہاں زندہ ہیں انہیں روزی ملتی ہے اللہ نے اپنے فضل سے جو انہیں دیا وہ اس پر خوش ہیں اور جو لوگ بعد والے ان سے ابھی نہ ملے ان کیلئے

خوشخبری کے طالب کہ ان پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اللہ کی نعمت اور فضل کی خوشخبری چاہتے ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا''۔

احادیث میں اس کے فضائل بکثرت وارد ہیں جن کو اختصار کے پیشِ نظر نہیں لکھا گیا صرف شہید کی اقسام اور شہید کے بارے میں فقہی مسائل ملاحظہ ہوں۔

کون کون شہید ہے:

شہادت صرف اسی کا نام نہیں کہ جہاد میں قتل کیا جائے بلکہ ایک حدیث میں فرمایا کہ اس کے سوا سات شہادتیں اور ہیں۔

1- جو طاعون سے مرا شہید ہے۔
2- جو ڈوب کر مرا شہید ہے۔
3- ذات الجنب کی بیماری میں مرا شہید ہے۔
4- جو پیٹ (استسقاء یا دست) کی بیماری میں مرا شہید ہے۔
5- جو جل کر مرا شہید ہے۔
6- جس کے اوپر دیوار وغیرہ گر پڑے اور مر جائے شہید ہے۔
7- عورت کہ بچہ پیدا ہونے یا کنوارے پن میں مر جائے شہید ہے۔

اس حدیث کو امام مالک وابوداؤد ونسائی نے جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور امام احمد کی روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طاعون سے بھاگنے والا اس کی مثل ہے جو جہاد سے بھاگا اور جو صبر کرے اس کیلئے شہید کا اجر ہے احمد ونسائی عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو طاعون میں مریں ان کے بارے میں اللہ عزوجل کے دربار میں مقدمہ پیش ہوگا شہداء کہیں گے یہ ہمارے بھائی ہیں یہ ویسے ہی قتل کئے گئے جیسے ہم اور بچھونوں پر وفات پانے والے کہیں گے یہ ہمارے بھائی ہیں۔ یہ اپنے بچھونوں پر مرے جیسے ہم۔ اللہ

ﷻ فرمائے گا ان کے زخم دیکھو۔ اگر ان کے زخم مقتولین کے مشابہ ہوں تو یہ انہیں میں ہیں اور انہیں کے ساتھ ہیں۔ دیکھیں گے تو ان کے زخم شہداء کے زخم سے مشابہ ہوں گے چنانچہ شہداء میں شامل کر دیئے جائیں گے۔ ابن ماجہ کی روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے کہ ارشاد فرمایا مسافرت کی موت شہادت ہے ان کے سوا اور بہت صورتیں ہیں جن میں شہادت کا ثواب ملتا ہے امام جلال الدین سیوطی وغیرہ آئمہ نے ان کو ذکر کیا ہے بعض یہ ہیں۔

1- سل کی بیماری میں مرا۔
2- سواری سے گر کر یا مرگی سے مرا۔
3- بخار سے مرا۔
4- مال کی حفاظت میں مرا۔
5- جان کی حفاظت میں مرا۔
6- اہل وعیال کی حفاظت کرتے ہوئے مرا۔
7- حق کے بچانے میں قتل کیا گیا۔
8- عشق میں مرا۔ بشرطیکہ پاک دامن ہو اور اس کو مرتے دم تک چھپایا ہو۔
9- کسی درندہ نے پھاڑا۔
10- بادشاہ نے ظلماً قید کیا اور مر گیا۔
11- بادشاہ نے ظلماً قتل کر دیا۔
12- کسی موذی جانور کے کاٹنے سے مرا۔
13- علم کی طلب میں مرا۔
14- مؤذن جو ثواب کیلئے اذان کہتا ہو۔
15- تاجر راست گو جسے سمندر کے سفر میں متلی اور قے آئی اور مر گیا۔
16- جو اپنے بال بچوں کیلئے سعی کرے ان میں امر الٰہی قائم کرے اور انہیں حلال کھلائے۔

17- جو ہر روز پچیس بار یہ پڑھے: اللھم بارك لی فی الموت و فیما بعد الموت۔ جو چاشت کی نماز پڑھے اور ہر مہینے میں تین روزے رکھے اور وتر کو سفر و حضر میں کہیں ترک نہ کرے۔

علاوہ ازیں مندرجہ ذیل افراد بھی شہید ہیں:

فساد امت کے وقت سنت پر عمل کرنے والا، اس کیلئے سو شہید کا ثواب ہے۔ جو مرض میں لا الہ الا انت سبحانك انی کنت من الظلمین۔ چالیس بار کہے اور اسی مرض میں مر جائے اور اچھا ہو گیا تو اس کی مغفرت ہو جائے گی کفار سے مقابلہ کیلئے سرحد پر گھوڑا باندھنے والا، جو ہر رات میں سورہ یٰسٓ شریف پڑھے جو با طہارت سویا اور مر گیا جو نبی ﷺ پر سو بار درود پڑھے جو سچے دل سے یہ سوال کرے کہ اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں جو جمعہ کے دن مرے جو صبح کو اعوذ باللّٰہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم تین بار پڑھ کر سورۃ حشر کی پچھلی تین آیتیں پڑھے اللہ تعالیٰ ستر ہزار فرشتے مقرر فرمائے گا کہ اس کیلئے شام تک استغفار کریں اور اگر اس دن مرا تو شہید مرا اور جو شام کو کہے صبح تک کیلئے یہی بات ہے۔

فقہی شہید:

اصطلاح فقہ میں شہید اس مسلمان عاقل، بالغ، طاہر کو کہتے ہیں جو بطور ظلم کسی آلہ جارحہ سے قتل کیا گیا اور نفس قتل سے مال نہ واجب ہوا ہو اور دنیا سے نفع نہ اٹھایا ہو۔ شہید کا حکم یہ ہے کہ غسل نہ دیا جائے ویسے ہی خون سمیت دفن کر دیا جائے تو جہاں یہ حکم پایا جائے فقہاء اسے شہید کہیں گے ورنہ نہیں مگر شہید فقہی نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ شہید کا ثواب بھی نہ پائے صرف اس کا مطلب اتنا ہوگا کہ غسل دیا جائے وبس۔ (بہار شریعت)

چوتھا گروہ:

انعام یافتہ لوگوں کا چوتھا گروہ صالحین امت کا گروہ ہے جنہوں نے آخرت کو دنیا

پر ترجیح دی اور کامیاب ہوئے جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا:

و اما من خاف مقام ربه و نهى النفس عن الهوى فان الجنة هى المأوىٰ۔ (النازعات)

''اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور اپنے نفس کو خواہشات سے روک لیا پس بے شک جنت اس کا ٹھکانہ ہے''۔

یعنی دنیا کی لذتوں سے کنارہ کش ہو کر فکر آخرت میں گم ہو جانا، مصائب و آلام پہ صبر کرنا ان لوگوں کی علامت ہے اور یہی راستہ سیدھا جنت میں جاتا ہے جس پر یہ گامزن ہیں اور جس کو صراط مستقیم فرمایا گیا۔ ان کا ہر قول و فعل، حرکت و سکون اللہ کیلئے ہو گیا، ان کے دل نور معرفت سے روشن و منور ہو کر جگمگانے لگے، یہ صفات اپنے اندر پیدا کرنے کے خواہش مند کیلئے اپنے اللہ اور اس کے نبی مکرم ﷺ کے مندرجہ ذیل ارشادات عالیہ پر عمل کرنا ہو گا تاکہ جنت کی راہیں کھلیں اور دوزخ سے نجات حاصل ہو۔ پہلے قرآن پاک سے چند مقامات ملاحظہ ہوں۔

قرآن پاک اور صالحین کی علامات:

سورۂ ال عمران میں ارشاد ہوتا ہے۔

- **الذين ينفقون فى السراء و الضراء و الكاظمين الغيظ و العافين عن الناس و الله يحب المحسنين۔ و الذين اذ فعلوا فاحشة او ظلموا انفسهم ذكروا الله فاستغفر و الذنوبهم و من يغفر الذنوب الا الله و لم يصروا على ما فعلوه وهم يعلمون۔ اولئك جزائهم** ......(136.134)

''وہ لوگ جو خوشی و رنج میں (اپنے رب کی رضا کیلئے اپنا مال) خرچ کرتے ہیں، غصے کو پی جاتے ہیں اور لوگوں سے درگذر کرتے ہیں اور (ایسے) نیک لوگ ہی اللہ کے محبوب ہیں۔

اور (یہی وہ لوگ ہیں جو) بے حیائی کا کام یا اپنی جانوں پہ ظلم کر لینے کے بعد (کثرت) سے اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں اور اللہ کے سوا کون ہے جو گناہ بخشے اور (یہ لوگ) اپنے کیے ہوئے (گناہ) پہ اصرار نہیں کرتے جانتے ہوئے بھی۔ انہی کی جزا ہے ان کے رب کے پاک اس کی بخشش اور باغات جن میں نہریں رواں ہیں، ہمیشہ ان باغات میں رہیں گے اور عمل کرنے والوں کیلئے کتنا اچھا اجر ہے"۔

- اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنی بارگاہ میں جھکنے والوں، عظمت الٰہیہ کے سامنے ڈرنے اور عاجزی وخشوع کرنے والوں کے بارے میں فرمایا:

انهم كانوا يسارعون في الخيرات و يدعوننا رغبا و رهبا و كانوا لنا خاشعين۔ (الانبیاء:90)

"بے شک وہ بھلے کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور ہمیں پکارتے ہیں امید اور خوف سے اور ہمارے حضور گڑگڑاتے ہیں"۔

- دوسرے مقام پر فرمایا:

و الخاشعين و الخاشعات الى قوله اعد الله لهم مغفرةً و اجرً عظيمًا (الاحزاب،25)

"اور عاجزی کرنے والے اور عاجزی کرنے والیاں ان سب کیلئے اللہ نے بخشش اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے"۔

- سب سے اعلیٰ عبادت نماز کی محافظت کرتے ہوئے خشوع کرنے والے اہل ایمان کے بارے میں فرمایا:

قد افلح المؤمنون الذين هم في صلاتهم خاشعون۔ (المومنون: 2:1)

"بے شک مراد کو پہنچے وہ ایمان والے جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں"۔

جو صاحبان علم اللہ کا کلام سن کر خشوع اختیار کرتے ہیں ان کی تعریف یوں کی:

ان الذین اوتوا العلم من قبلہٖ اذا یتلیٰ علیھم یخرون للاذقان سجدا و یقولون سبحان ربنا ان کان وعد ربنا لمفعولا و یخرون للاذقان یبکون و یزیدھم خشوعا (الاسراء: 109,107)

''بیشک وہ جنہیں اس کے اترنے سے پہلے علم ملا جب ان پر (قرآن) پڑھا جاتا ہے، تو ٹھوڑی کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں پاکیزگی ہے ہمارے رب کو بے شک ہمارے رب کا وعدہ پورا ہونا تھا۔ اور ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں روتے ہوئے اور یہ قرآن ان کے دل کا جھکنا (خشوع) بڑھاتا ہے''۔

خشوع کیا ہے:

لفظ خشوع کی تفسیر میں درج ذیل اقوال ہیں:

1- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے خاشعون کا ترجمہ کیا:

المخبتون اذلاء۔

''اپنے آپ کو حقیر و ذلیل سمجھنے والے''۔

2- امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس کا ترجمہ خائفون (ڈرنے والے) کرتے ہیں۔

3- حضرت مقاتل نے اس کا ترجمہ متواضعون (تواضع کرنے والے) کیا ہے۔

4- حضرت مجاہد نے خشوع کا معنی کیا ہے۔

غض البصر و خفض الصوت۔

''نگاہوں کا جھکنا اور آواز کا پست ہونا''۔

5- حضرت عمرو بن دینار سے منقول ہے:

ھو السکون و حسن الھیئۃ فی الصلاۃ۔

''نماز کو پرسکون اور احسن انداز میں ادا کرنا''۔

6- امام ابن سیرین کی یہ رائے ہے:

ان لا ترفع بصرك عن موضع سجودك۔

''سجدہ کی جگہ سے نگاہوں کا نہ ہٹانا''۔

7- شیخ ابوبکر الواسطی کہتے ہیں:

هو الصلوٰۃ للّٰه تعالیٰ علی الخلوص من غیر عوض۔

''نماز کو فقط اپنے اللہ کی رضا کیلئے ادا کرنا۔اس میں کسی عوض کی خواہش نہ ہو''۔

8- ایک قول یہ بھی ہے:

هو جمع الهمة لها و الاعراض مما سواها و التدبر فیما یجری علی لسانه من القرأة و الذکر۔

''توجہ کو کامل طور پر دوسروں سے ہٹا کر نماز کی طرف لگانا اور زبان پر جاری قرأت وذکر میں تدبر کرنا''۔

9- حضرت ابوالدرداء کہتے ہیں کہ نمازی کے اندر جب یہ چار صفات پائی جائیں تو وہ صاحب خشوع ہوتا ہے:

"اعظام المقام و اخلاص المقال و الیقین التمام و جمع الهم۔

(المظہری پ:18)

''بارگاہ خداوندی کو عظیم جاننا، قرأت میں اخلاص، کامل یقین اور کامل توجہ کے ساتھ ادا کرنا''۔

10 امام ابوبکر الجصاص فرماتے ہیں کہ ان تمام معانی میں تضاد نہیں بلکہ خشوع ان تمام کو شامل ہے۔

الخشوع فینتظم هذه المعانی کلها من السکون فی الصلاۃ و التذلل و ترك الالتفات و الحرکة و الخوف من اللّٰه تعالیٰ۔

(احکام القرآن،91:5)

''خشوع ان تمام معانی کو شامل ہے۔ مثلاً نماز میں سکون و عاجزی اختیار کرنا حرکت والتفات کا ترک کرنا اور اللہ تعالیٰ کا خوف ذہن میں رکھنا''۔

11- اس مذکورہ قول کی طرح حضرت سہل بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ ذیل قرآنی آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ مومن کے ہر بال میں جب تک خشوع نہ آئے وہ خاشع نہیں کہلا سکتا۔ آیت یہ ہے۔

تقسعر منه جلود الذين يخشون ربهم ...... (الزمر)

سورۂ فرقان اور عباد الرحمٰن:

سورۂ الفرقان میں اس سے بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ ان ذوات قدسی صفات کی علامات کو بیان کیا گیا ہے۔ ترجمہ پہ اکتفا کیا جاتا ہے۔

''اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پہ آہستہ چلتے ہیں (یعنی متکبرانہ چال نہیں چلتے اگرچہ باوقار طریقے سے چلتے ہیں مگر عاجزی وانکساری کے ساتھ) اور جب جاہل ان سے ہمکلام ہوتے ہیں تو ان کو سلام (متارکت) کہہ دیتے ہیں۔ (یعنی لڑائی جھگڑے میں نہیں پڑتے) جنکی راتیں سجدے اور قیام میں گزرتی ہیں۔ جو عرض کرتے ہیں اے ہمارے پالنے والے ہم سے عذاب جہنم کا رُخ پھیر دے، بے شک دوزخ کا عذاب گلے کا غل (جُدا نہ ہونے والا) ہے۔ بے شک وہ (دوزخ) ٹھہرنے کی بہت بری جگہ ہے، اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو حد سے نہیں بڑھتے اور نہ بخل کرتے ہیں بلکہ راہ اعتدال پہ رہتے ہیں۔ اور اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہیں کرتے نہ کسی کو ناحق قتل کرتے ہیں، نہ زنا کرتے ہیں، جو یہ (گناہ) کرے گا سزا پائے گا۔ قیامت کے دن اس کی سزا میں اضافہ ہوگا اور اس (عذاب) میں ہمیشہ ذلیل ہوتا رہے گا۔ مگر جو ایمان لایا اور نیک عمل کرتا رہا ان کے گناہ نیکیوں میں تبدیل کر دیے جائیں

گے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور جس نے توبہ کی اور اچھے عمل کیے تو وہی اللہ کی طرف متوجہ ہوا جیسا کہ متوجہ ہونے کا حق تھا۔ اور وہ جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور بیہودگیوں سے دامن بچا کر گذر جاتے ہیں۔ اور جب ان کے سامنے رب کی آیات پڑھی جائیں تو ان پر گونگے بہرے ہو کر نہیں گرتے (بلکہ سمجھ سے کام لیتے ہیں غفلت نہیں کرتے) جو اپنے رب سے اچھے اور نیک اہل وعیال کی دعا کرتے ہیں جو ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنیں اور پرہیزگاروں کی پیشوائی کے قابل ہونے کی دعا مانگتے ہیں"۔

ان تمام صفات کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

اولئك يجزون الغرفة بما صبروا ويلقون فيها تحية و سلمـا خلدين فيها حسنت مستقرا و مقاما

"انہی لوگوں کو جنت کا سب سے اعلیٰ مقام دیا جائے گا بدلہ ان کے صبر کا، وہاں سلام واحترام کے بابرکت الفاظ سے ان کی عزت افزائی ہوگی، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور کیا ہی اچھی ہے (جنت) ٹھہرنے اور رہنے سہنے کو"۔ (63تا76)

یہ صفات اپنے اندر کیسے پیدا کی جائیں:

قرآن وسنت کی تعلیمات پر عمل کر کے، خوف خدا، فکر آخرت اپنے نبی علیہ السلام کے ارشادات عالیہ کو حرز جان بنا کر اپنے اندر یہ صفات پیدا کی جا سکتی ہیں۔ چند ارشادات ملاحظہ ہوں۔

یاد رہے کہ یہ تمام ارشادات مشکوۃ شریف کتاب الرقاق سے لئے گئے ہیں چونکہ سارے ارشادات حضور علیہ السلام کے ہی ہیں اس لئے اختصار کے پیش نظر صرف مقصد کی بات کی گئی ہے۔قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، راوی کا نام اور حوالہ وغیرہ (کہ یہ حدیث بخاری کی ہے مسلم کی ہے یا کس کتاب میں ہے) ہر جگہ نہیں لکھا گیا جو یہ ساری

باتیں جاننا چاہے وہ کتاب الرقاق مشکوۃ شریف میں دیکھ لے۔

- نعمتان مغبون فیهما کثیر من الناس الصحة و الفراغ۔ (بخاری)

"دو نعمتوں کے بارے میں عموماً لوگ گھاٹے میں ہیں۔ایک تندرستی اور دوسری فراغت"۔

- و الله ما الدنیا فی الاخرۃ الا مثل ما یجعل احد کم اصبعه فی الیم فلینظربم یرجع۔ (مسلم)

قسم بخدا! دنیا آخرت کے مقابلہ میں ایسی ہے کہ جیسے تم میں سے کوئی اپنی انگلی سمندر میں ڈبوئے پھر دیکھے کہ کتنا پانی اس کے ساتھ لگا ہے"۔

یعنی جو نسبت اس پانی کو سمندر سے ہے وہی دنیا کو آخرت سے ہے اور یہ بھی صرف سمجھانے کیلئے ہے ورنہ متناہی اور فانی کو غیر متناہی اور باقی کے ساتھ کیا نسبت، دنیا کی ساری عمر سات ہزار سال (مدارج النبوۃ) اور آخرت کا صرف ایک پہلا دن، خمسین الف سنة (المعارج) پچاس ہزار سال کا۔

- حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اغبط اولیائی عندی لمؤمن خفیف الحاذ ذو حظ من الصلوۃ احسن عبادۃ ربه و اطاعه فی السر و کان غامضا فی الناس لا یشار الیه بالاصابع و کان رزقه کفافا فصبر علی ذلك ثم نقد بیده فقال عجلت منیته قلت بواکیه قل تراثه۔

"میرے محبوب اور قریبی لوگوں میں سے سب سے زیادہ قابل رشک وہ مومن ہے جس کو دنیا کا سامان تو کم دیا گیا ہو۔مگر نماز کا حصہ وافر عطا کیا گیا ہو جو اپنے رب کی اچھے طریقے سے عبادت کرے اور تنہائی میں بھی اس کی اطاعت کرے لوگوں میں گم نام زندگی گذارے اور اس کی طرف انگلیوں سے اشارے نہ کیے جاتے ہوں، رزق بقدر گذارا ملا ہو۔پھر

آپ ﷺ نے چٹکی بجائی اور فرمایا موت بھی جلد ہی آ جائے اس کو رونے والیاں کم ہوں اور اس کی میراث بہت تھوڑی ہو"۔

❁ انہی سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

عرض علی ربی لیجعل لی بطحاء مکة ذهبا فقلت لا یا رب و لکن اشبع یوما و اجوع یوما فاذا جعت تضرعت الیك و ذکرتك و اذا شبعت حمدتك و شکرتك۔

"میرے رب نے میرے سامنے یہ بات رکھی کہ وہ میرے لیے مکہ کے پہاڑوں کو سونا بنا دے پس میں نے کہا نہیں اے میرے پالنے والے! (میں تو یہ چاہتا ہوں کہ) میں ایک دن کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں جب نہ کھاؤں تو تیری بارگاہ میں صبر کروں اور تیرا ذکر کروں اور جب کھا لوں تو تیری حمد کروں اور تیرا شکر بجا لاؤں"۔

❁ حضرت عبیداللہ بن محصن سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

من اصبح منکم امنا فی سِربه معافیً فی جسده عنده قوت یومه فکانما حیزت له الدنیا بحذا فیرها۔

"جس نے اپنے گھر (کٹیا) میں امن و سلامتی کے ساتھ (رات گذار کر) صبح کی جسم میں تندرستی ہے، اس دن کا کھانا موجود ہے (وہ مایوس کیوں ہوتا ہے کہ میرے پاس کچھ نہیں) ساری دنیا تو اس کے گھر جمع کر دی گئی ہے"۔

❁ آپ (ﷺ) نے فرمایا:

ما ینتظر احدکم الا غنیً مطغیا او فقرا منسیا او مرضا مفسدا او هرما مفندا و موتا مجهزا او الدجال فالدجال شر غائب ینتظر او الساعة ادهٰی وامر۔

"تم میں ہر کوئی صرف اس بات کا منتظر ہے کہ سرکشی کرانے والا مال ہو،

(خدا کو) بھلا دینے والی غریبی ہو، (حُلیہ) بگاڑ دینے والی بیماری ہو، بے عقل کر دینے والا بڑھاپا ہو، اچانک موت آجائے، دجال آئے جس کا انتظار کیا جا رہا ہے اور وہ بہت بُری اور بہت بڑی مصیبت ہے یا پھر قیامت آجائے جو بہت ڈراؤنی اور کڑوی ہے"۔

- الا ان الدنیا ملعونة و ملعون ما فیھا الا ذکر اللّٰہ وما والاہ و عالم او متعلم۔

"دنیا لعنتی ہے اور جو اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے سوائے ذکرِ الٰہی کے، اور سوا اس کے جو اللہ کے قریب کر دے اور سوا دین پڑھنے اور پڑھانے والے کے"۔

- لو کانت الدنیا تعدل عند اللّٰه جناح بعوضة ما سقی کافرا منھا شربة۔

"اللہ کے نزدیک دنیا اگر مچھر کے پَر جتنی بھی حیثیت رکھتی تو اللہ کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا"۔

دنیا کیا ہے اس بارے میں بھی غلط فہمی نہ رہے، مولانا روم فرماتے ہیں:

چیست دنیا از خدا غافل بدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

دنیا خدا سے غافل ہونے کا نام ہے نہ کہ سونا چاندی، روزگار اور بیوی بچے۔
لہٰذا امیر آدمی جو اپنے مال کے حقوق ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ کی عبادت بھی کرتا ہے وہ دیندار ہے اور غریب شخص جو خدا کی بندگی سے باغی ہے وہ دنیا دار ہے۔

- حضور علیہ السلام صحابہ کرام کے ساتھ بھیڑ کے مرے ہوئے (بدبودار) بچے کے پاس سے گذرے اور فرمایا:

"کیا تم میں سے کوئی اس کو ایک درہم کا خریدے گا"۔

عرض کیا حضور! نہیں (بلکہ اس کو تو مفت میں کوئی نہ لے) فرمایا:

فو اللّٰہ للدنیا اھون علی اللّٰہ من ھذا علیکم۔ (مسلم)

"خدا کی قسم! اللہ کے ہاں ساری دنیا کی اتنی بھی حیثیت نہیں جتنی کہ تمہارے ہاں اس کی"۔

- ان لکل امة فتنة و فتنة امتی المال۔

"ہر امت کیلئے کوئی نہ کوئی شی آزمائش (فتنہ) تھی اور میری امت کی آزمائش مال ہے"۔ (جس کی وجہ سے زیادہ تر لوگ بے دین ہو جاتے ہیں)

- آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: قیامت کے دن ایک شخص کو بھیڑ کے بچے کی طرح (حقیر شکل میں) لایا جائے گا اور اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اللہ تعالیٰ اس سے سوال کرے گا: (یجاء ابن ادم یوم القیامة کانه بذج فیقوفق بین یدی اللہ)

سوال: اعطیتك و خولتك و انعمت علیك فما صنعت۔

"میں نے تجھے مال دیا نعمتیں دیں تو نے ان کا کیا کیا"۔ (بندہ جواب میں کہے گا)

جواب: یا رب جمعته وثمرته و ترکته اکثر ما کان فارجعنی اٰتك به کله۔

"میں نے اس کو جمع کیا، بڑھایا جتنا تھا اس سے زیادہ کرتا رہا، مجھے واپس بھیج ابھی سارا کا سارا لے کر آتا ہوں"۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

ارنی ما قدمت۔

"مجھے دکھا تو نے آگے کیا بھیجا"۔ (آج کے دن کیلئے)

بندہ وہی جواب دے گا جو اوپر گزرا۔

فیمضٰی به الی النار۔

"اس کو آگ میں ڈال دیا جائے گا"۔

- ان اول ما یسئل العبد یوم القیامة من النعیم ان یقال له الم

نصح جسمك و نروك بالماء البارد۔

"سب سے پہلے قیامت کے دن بندے سے یہ سوال ہوگا کہ کیا ہم نے تجھے جسمانی صحت نہ دی تھی اور ٹھنڈے پانی سے تجھے سیراب نہ کیا تھا؟"

- الدنیا سجن المؤمن و جنة الکافر۔ (مسلم)

"دنیا مومن کیلئے قید خانہ ہے اور کافر کیلئے جنت۔ یعنی دنیا کتنی بھی پُرسکون ہو آخرت کے مقابلے میں جیل کی طرح ہے۔ اور کافروں کیلئے دنیا کی تکلیفیں بھی آخرت کے عذاب کے مقابلے میں آسائشیں ہیں"۔

- حجبت النار بالشهوات و حجبت الجنة بالمکاره۔ (متفق علیہ)

"(دوزخ کی) آگ شہوات سے گھیر دی گئی ہے اور جنت تکالیف سے۔ یعنی گناہ کے کاموں میں لذت تو ہوتی ہے مگر دوزخ میں جانے کا سبب بن جاتے ہیں جبکہ نیک کاموں میں مشقت سہی مگر نتیجۂ جنت ملتی ہے"۔

- آپ (ﷺ) نے اللہ کی قسم اُٹھا کر فرمایا کہ:

"مجھے تم پر غریبی سے خطرہ نہیں بلکہ امیری سے ہے کہ دنیا وافر دے دی جائے جس طرح تم سے پہلے لوگوں کو دی گئی"۔

تھلککم کما اھلکتھم (متفق علیہ) اور وہ دنیا تمہیں ہلاک کر دے جس طرح تم سے پہلوں کو اس نے ہلاک کیا۔ اسی لئے آپ (ﷺ) اپنے گھر والوں کیلئے یوں دیا کرتے۔

اللھم اجعل رزق ال محمد قوتا (او کفافا) متفق علیه۔

"اے اللہ محمد (ﷺ) کے گھر والوں کو بقدر ضرورت ہی روزی عطا کر"۔

اور فرمایا:

قد افلح من اسلم ورزق کفافا و قنعه الله بما اتاه۔ (مسلم)

"جو مسلمان ہوا اور اس کو گذارے موافق رزق پر قناعت بھی عطا کی گئی وہ

کامیاب ہو گیا''۔

نیز فرمایا:

بندہ کہتا ہے میرا مال میرا مال حالانکہ اس کے تین مال ہیں۔ جو کھا کر فنا کر دیا، جو پہن کر بوسیدہ کر دیا اور جو راہ خدا میں دے کر جمع کر لیا۔ وما سویٰ ذلك فهو ذاهب و تارکه للناس۔ (مسلم) جو اس کے علاوہ ہے وہ اس کا نہیں لوگوں کا ہے فرمایا:

بندہ جب مرتا ہے تو اس کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں، دو واپس آ جاتی ہیں (گھر والے اور اس کا مال) ویبقیٰ عمله (متفق علیہ) بس اس کا عمل ہی اس کے ساتھ رہتا ہے۔ ایک مرتبہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا! کون ہے تم میں سے جس کو اپنے مال سے زیادہ پیارا غیر کا مال ہو (یعنی وارثوں کا) عرض کیا گیا ایسا تو کوئی نہیں یعنی ہر ایک کو اپنا مال ہی پیارا ہوتا فرمایا:

فان ماله ما قدم و مال وارثه ما اخر۔ (بخاری)

''اپنا مال وہی ہے جو آگے بھیج دیا گیا اور جو پیچھے چھوڑا گیا وہ اپنا نہیں بلکہ وارثوں کا ہے''۔

❁ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

لیس الغنی عن کثرة العرض ولکن الغنی غنی النفس۔ (متفق علیہ)

امیری مالداری سے نہیں بلکہ دل کی ہے۔ یعنی لالچی مالدار ہو کر بھی غریب ہے اور فقیر قناعت والا غریب ہو کر بھی امیر ہے

بزرگی بعقل است نہ بہ سال
تونگری بہ دل است نہ بمال

''بزرگی عقل سے ہے عمر سے نہیں، مالداری دل سے ہے مال سے نہیں''۔

کیونکہ:

تو انگری نہ بمال است نزد اہل کمال
کہ مال تالب گوراست بعدازاں اعمال

''مال قبر تک ہے اور اس کے بعد اعمال ہی ہیں''۔

❁ حضور علیہ السلام نے فرمایا: ابھی ابن آدم کے قدم قیامت کے دن اپنی جگہ سے نہ ہٹیں گے کہ اس سے پانچ باتوں کے بارے سوال ہوگا:

(۱)عن عمرہ فیما افناہ (۲)عن شبابہ فیما ابلاہ (۳)عن مالہ من این اکتسبہ (۴)وفیما انفقہ (۵)وماذا عمل فیما علم۔

''(1)اس کی عمر کے بارے میں کہ کہاں کھپائی۔(2) جوانی کے بارے میں کہ کہاں ضائع کی۔(3) مال کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا۔(4) کہاں خرچ کیا۔(5) علم پر کہاں تک عمل کیا۔(اگر جاہل ہوگا تو یہ بھی سوال ہوگا کہ علم کیوں حاصل نہیں کیا) (ابن عساکر عن ابی الدرداء بحولہ مراۃ شرح مشکوٰۃ)

❁ قد افلح من اخلص اللّٰہ قلبہ للایمان وجعل قلبہ سلیما ولسانہ صادقا و نفسہ مطمئنۃ و خلیقتہ مستقیمۃ و جعل اذنہ مستمعۃ و عینہ ناظرۃ فاما الاذن فقمع و اما العین فمقر لما یوعی القلب و قد افلح من جعل قلبہ و اعیۃ۔

''کامیاب ہو گیا وہ شخص جس کے دل کو اللہ نے ایمان کیلئے خالص کر لیا اور اس نے اپنے دل کو سلامتی والا، زبان کو سچا، نفس کو اطمینان والا، عادت کو عمدہ رکھا، کان کو سننے والا بنایا، کان تو سننے والا ہے، اور آنکھ دیکھنے والی ہے جس کو دل محفوظ کرتا ہے کامیاب ہو گیا وہ شخص جس کے اپنے دل کو محافظ بنا لیا''۔

❁ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

اذا رایت اللّٰہ عزوجل یعطی العبد من الدنیا علی معاصیہ ما یحب فانما ھو استدراج۔

''اگر بندے کی نافرمانی کے باوجود بھی اللہ اس کو نعمتوں سے نوازتا ہے تو (اللہ اس پر راضی نہیں بلکہ) یہ ڈھیل ہے''۔

پھر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ آیت پڑھی رحمۃ اللہ علیہ

فلما نسوا ما ذکروا به فتحنا علیهم ابواب کل شئ حتی اذا فرحوا بما اوتوا اخذناهم بغتة فاذا هم مبلسون۔

"جب انہوں نے نصیحت کو بھلا دیا تو ہم نے ہر شئی (نعمت) کے دروازے ان پر کھول دیے اور جب وہ اس پر خوشیاں منانے لگے تو ہم نے اچانک ان کو پکڑ لیا تو وہ مایوس ہو گئے"۔

حکمت و بخشش کے موتی:

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: کون ہے جو مجھ سے یہ کلمات سیکھ لے اور ان پر عمل کرے یا اس کو سکھادے جو ان پر عمل کریں، ابو ہریرہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا حضور! میں ایسا کروں گا مجھے بتایئے وہ کون سے کلمات ہیں۔ آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر پانچ اشیاء گنیں۔

1- اتق المحارم۔ "حرام چیزوں سے بچو"۔ تکن اعبد الناس۔ "سب سے بڑے عبادت گذار ہو جاؤ گے"۔

2- و ارض بما قسم الله لك۔ "جو اللہ نے تمہاری قسمت میں لکھ دیا ہے اس پر راضی رہو" تکن اغنی الناس۔ "لوگوں میں سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ گے"۔

3- و احسن الی جارك۔ "پڑوسی سے اچھا سلوک کرو۔ تکن مؤمنا۔ مومن بن جاؤ گے"۔

4- واجب للناس ما تحب لنفسك۔ "دوسروں کیلئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے کرتے ہو"۔ تکن مسلما۔ "مسلمان ہو جاؤ گے"۔

5- ولا تکثر الضحك۔ "زیادہ ہنسو مت"۔

فان کثرة الضحك تمیت القلب۔ (ترمذی)

"زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے"۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے انسان!

تفرغ لعبادتی املأ صدرك غنی و اسد فقرك و ان لا تفعل ملأت یدك شغلاً۔

''میری عبادت کیلئے فارغ ہو جا میں تیرا سینہ مالداری سے بھر دوں گا اور تیری غربت دور کر دوں گا ورنہ تجھے مصروف بھی رکھوں گا اور تیری غربت بھی دور نہ ہوگی''۔

حضور علیہ السلام نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جان۔

1- شبابك قبل هرمك۔
''جوانی کو بڑھاپے سے پہلے''۔

2- صحتك قبل سقمك۔
''تندرستی کو بیماری سے پہلے''۔

3- غناك قبل فقرك۔
''مالداری کو غربت سے پہلے''۔

4- فراغك قبل شغلك۔
''فراغت کو مشغولیت سے پہلے''۔

5- حیاتك قبل موتك۔
''زندگی کو موت سے پہلے''۔

صالحین کی پیاری پیاری باتیں:

حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے ''اسماء الصحابۃ'' میں شیخ ابو سلیمان الدارانی کے حوالے سے بیان کیا کہ مجھے علقمہ بن حارث ازدی نے اپنے دادا سے بیان کیا کہ حضرت لقمان حکیم کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ میں تجھے اپنی تمام حکمت تیرے لئے ان چھ باتوں میں جمع کر دیتا ہوں۔

1- اعمل للدنیا بمقدار بقائك فیھا و اعمل للاخرۃ بمقدار بقائك فیھا
"دنیا میں اتنا کما جتنا یہاں رہنا ہے اور آخرت کیلئے اتنا کما جتنا وہاں رہنا ہے"۔

2- و اعمل من المعصیۃ بمقدار بقائل فیھا
"اتنے گناہ کر جتنا وہاں رہنا ہے"۔

3- و اعمل للہ بمقدار حاجتك الیہ
"اللہ کیلئے اتنا کر جتنی تیری ضرورت ہے"۔

4- و اعمل من المعصیۃ بمقدار ماتطیق من العقوبۃ
"اتنے گناہ کر جن کی سزا کی تو طاقت رکھتا ہے"۔

5- ولا تسأل الا من لا یحتاج الی احد
"اسی سے مانگ جو کسی کا محتاج نہیں"۔

6- و اذا اردت ان تعصی اللہ فاعصہ فی مکان لا یراك فیہ
"اگر تو اللہ کی نافرمانی کرنا چاہتا ہے تو وہاں کر جہاں وہ نہ دیکھ رہا ہو"۔
شیخ ابراہیم الخواص رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا دلوں کا علاج پانچ چیزیں ہیں:

1- تدبر کے ساتھ قرأت قرآن۔
2- بطن کا خالی ہونا۔
3- رات کا قیام۔
4- سحری کے وقت رونا۔
5- اور صالحین کی صحبت۔

ہم نے پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں میں پایا:

اولیاء کرام نے اپنی زندگی کا نچوڑ بیان کیا آپ بھی ان کے پاکیزہ تجربات سے استفادہ کریں جب ہم غیر مسلموں کے تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہیں صرف دنیا کی چند روزہ زندگی پر آسائش بنانے کیلئے تو اولیاء کرام کے تجربات سے فائدہ اٹھاؤ

آخرت کی زندگی سنوارنے کیلئے جس کا ایک پہلا دن پچاس ہزار سال کا ہوگا۔ چنانچہ ''روض الریاحین'' میں ہے:

حضرت سیدنا شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم نے پانچ چیزوں کو پانچ میں پایا:

1- گناہوں کے علاج کو نماز چاشت میں۔

2- قبروں کی روشنی کو تہجد میں۔

3- منکر نکیر کے جوابات کو تلاوتِ قرآن میں

4- پل صراط پر سے سلامت گزرنے کو روزہ اور صدقہ وخیرات میں۔

5- حشر میں سایۂ عرش پانے کو گوشہ نشینی میں۔ (شرح الصدور)

غالبًا اس لیے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ زندوں سے قبرستان میں جا کر مردوں کے پاس بیٹھتے تھے اور فرماتے میں ان کے پاس اس لیے بیٹھتا ہوں کہ ایک تو مجھے یاد آخرت دلاتے ہیں اور دوسرا ان کے پاس سے اُٹھ کر جاتا ہوں تو یہ میری غیبت نہیں کرتے۔ (احیاء العلوم صفحہ 25)

عذابِ قبر سے بچاؤ کی تدبیر:

حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب مردہ کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے نیک اعمال آکر اسے گھیر لیتے ہیں۔ اگر عذاب اس کے سر کی طرف سے آئے تو تلاوت قرآن اسے روک لیتی ہے اور اگر پاؤں کی طرف سے آئے تو نماز میں قیام کرنا آڑے آجاتا ہے، اگر ہاتھوں کی طرف سے آئے تو ہاتھ کہتے ہیں۔ اللہ عزوجل کی قسم! یہ ہمیں صدقہ دینے اور دعا کیلئے پھیلاتا تھا تم اس تک نہیں پہنچ سکتے، اگر منہ کی طرف سے آئے تو ذکر اور روزہ سامنے آجاتے ہیں اسی طرح ایک طرف نماز اور صبر کھڑے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں، اگر کچھ کسر باقی رہے تو ہم موجود ہیں۔ (احیاء العلوم)

جو ہر رات سورۃ المُلک پڑھے گا وہ فتنۂ قبر سے محفوظ رہے گا، منکر نکیر اس سے سوالات نہیں کریں گے اور عذابِ قبر سے بچا رہے گا۔ (شرح الصدور)

دعا قبول نہ ہونے کی دس وجوہات:

حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ادعونی استجب لکم۔ (سورۃ الغافر، 60)

"تم مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا"۔

ہم دعا کرتے ہیں مگر قبول نہیں ہوتی، اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

1- عرفتم اللہ فلم تطیعوہ۔

"اللہ کو پہچانتے ہو مگر اس کی اطاعت نہیں کرتے"۔

2- قرأتم القرآن فلم تعلمو بہ۔

"قرآن پڑھتے ہو مگر اس پر عمل نہیں کرتے"۔

3- وعرفتم الشیطان فوا فقتموہ۔

"تم شیطان کے بارے میں جانتے ہو مگر اس کی موافقت کرتے ہو"۔

4- و ادعیتم حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ترکتم سنتہ۔

"تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو مگر ان کا طریقہ چھوڑ چکے ہو"۔

5- وادعیتم حب الجنۃ ولم تعلموا لھا۔

"تم جنت کی محبت کا دم بھرتے ہو مگر اس کیلئے عمل نہیں کرتے"۔

6- و ادعیتم خوف النار ولم تنتھوا عن الذنوب۔

"تم دوزخ سے خوف کی بات تو کرتے ہو مگر گناہوں سے بچتے نہیں ہو"۔

7- وقلتم ان الموت حق ولم تستعدوا لہ۔

"تم مانتے ہو کہ موت حق ہے مگر اس کیلئے تیاری نہیں کرتے"۔

8- و اشتغلتم بعیوب غیر کم ولم تنظر وا الی عیوبکم۔

"تم غیروں کے عیوب دیکھتے ہو لیکن اپنے عیوب تمہیں دکھائی نہیں دیتے"۔

9- وتا کلون رزق اللہ ولا تشکرون۔

''تم اللہ کا رزق کھاتے ہو مگر شکر ادا نہیں کرتے''۔

10- وتدفنون امواتکم و لا تعبرون۔

''تم اپنی اموات کو دفن کرتے ہو مگر عبرت حاصل نہیں کرتے''۔

ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

ان اللّٰہ لا یستجیب دعاء من قلب غافل لاہ۔ (حدیث:3479)

''اللہ تعالیٰ غافل اور بے پرواہ دل والے کی دعا قبول نہیں فرماتا''۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک نماز میں بالجہر قرأت فرمائی۔ نماز سے فارغ ہو کر پوچھا کہ کیا میں نے اس سورت سے کچھ چھوڑا ہے نمازیوں نے لاعلمی کا اظہار کیا صرف حضرت ابی بن کعب نے کہا ہاں یا رسول اللہ فلاں فلاں (آیت چھوٹ گئی ہے) فرمایا: اس قوم کا کیا حال ہے جس پر کتاب اللہ کی تلاوت کی جائے تو اس کو اتنا بھی علم نہ ہو کہ کیا پڑھا ہے اور کیا چھوڑا ہے، پھر فرمایا:

ھکذا اخرجت عظمۃ اللّٰہ من قلوب بنی اسرائیل شھدت ابدانھم و غابت قلوبھم ولا یقبل اللّٰہ من عبد عملا حتی یشھد قلبہ مع بدنہ۔ (مجمع الزوائد 2:69)

''بنی اسرائیل کے دل اللہ کی عظمت سے اسی طرح خالی ہو گئے، ان کے جسم تو حاضر تھے مگر دل غائب، اللہ تعالیٰ بندے کا وہ عمل ہرگز قبول نہیں فرماتا جس میں دل جسم کے ساتھ حاضر نہ ہو''۔

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

افضل الدعاء الالحاح علی اللّٰہ و التضرع الیہ۔

''بہترین دعا وہ ہے جس میں آہ وزاری ہو''۔

امام طبرانی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں عرفہ کے دن حضور علیہ السلام نے اس طرح دعا کی:

ویدہ الی صدرہ کاستعطاء المسکین۔
''ہاتھ سینے تک اُٹھائے ہوئے تھے جیسے کوئی مسکین سائل ہوتا ہے''۔
(فیض القدیر:2،118)

امام حسین رضی اللہ عنہ حالت سجدہ میں دعا کے اندر یہ الفاظ بھی کہتے:

عبدك بغنائك فقيرك بغنائك مسكينك بغنائك۔
''تو ہی غنی ہے میں تو غلام، فقیر اور مسکین ہوں''۔
حضرت طاؤس فرماتے ہیں میں نے یہ کلمات یاد کر لئے ہیں جب بھی کوئی مشکل آتی ہے تو ان کلمات سے دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ مشکل آسان کر دیتا ہے۔

آیت سے حاصل شدہ فوائد، عقائد، مسائل:

- صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے انعام یافتہ ہونے میں کیا شک ہے جو صدیقین کے امام و پیشوا ہیں اور ان کی خلافت کے حق ہونے میں کیا کلام ہے کیونکہ صدیقین کا راستہ اللہ تعالیٰ سے مانگا جا رہا ہے اور صدیق اکبر کے گھر جانے والا راستہ تو وہ ہے کہ حضور علیہ السلام مکہ میں روزانہ صبح و شام چل کر ان کے گھر جاتے اور ہجرت کی رات ان کے گھر کو جا رہے تھے اور ساتھ سورہ یٰسین کی یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے:

انك لمن المرسلين على صراط مستقيم۔
''بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں اور سیدھے راستے پہ (جا رہے) ہیں''۔

- آئمہ کرام یقیناً انعام یافتہ لوگوں میں شامل ہیں جن کا راستہ اللہ سے مانگا جا رہا، اور چونکہ تمام محدثین، مفسرین، فقہاء، صدیوں سے کسی نہ کسی امام کی تقلید کرتے آرہے ہیں کوئی بھی غیر مقلد نہیں، بلکہ بخاری و مسلم و ترمذی کی ہر سند میں مقلدین موجود ہیں۔ لہٰذا تقلید کو شرک کہنے کا قول باطل ٹھہرا۔ قرآن میں جس پیروی سے روکا گیا ہے وہ کافر آباؤ اجداد کی پیروی ہے جبکہ نیکوں کی پیروی کا حکم ہے واتبع سبيل من اناب الی۔ اور نیکوں کی راہ پہ چلنے کی ہی تو دعا کی جا رہی

ہے۔حدیث شریف میں ہے ماراہ المؤمنون حسنا فھو عند اللہ حسن۔ اہل ایمان (چونکہ زمین پہ شہداء اللہ ہیں اس لئے وہ) جس شئی کو اچھا سمجھیں وہ اللہ کے ہاں بھی اچھی ہے۔اور کسی نے بھی اہل ایمان میں سے تقلید کو برا نہیں کہا ورنہ وہ خود کیوں تقلید کرتے۔اسی طرح محفل میلاد،صلوۃ وسلام،ایصال ثواب کے مروجہ طرق جائز ہیں کیونکہ ایک صدی سے نام نہاد توحید کے ٹھیکداروں کے علاوہ ہر دور میں اہل ایمان ان کو اچھا سمجھتے آتے ہیں۔

نعمت کیا ہے؟:

انعمت سے ایک فائدہ یہ حاصل ہوا کہ انعام سے ہے یعنی نعمت دینا اور نعمت میں نرمی کا معنیٰ ہوتا ہے۔ چنانچہ اہل عرب نرم کپڑے کو ثوب ناعم اور نرم کھال کو جلد ناعم کہتے ہیں ۔ یہاں نعمت سے مراد وہ اشیاء ہیں جن سے انسان لذت وسرور حاصل کرے لہٰذا مال و دولت ہو یا صحت و تندرستی یہ سب چیزیں نعمت ہیں۔ پھر سوال پیدا ہوا کہ اس طرح تو ہر بندہ انعام یافتہ ہوگیا کہ بے شمار نعمتیں ایسی ہیں کہ کافروں کے پاس بھی ہیں بلکہ مسلمانوں سے زیادہ ہیں۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ نعمت تین طرح کی ہے۔

1- بلاسبب اللہ کی طرف سے ملتی ہے جیسے زندگی، بچپن میں رزق،دھوپ،ہوا،وغیرہ۔
2- وہ نعمت جو بلا کسی واسطے سے ملے جس طرح دنیا کا مال۔
3- وہ جو ہمارے اعمال کے ذریعے سے ہمیں ملتی ہے جنت اور اس کی نعمتیں ان تینوں کی مثال اس طرح ہے کہ ایک شخص ایمان وعمل سے جنت حاصل کر لیتا ہے، دوسرے بغیر عمل کسی کے طفیل جنت پا لیتا ہے جس طرح مسلمانوں کے بانا لغ بچے اور تیسرے نے بغیر کسی سبب کے جنت پالی جیسے حور وغلمان۔ پھر پہلی قسم کی نعمت دو طرح کی ہے ایک دنیوی جیسے اعضاء اور ان کی طاقتیں، دوسری دینی جیسے ایمان وہدایت۔ اس آیت میں یہی نعمت مراد ہے جس کا انعام اللہ نے مذکورہ چار طبقوں پہ فرمایا ہے۔

سچا عقیدہ کونسا ہے؟:

سچا عقیدہ ودین وہی ہے جس میں اولیاء کرام ہیں، جو عقیدہ و مذہب سچا نہ رہے اس سے ولایت کو اُٹھا لیا جاتا ہے جس طرح کہ نبی اسرائیل کا دین منسوخ ہونے سے پہلے ان میں اولیاء (آصف بن برخیا، اصحاب کہف بی بی مریم وغیرہ) آتے رہے۔ اور جب وہ دین منسوخ ہو گیا تو ولایت بھی ساتھ ہی ختم ہو گئی موجودہ دور میں اہل سنت کا عقیدہ ہی سچا اور حقہ ہے کہ تمام متفقہ اولیاء کرام اسی عقیدے کے حامل ہیں یقین نہ آئے تو ان کی کتابیں پڑھ کر دیکھ لو اور ہزار بار سوچو کہ شیعہ مرزائی تو خیر ایک طرف رہے زیادہ توحید کا شور مچانے والے خواہ وہ غیر مقلد نام نہاد اہل حدیث ہوں یا نام نہاد مقلد واہل سنت (دیوبندی) ہوں ان کے مندرجہ ذیل عقائد میں سے کیا کوئی عقیدہ بھی کسی بزرگ (ولی اللہ) سے ملتا ہے؟

عقائد باطلہ کے چند نمونے:

1- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مزار گرا دینے کے لائق ہے۔ اگر میں اس کے گرا دینے پر قادر ہوا گیا تو گرا دوں گا۔ بانی وہابی مذہب محمد بن عبدالوہاب نجدی۔ (واضح البراہین)

2- میری لاٹھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر ہے کیونکہ اس سے سانپ مارنے کا کام لیا جا سکتا ہے۔ اور محمد مر گئے۔ ان سے کوئی نفع باقی نہ رہا۔ (واضح البراہین صفحہ 10)

3- محمد بن عبدالوہاب کا عقیدہ تھا کہ جملہ اہل عالم (تمام مسلمانان عالم مشرک و کافر ہیں اور اُن سے قتل وقتال کرنا، اُن کے اموال کو اُن سے چھین لینا حلال اور جائز بلکہ واجب ہے۔ (ماخوذ حسین احمد مدنی الشہاب الثاقب صفحہ 43)

4- غیب کی باتوں کا جیسا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے ایسا علم زید و عمر بچوں اور پاگلوں کو، بلکہ تمام جانوروں کو حاصل ہے، رسول کی تخصیص نہیں۔ حوالہ کیلئے دیکھئے کتاب۔ (حفظ الایمان صفحہ 8، مصنفہ مولوی اشرف علی تھانوی، شائع کردہ کتب خانہ اشرفیہ کمپنی دیوبند اور کتب خانہ اعزازیہ دیوبند)

5- حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی سمجھنا عوام کا خیال ہے اہل علم کا نہیں۔

(تحذیر الناس صفحہ 3، مصنفہ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی شائع کردہ کتب خانہ اعزازیہ دیوبند)

6- حضور نبی کریم علیہ السلام کے بعد کوئی نبی پیدا ہو جائے تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ (تحذیر الناس۔ صفحہ 25)

7- شیطان و ملک الموت کو تمام روئے زمین کا علم ہے اور حضور علیہ السلام کے علم سے زیادہ ہے۔ (براہین قاطعہ صفحہ 55 مصنفہ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی شائع کردہ کتب خانہ امدادیہ دیوبند)

8- نماز میں حضور علیہ السلام کا خیال گدھے اور بیل کے خیال میں ڈوبنے سے برا ہے۔

(صراط مستقیم صفحہ 97 مصنفہ مولوی اسمٰعیل دہلوی شائع کردہ کتب خانہ اشرفیہ راشد کمپنی دیوبند)

9- ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے۔

(تقویۃ الایمان صفحہ 13 مصنفہ مولوی اسمٰعیل دہلوی شائع کردہ کتب خانہ اشرفیہ راشد کمپنی دیوبند)

10- سب انبیاء و اولیاء اس کے روبرو ایک ذرہ ناچیز سے بھی کمتر ہیں۔

(تقویۃ الایمان صفحہ 48)

11- حضور علیہ اسلام کی تعظیم بڑے بھائی کی سی کیجئے۔ (تقویۃ الایمان صفحہ 52)

12- حضور علیہ السلام پر افتراء باندھتے ہوئے مولوی اسماعیل نے لکھا:

''میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں۔ (تقویۃ الایمان صفحہ 53)

13- حضور علیہ السلام کا یوم میلاد منانا کنھیا کے جنم دن منانے کی طرح ہے۔

(براہین قاطعہ صفحہ 152)

خلیل احمد انبیٹھوی دیوبندی حضور علیہ السلام کیلئے اُردو زبان کا علم دیوبند کے علماء سے آنا بتاتے ہیں۔ (براہین قاطعہ صفحہ 30)

بلغۃ الحیران نامی کتاب صفحہ 8 میں حضور علیہ السلام کا دوزخ میں (نعوذ باللہ من ذلك نقل کفر کفر نہ باشد، معاذ اللہ) گرنا لکھا اور اپنے لئے لکھا کہ میں نے اُنہیں گرنے سے روکا۔

رسول کو دیوار کے پیچھے کا علم نہیں۔ (براہین قاطعہ صفحہ 55)

رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ (تقویۃ الایمان صفحہ 50)
یہ چند حوالے ہیں آپ خود ہی فیصلہ کرلیں کہ کیا ان عقائد کے حامل افراد مسلمان کہلانے کے حقدار ہیں؟ اگر یہ عقائد رکھنے والے کافر و مرتد ہیں تو ان کو مسلمان سمجھ کر نماز میں امام بنانا کیا کفر نہیں؟

نوٹ: اس طرح کے مزید عقائد دیکھنے ہوں تو وہابی مذہب اور دیوبندی مذہب نامی کتابوں کا مطالعہ فرمائیں۔

تقلید کے بارے میں ایک شبہ کا ازالہ:

باقی رہا غیر مقلدین کا یہ سوال کہ جبکہ صحابہ کرام بھی انعام یافتہ ہیں تو پھر انہی کے راستے پہ چلو اور کسی کی تقلید نہ کرو تو اس کا الزامی جواب تو یہ ہے کہ پھر کوئی نبی کسی دوسرے نبی کا امتی بھی تو نہیں ہے اور پہلا طبقہ انعام یافتہ لوگوں کا تو انبیاء کرام ہی ہیں لہٰذا اپنے آپ کو اگر مقلد نہیں کہلاتے ہو تو امتی بھی نہ کہلاؤ تا کہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔

جواب تحقیقی یہ ہے کہ صحابہ کرام میں اصل تقلید موجود تھی یعنی غیر فقہاء صحابہ کرام فقہاء صحابہ کی تحقیق وفتویٰ پہ عمل کرتے اور وہ فقہاء حضرات قرآن وسنت سے مسائل کا استنباط فرما کر ان کو مسائل بتاتے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

و اذا جائهم امر من الامن اوالخوف اذا عوابه و لورد وه الى الرسول و الى اولى الامر منهم لعلمه الذين يستنبطونه منهم۔(83:4)

"اور جب ان کے پاس کوئی بات اطمینان یا خوف کی آتی ہے تو وہ اس کو پھیلا دیتے ہیں اگر وہ رسول پاک اور صاحبان اختیار (اکابر صحابہ، صاحبان بصیرت واجتہاد) کی طرف رجوع کرتے تو ضرور اس کی حقیقت جان لیتے جو بعد میں کاوش کرتے ہیں"۔

مفسرین کرام اس آیت کے تحت فرماتے ہیں کہ اس میں جواز قیاس پہ دلیل ہے

اور یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ ایک علم کا تعلق قرآن وحدیث کے واضح الفاظ کے ساتھ ہے اور دوسرا وہ علم ہے جو استنباط وقیاس کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ امور دینیہ میں ہر شخص کو دخل دینے کا حق نہیں ہے۔

باقی رہا یہ کہ پھر صحابہ میں فقہاء کی طرح مذاہب کیوں نہ بنے اور اختلاف کیوں نہ ہوئے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے سینے مشکوۃ نبوت سے منور تھے اس لئے ان میں اختلاف کم تھے اور جو تھے وہ بھی رحمت تھے۔ جس طرح کہ قرآن پاک پہ اعراب، پاروں، رکوعوں، اوقاف کے نشانات، اسماء الرجال، اسناد پہ جرح وتعدیل کی ان کو ضرورت نہ تھی لیکن آج ہمارے لئے اس کے بغیر گذارا نہیں ہے لہٰذا اس دور میں اگر کوئی کہے کہ صحابہ کے دور میں یہ باتیں نہ تھیں اس لیے یہ عمل ان کے طریقے کے خلاف ہے تو وہ احمق ہی ہوگا جو ایسا کہے گا ارے بندۂ خدا صحابہ کو ان چیزوں کی ضرورت ہی نہ تھی۔ جہاز ٹرین میں یا لاؤڈ سپیکر میں نماز پڑھنے کا مسئلہ ریڈیو ٹی وی سے سنی گئی آیت سجدہ پہ سجدہ واجب ہونا یا نہ ہونا وغیرہ جو اس دور کے مسائل ہیں ہمیں ان پر تحقیق کی ضرورت ہے نہ کہ صحابہ کو۔ لہٰذا راستہ وہی ہے جو صحابہ کا ہے اگر نام حنفی شافعی یا قادری چشتی پڑ گئے ہیں تو یہ ایسے ہی ہے کہ جس طرح ایک قافلے میں سفر کرنے والا کوئی لوہار ہے کوئی بڑھئی، کوئی اجر کوئی ماجور، کوئی کرایہ دار کوئی مالک۔ ہر ایک کے کام اگرچہ مختلف ہیں مگر منزل تو سب کی ایک ہی ہے۔ یا علاج کے مختلف طریقے ہوں یونانی، ہومیو، دیسی تو طریقے جداگانہ سہی کوئی مفرد دواؤں سے علاج کر رہا ہے تو کوئی معجونوں سے اور کوئی عرقیات وشربتوں سے مگر مقصد تو سب کا ایک ہی ہے کہ بیماری سے نجات حاصل ہو اور مریض تندرست ہو۔

مسجد کو اگر چار راستے آتے ہیں تو کوئی کسی راستے سے بھی مسجد میں آجائے کوئی حرج نہیں مقصد تو مسجد میں آنا ہے۔

بہر حال اعمال کا یہ اختلاف مزاجوں کی وجہ سے ہے جس طرح کہ موسیٰ علیہ السلام کے

زمانے کے احکام اس زمانے کے لوگوں کے مزاج کے مطابق تھے اور دور عیسوی میں لوگوں کے مزاج سے دین عیسوی ہی موافق تھا اصل توحید میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ایں خیال است ومحال است وجنون:

ایک ہی چیز ایک بندے کیلئے رحمت و نعمت ہے دوسرے کیلئے زحمت، مسلمان کو نعمت ملے تو وہ شکر کرتا ہے اور وہ نعمت اس کیلئے رحمت ہو جاتی ہے اور یہی چیز اگر کافر کو ملے تو اس کی سرکشی بڑھ جاتی ہے اور یہ نعمت اس کیلئے زحمت ہو جاتی ہے۔

جس طرح کہ فرمایا: یضل به کثیرا ویھدی به کثیرا۔ قرآن سے ہی بہت سارے لوگ گمراہ ہوتے ہیں اور بہت سارے ہدایت پاتے ہیں۔

اس کی مثال یوں بھی دی جاسکتی ہے کہ گائے بھینس کا بھی دودھ ہی ہوتا ہے اور گدھی، کتیا کا بھی دودھ ہی ہے مگر وہ پاک ہے یہ ناپاک۔ ایک حلوا زہر آلود ہے دوسرا نہیں، دونوں حلوے ہی ہیں مگر ایک کے کھانے سے آرام وسکون ملے اور دوسرے کے کھانے سے موت ملے اسی طرح ایک ہی شئی کافر و مسلم کو ملتی ہے تو نوعیت جدا جدا ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ولا یحسبن الذین کفروا انما نملی لھم خیر لا نفسھم انما نملی لھم لیزدا دوا اثما۔ (ال عمران:178)

''کافر ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ ان کو جو ہم ڈھیل دیتے ہیں وہ ان کیلئے بہتر ہے ہم تو ان کو ڈھیل اس لئے دیتے ہیں تا کہ گناہوں کو بڑھا سکیں (اور پوری طرح عذاب مہین اور دوزخ کے حقدار بن جائیں)''

معلوم ہوا کہ دنیا کا یہ سفر اتنا آسان نہیں کہ ہر کوئی اس کو طے کر سکے اور پھر شیطان سے بھی محفوظ رہ سکے جب معمولی سفر بغیر راہنما کے طے نہیں ہوسکتا تو اتنا لمبا سفر جس میں ہزاروں خطرات شیطانی قدم قدم پہ ہماری گمراہی کے منتظر ہیں یہ سفر بھی کسی کی رہنمائی کے بغیر طے نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ ان راہنماؤں کی گستاخیاں کی جائیں اور ان کا

مذاق اُڑایا جائے یہ بھی شیطان کا دھوکہ ہی ہوسکتا ہے جس کے ہوتے ہوئے اخروی کامیابی کا حصول؟ ایں خیال است ومحال است وجنون۔

آخری بات:

اس آیت سے ایک یہ بھی اشارہ مل رہا ہے کہ اہل ایمان کا کسی مسئلہ پہ جمع ہو جانا شرعی دلیل کا حکم رکھتا ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے سواد اعظم کی پیروی کا حکم دیا ہے۔ اور ان سے جدا ہونے کو اس بکری کی طرح قرار دیا کہ جو اپنے گلہ سے جدا ہونے کی وجہ سے بھیڑیے کا لقمہ بن جاتی ہے۔ (ایک روایت میں ان الفاظ کے ساتھ سوادِ اعظم کی پیروی کا حکم ہے۔ اتبعوا سواد الاعظم فانه من شذشذ فی النار یعنی جو سوادِ اعظم سے نکل گیا وہ دوزخ میں جا پہنچا)

ہے وہ بھی بندہ جو اللہ کے بندوں سے جُدا ہو کر دوزخ کی طرف جا رہا ہے اور ہے وہ بھی بندہ کہ سارا زمانہ اس کی پیروی کر رہا ہے اور جب وہ رضائے خدا اور خوشنودیٔ مصطفیٰ والی زندگی گذار کر اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو آسمان سے ندا آتی ہے۔

؎ فرشتو! چوم لو تا بوت اس کا
خدا کا خاص بندہ آرہا ہے

خدا کا شکر ہے کہ ہمیں اس نے ایسے ہی بندوں کی غلامی میں پیدا کیا اور انہی کا دامن تھام کر زندگی گزار رہے ہیں اللہ ہمارا خاتمہ بھی انہی ذوات قدسیہ کے دامن رحمت کے سائے میں فرمائے اور ہمارا حشر بھی انہی کے ساتھ ہو کیونکہ ہم گناہ گار تو چیز ہی کیا ہیں بڑے بڑے مقبولان بارگاہ الٰہی یہ دعا کرتے رہے۔

توفنی مسلماو الحقنی بالصالحین۔

''اے اللہ مجھے اسلام کی حالت میں موت دینا اور نیکو کاروں کے ساتھ ملا دینا''۔

الحمد للّٰہ الذی ھدانا سواء الطریق و جعل لنا التوفیق خمر

رفیق و الصلوۃ و السلام علی من ارسلہ ھدی ھو بالاھتداء حقیق و نورابہ الاقتداء یلیق وعلی الہ و اصحابہ الذین سعدوا فی مناھج الصدق بالتصدیق و صعدوا فی معارج الحق بالتحقیق۔ خصوصاً علی خلیفۃ الرسول بلا فصل بالتحقیق امیر المؤمنین و خلیفۃ المسلمین سیدنا ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل البشر بعد الانبیاء۔

وعلی الناطق بالحق و الصواب الذی کان رایہ موافقا بالوحی و الکتاب امیر المؤمنین و امام المتورعین عمربن الخطاب رضی اللہ عنہ قامع الجور و الجفآءِ وعلی جامع القرآن کامل الحیآء و الایمان امیر المؤمنین و امام المتقین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ متبع الحلم و الحیآءِ و علی اسد اللہ الغالب امام المشارق و المغارب امیر المؤمنین و امام المھتدین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجھہ خاتم الخلفآءِ وعلی القمرین النیرین ابی محمدِ الحسن و ابی عبد اللہ الحسین رضی اللہ عنھما سیدی الشھدآءِ وعلیٰ اُمھما سیدۃِ النسآءِ فاطمۃ الزھرآءِ رضی اللہ عنھا وھی بغضۃ سید الانبیاء صلواۃ اللہ تعالٰی و تسلیماتہ علیھا وعلی ابیھا وَعلی عمیہ المکرمین عند اللہ وعند الناس ابی عمارۃ الحمزۃ و ابی الفضل العباس رضی اللہ عنھا وعلی الباقیۃ من العشرۃ المبشرۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم الذین بایعوا تحت الشجرۃِ ط اللّٰھم اغفر لجمیع المؤمنین و المؤمنات و المسلمین و المسلمات برحمتک یا ارحم الراحمین ط

دسواں درس

الحمد للّٰہ رب العالمین الذی انارطریق الحق بکتابہ الکریم ورسولہ الرحیم وھدی السالکین طریق الحق الی الیقین وجعل احباب رسولہ حملتہ نور الطریق الیہ و حباھم من العلم اللدنی وورثوہ من النبی بما حباھم بہ حتی غدوا ائمۃ حتی یھتدیٰ بھدیھم ویستنار بقولھم و الصلوۃ والسلام علی امام الائمۃ وقائد الامۃ و کاشف الغمۃ و الرحمۃ المھداۃ من جعلہ اللّٰہ ایۃ الایات وسید السادات بہ کنا و منہ استمطرنا و بنورہ اھتدینا فی الدنیا و الاخرۃ ارسلہ اللّٰہ رحمۃ و ھدایۃ للعالمین وقدوۃ اھل الحق و الیقین وعلی الہ الطیبین الطاھرین و اصحابہ الکاملین الھادین و اولیاء امتہ السالکین الکاملین رضو ان اللّٰہ علیھم اجمعین۔ اما بعد

فاعوذباللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

غیر المغضوب علیھم و لا الضالین۔

''نہ ان لوگوں کا راستہ جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا''۔

ربط و تعلق آیاتِ طیّبات:

اہل عرب کہتے ہیں ''تعرف الاشیاء باضدادھا'' چیزیں اپنی ضدوں سے

پہچانی جاتی ہیں۔ جب تک اندھیرے کا تصور ذہن میں نہ ہو روشنی کی کماحقہ پہچان نہیں ہو سکتی، جہالت کے بارے میں معلومات نہ ہوں تو علم کی عظمتیں نکھر کر سامنے نہیں آتیں، چونکہ پہلے صراط مستقیم اور انعام یافتہ لوگوں کا تذکرہ کیا اور اب ٹیڑھے راستے اور اس پہ چلنے والوں کی نشاندہی فرمائی جارہی ہے تا کہ اُس راستے پہ چلنے کی دعا کے ساتھ اہمیت بھی واضح ہو اور اُس راستے پہ چلنے والوں (انعام یافتہ لوگوں) کی عظمت معلوم ہو اور ان سے وابستگی کے حصول کی کوشش کی جائے اور اس (ٹیڑھے) راستے اور اس پہ چلنے والوں کی قباحت و ذلت معلوم ہو اور ان سے دور رہ کر اپنے ایمانوں کو بچانے کی فکر کی جائے، انعام یافتہ لوگوں کا ذکر کیا تا کہ انسان کے دل میں اللہ کی رحمت کی امید پیدا ہو اور گمراہوں کا ذکر اس لئے کیا تا کہ دل میں اللہ کا خوف پیدا ہو اور امید و خوف کی درمیانی کیفیت سے ایمان کی حلاوت ولذت نصیب ہوتی رہے۔

(الایمان بین الخوف و الرجاء)

جس طرح پرندہ ایک بازو سے پرواز نہیں کرسکتا اسی طرح ایماندار کے یہ دو بازو ہیں جن کے ذریعے ایماندار قرب الٰہی کی بلندیوں کی طرف پرواز کرتے ہیں۔ جس طرح عقیدے و عمل کی درستگی کے بغیر نجات نہیں اسی طرح امید و رحمت اور خوفِ خدا کے بغیر ایمان مکمل نہیں۔

مغضوب علیہم اور گمراہ کون لوگ ہیں:

ترمذی شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''جن پر غضب ہوا وہ یہودی ہیں اور جو گمراہ ہوئے وہ عیسائی ہیں''۔

اس کے علاوہ مفسرین نے اور بھی کئی طرح سے تفسیر فرمائی ہے مثلاً جن پر غضب ہوا وہ فاسق وفاجر ہیں اور جو گمراہ ہوئے وہ کافر ہیں۔ یا مغضوب علیہم کھلے کافر ہیں اور ضالین سے مراد منافق ہیں کیونکہ سورۂ بقرہ میں پہلی پانچ آیات میں اہل ایمان کا ذکر فرمایا اگلی دو آیات میں کھلے کافروں کا تذکرہ ہوا اور اس کے بعد تیرہ آیات میر

منافقین کا ذکر ہے۔ اس سورۃ کا بھی اگر وہی اسلوب ہو تو دونوں سورتوں میں مضمون کے اعتبار سے مطابقت پیدا ہو جاتی ہے۔

یا مغضوب علیہم منکرین خدا ہیں اور ضالین وہ لوگ ہیں جو خدا کو تو مانیں مگر دیگر ضروریات دین کا انکار کریں۔

یا پہلے طبقے سے مراد وہ لوگ ہوں جنکی بدعقیدگی حدِ کفر تک پہنچ گئی ہے۔ اور دوسرے طبقے سے وہ لوگ مراد ہوں جن کی بدعقیدگی اس حد تک نہیں پہنچی۔ الغرض ہر قسم کی خرابی (چاہے عقیدے کی ہو یا عمل کی) سے بچنے کی دعا مانگ کر اپنے عقیدے و عمل کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے اگرچہ غضب کا لغوی معنیٰ امام راغب اصفہانی کے مطابق یہ ہے کہ ''انتقام کے ارادے سے دل کا خون کھولنا، جو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پہ صادق نہیں آتا، لہٰذا مفسرین فرماتے ہیں کہ جب اس لفظ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگی تو معنیٰ مطلقا انتقام ہوگا۔

یاد رہے! تفہیم القرآن میں مودودی صاحب نے مغضوب علیہم کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ ''جو معتوب نہیں ہوئے'' جو اس وجہ سے درست نہیں ہے کہ غضب کا تعلق صرف انتقام سے ہے جس میں ناراضگی کا ہونا ضروری ہے جبکہ عتاب تو محبوبانہ بھی ہوتا ہے اسی لئے قرآن وسنت میں اللہ کے پیاروں کی طرف عتاب کی نسبت موجود ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے عتب اللہ علیہ۔ (بخاری جلد 1 صفحہ 23)

سورۂ عبس کی تفسیر میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے اس (عبداللہ بن ام مکتوم) کی وجہ سے مجھ پہ عتاب فرمایا اور ان کی آمد پہ فرمایا: مرحبا لمن عاتبنی فیہ ربی۔ (روح المعانی جلد 30 صفحہ 39)

الغرض! اگر غضب سے مراد عتاب لیا جائے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہمارے آقا و مولیٰ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی (خاکم بدہن) مغضوب علیہم میں شامل ہو جائیں گے جو کوئی بھی ایماندار تصور تک نہیں کر سکتا۔ غضب میں عقوبت، ناراضگی اور ارادۂ

انتقام ہے اور عتاب میں مخاطبة الادلال۔ یعنی محبوبوں کی بے توجہی پر محبوبانہ خفگی کا اظہار ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آج تک کسی بھی مفسر نے غضب کا معنیٰ عتاب نہیں کیا۔ اگر بعض اردو لغت کی کتابوں میں غضب کا معنیٰ عتاب کیا گیا ہے تو انہوں نے اردو زبان کے محاورہ واستعمال کے مطابق کیا ہوگا جبکہ قرآن تو عربی میں ہے انا جعلنه قرانا عربیا لعلکم تعلقون۔ ہر زبان کے محاورے اور استعمالات اسی زبان کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں جو دوسری زبان میں نہیں چل سکتے۔

یہود ونصاریٰ کی دین دشمنی:

یہود ونصاریٰ دونوں طبقے اپنے حسد وبغض، سرکشی و اسلام دشمنی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے غضب کا نشانہ بنے ہیں مگر قرآن پاک میں یہود کو عیسائیوں سے زیادہ شدید قرار دیا گیا ہے:

لتجدن اشد الناس عداوة للذین امنو الیهودو الذین......

(المائدہ:83)

''ضرور تم یہودیوں اور مشرکین کو ایمان والوں کا سب سے بڑھ کر دشمن پاؤ گے''۔

اسی وجہ سے قرآن پاک میں کئی مقامات پہ بالخصوص یہود ہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی، غضب، عذاب اور لعنت کا ذکر ہوا ہے۔

فباء و ابغضب علی غضب۔ من لعنه اللّٰه و غضب علیه وجعل منه القردة و الخنازیر۔

جبکہ عیسائیوں کے بارے میں باوجود اس کے کہ فرمایا:

ولتجدن اقربهم مودة للذین امنوا الذین قالوا انا نصریٰ۔

اور ضرور تم پاؤ گے مسلمانوں کی دوستی میں زیادہ قریب نصاریٰ کو بھی فرمایا:

وضلوا عن سواء السبیل۔

''یہ سیدھے راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں''۔

اس کی وجہ تو وہ ہے جو قرآن نے بیان فرمائی:

ذلك بان منهم قسيسين ورهبانا و انهم لا یستکبرون۔

''ان میں عالم و درویش ہیں جو تکبر نہیں کرتے''۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ عیسائی جو گمراہ ہوئے ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی محبت میں ''غلو'' کی وجہ سے جبکہ یہودی اللہ کے نبیوں کی عداوت و دشمنی کے سبب خدا کے غضب کا نشانہ بنے ہیں اسی لئے انہوں نے اللہ کے نبیوں کو قتل بھی کیا۔ تو یہود کی گمراہی عداوت پہ مبنی ہوئی اور نصاریٰ کی گمراہی محبت پہ لہٰذا ہمیں ان دونوں کی راہوں سے بچنے کی دعا سکھائی گئی کہ نہ تو اللہ کے پیاروں سے دشمنی کر کے ان کی توہین و تنقیص کریں اور نہ عیسائیوں کی طرح اللہ کے پیاروں کی شان میں غلو و مبالغہ کریں کیونکہ صراط مستقیم ان دونوں راستوں کے درمیان کا راستہ ہے جس میں نہ اللہ کے کسی پیارے کی تنقیص ہے اور نہ ہی کسی کی شان میں مبالغہ ہے۔ اور اہل سنت صراط مستقیم پہ ہیں جو نہ تنقیص و توہین کے قائل ہیں اور نہ ہی غلو و مبالغہ کے۔ خدا تعالیٰ ہمیں یہود و نصاریٰ کے طریقوں اور ان کی برائیوں سے محفوظ رکھے جن میں اس دور کا مسلمان پوری طرح جکڑ دیا گیا ہے، آج کے مسلمان کی شکل و صورت، عادات و اطوار، رہن سہن اور معاشرتی خرابیاں انہی (مہربانوں) دونوں گروہوں کی ''عطا کردہ'' ہیں۔

ضال کا معنی:

''ضالین'' جمع ضال کی ہے جو کہ ضلالت سے ہے اور اس (ضلالت) کا معنی ہے سیدھے راستے سے ہٹ جانا، اس کی ضد ہدایت ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

من اهتدى فانما يهتدي لنفسه ومن ضل فانما يضل عليها۔ (الاسراء)

''جس نے ہدایت کو قبول کر لیا اس نے اپنا ہی فائدہ کیا اور جو گمراہ ہوا اس

کی گمراہی کا وبال اسی پر ہے"۔

یہ اس لفظ کا اس وقت معنی ہوگا کہ جب کفار و بے دین لوگوں کے متعلق بولا جائے گا اگر یہی لفظ انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں بولا جائے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت میں یعقوب علیہ السلام پر ان کے بیٹوں نے بولا اور اپنے باپ سے کہا:

انك لفی ضلٰلك القدیم۔

"بے شک آپ تو اپنی پرانی محبت میں ہیں"۔

چونکہ بیٹوں کے خیال میں یہ محبت بے جا تھی اسی لئے انہوں نے اس کو ضلال کے ساتھ تعبیر کیا اسی طرح حضور علیہ السلام کے بارے میں و وجدك ضالا فھدیٰ کا معنی بھی محبت میں خودرفتگی کیا جانا ہی درست ہے۔

الحاصل! کسی شئی کی محبت میں بہت دور نکل جانا اگر وہ شئی اچھی ہے تو وہ محبت بھی اچھی ہے ورنہ گمراہی۔ حضور علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی محبت میں انتہاء کو پہنچے اور از خود رفتہ ہونے کی کیفیت پیدا ہوگئی لہٰذا یہ لفظ آپ کیلئے اچھے معنوں میں استعمال ہوگا اور کفار و مشرکین اپنے بتوں کی محبت میں پاگل ہو گئے تو ان کیلئے یہی لفظ ان معنوں میں استعمال نہ ہوگا بلکہ گمراہی میں انتہا کو پہنچنا کے معنیٰ میں بولا جائے گا۔ پھر چونکہ یہود کو نبیوں کے ساتھ بغض و عداوت تھی اس لئے ان کو مغضوب علیہم قرار دیا اور نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کی محبت میں غلو کر کے گمراہ ہوئے ان کو ضالین فرمایا گیا ورنہ دونوں کے گمراہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔

آیت سے حاصل شدہ فائدہ:

انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی بھی نبی کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ ایک لمحہ بھر کے لئے گمراہ ہوئے یا بھٹکے، بذات خود گمراہی ہے کیونکہ امت کو نبی کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے اور گمراہ ہونے والوں سے تو بچنے کا حکم ہے۔

یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللّٰہ و کو نو مع الصدقین۔ (التوبہ)

''اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور سچوں کی صحبت اختیار کرو''۔

فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظالمین۔ (انعام)

''یاد آ جانے کے بعد ظالموں کی صحبت میں نہ بیٹھو''۔

اور پھر اگر نبی خود ہی بھٹک جائے (نعوذ باللّٰہ) تو امت کا کیا بنے گا۔ ہاں مرزا قادیانی کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے۔

؎ ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے

جس طرح دنیا کے ساز و سامان والا چوروں ڈاکوؤں سے بچ کر رہے گا تو اس کا سامان محفوظ رہے گا اسی طرح جس کے پاس ایمان کی دولت ہے وہ بھی بد مذہبوں اور بے دینوں کی صحبت سے دور رہے گا تو اس کا ایمان محفوظ رہے گا۔ حضرت میاں محمد صاحب عارف کھڑی کے کتنے پیارے اشعار ہیں۔

؎ چنگے بندے دی صحبت یارو جیوں دوکان عطاراں

سودا بھاویں لئے نہ لئے حُلے اون ہزاراں

برے بندے دی صحبت یارو جیویں دوکان لوہاراں

کپڑے بھاویں کُنج گُنج بھیئے چنگاں پہن ہزاراں

اور مولانا روم رحمۃ اللّٰہ علیہ فرماتے ہیں۔

؎ تا توانی دور شواز یار بد یار بد بدتر بود از مار بد

مار بد تنہا ہمی برجاں زند یار بد بر جان و برایماں زند

بُرے دوست کی صحبت سانپ سے زیادہ خطرناک ہے، سانپ ڈسے گا تو صرف جان جائے گی اور بُرے کی صحبت جان و ایمان دونوں کیلئے خطرہ ہے۔

غضب و انعام کے متعلق نکتہ:

دنیا میں پہنچنے والی تکالیف و مصائب کو غضب نہیں کہا جا سکتا اور یہاں کی راحت

وآسائش کوانعام یانعمت نہیں گردانا جاسکتا یہاں کی تکالیف جو ایک مومن پہ آتی ہیں وہ اس بھٹی کی طرح ہیں جو سونے سے میل کو دور کرتی ہے اور کھوٹے اور کھرے سونے میں امتیاز پیدا کردیتی ہے حدیث شریف میں ہے کہ اگر دنیا میں مسلمان کو کانٹا بھی چبھتا ہے اور وہ اس پر صبر کرتا ہے تو اس کا بھی اس کو اجر ملتا ہے (چاہے گناہوں کی معافی کی صورت میں ہو یا بلندی درجات کی صورت میں) الغرض! جو نعمت رب سے غفلت ودوری کا باعث بنے وہ رب کا غضب ہے اور جو تکلیف خدا کی یاد دلادے وہ اس کی بارگاہ سے نعمت وانعام ہے۔ قرآن پاک کی ایک آیت اور اس کی تفسیر اس مفہوم کو سمجھنے کے لئے کافی ہوگی چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ما اصاب من مصیبة الا باذن اللّٰہ۔ (التغابن: 11)

نہیں پہنچتی کسی کو کوئی مصیبت مگر اللہ تعالیٰ کے اذن سے اس جملے کی تفسیر میں مفسرین کرام نے اہل ایمان کو پہنچنے والے مصائب وآلام اور ان پر صبر کرنے کے نتیجے میں ملنے والے انعام واکرام کا ذکر بڑی تفصیل سے فرمایا ہے، یہاں پر صرف ایک تفسیر (ضیاء القرآن) کا اقتباس پیش کیا جارہا ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

یہ دنیا دارالمحن ہے۔ مصائب وآلام سے کسی کو مفر نہیں۔ بیماری، صدمے، تجارت وزراعت میں خسارہ، کسی عزیز ترین مقصد میں انتہائی مساعی کے باوجود ناکامی۔ یہ ایسے حالات ہیں جن سے کم وبیش ہر شخص کو واسطہ پڑتا ہے، لیکن آلام ومصائب کے ہجوم میں ہر شخص کا ردعمل یکساں نہیں ہوتا۔ وہ لوگ جن کا خدا کی ذات پر ایمان نہیں ہوتا وہ اپنے آپ کو ان حالات میں ایک بے بس تنکا محسوس کرتے ہیں جسے ہوا کے جھونکے اِدھر اُدھر پھینک رہے ہوتے ہیں۔ اس وقت جس ذہنی پستی اور اخلاقی انحطاط کا یہ لوگ مظاہرہ کرتے ہیں اسے دیکھ کر شرافت کی پیشانی پر پسینہ آجاتا ہے اور آنکھیں فرط ندامت سے جھک جاتی ہیں۔ لیکن جن کو خدا پر ایمان ہوتا ہے اور ایمان بھی ایسا مستحکم اور استوار کہ اس میں ذرہ برابر لچک نہیں ہوتی۔ ان کی شان اس وقت دیدنی ہوتی ہے۔ شیروں کے

نرغے میں بھی وہ مسکرا رہے ہوتے ہیں۔ بے رحم طوفانوں میں بھی ان کے یقین کی شمع فروزاں رہتی ہے۔ وہ یہ جانتے ہیں کہ وہ بے آسرا نہیں۔ خدا کی ذات ان کا آسرا ہے اور یہ بہت بڑا آسرا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کا یہ بھی ایمان ہے کہ ان کے پروردگار کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ اگر اس نے انہیں کسی آزمائش میں مبتلا کر دیا ہے تو یہ اس کا ظلم یا بے انصافی نہیں یا اپنے فرمانبردار بندے سے اس کا تغافل اور اس کی بے رُخی نہیں، بلکہ اسی میں ان کی بہتری اور بھلائی ہے۔ یہی عین مصلحت ہے۔ اس طرح ان کے دل مضطرب اور بے چین نہیں ہوتے۔ آزمائش کی اس پُرخار وادی کو بڑے صبر و تحمل اور سکون و وقار کے ساتھ طے کرتے چلے جاتے ہیں۔

ایمان باللہ میں کس بلا کی قوت ہے، اس قوت کے بل بوتے پر انسان کس طرح ثابت قدمی اور جواں مردی کا مظاہرہ کرتا ہے اس کیلئے آپ فرعون کے ساحروں کے رویہ پر نظر ثانی کیجئے۔ فرعون انہیں دھمکیاں دے رہا ہے اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ دوں گا۔ تمہیں سولی پر چڑھا دوں گا۔ انہیں اس کا بخوبی علم تھا کہ یہ ظالم ایسا کر کے رہے گا، لیکن وہ ایمان جوان کے دلوں میں پیدا ہو گیا تھا۔ وہ انہیں ثابت قدم رکھتا ہے۔ ان میں لغزش نہیں آنے دیتا۔ وہ بھرے دربار میں یہ اعلان کرتے ہیں۔

فاقض ما انت قاض۔

''اے فرعون! جو تیرا جی چاہے کر گزر، ہم اس نعمت ایمان کو ہرگز اپنے ہاتھوں سے نہیں جانے دیں گے''۔

بقول کسے ؎ یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے

جب انسان کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر، اس کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ پر یقین راسخ نصیب ہوتا ہے تو ان زہرہ گداز حالات میں اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو صبر و رضا اور تسلیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ ومن یؤمن باللہ یھد قلبہٗ (التغابن) میں اسی

خصوصی عنایت کی طرف اشارہ ہے۔ اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں علامہ ابن کثیر نے ایک حدیث لکھی ہے جو صحیحین میں ہے آپ بھی اسے غور سے پڑھیے اور اسے یاد رکھیے تاکہ زندگی کا کارواں جب لالہ زاروں اور مرغزاروں سے نکل کر خارزاروں اور اداس و ویران ریگزاروں سے گزرنے لگے تو آپ کے چہرے پر اس وقت بھی طمانیت کا نور جھلک رہا ہو۔ تمہارے دل میں اضطراب و پریشانی کی کوئی علامت موجود نہ ہو۔ آپ کے آقا و مولا، مرشد برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

عجباً للمؤمن لا یقضی اللہ قضاء الا کان خیر اللہ ان اصابتہ ضراء صبر فکان خیرا لہ و ان اصابتہ سراء شکر فکان خیر الہ ولیس ذالك لا حد الا للمؤمن۔

''یعنی مومن کی بھی عجیب حالت ہے، اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں جو فیصلہ کرے وہی اس کیلئے بہتر ہوتا ہے۔ اگر اسے تکلیف پہنچے اور اس پر وہ صبر کرے تو یہ تکلیف اس کیلئے بہتر ہے اور اگر اسے مسرت ارزانی ہو اور وہ اس پر شکر کرے تو یہ اس کیلئے بہتر ہے اور وہ سعادت صرف مومن کیلئے مخصوص ہے''۔

اللہ نے گمراہی کے راستوں کو بنایا ہی کیوں ہے؟

رہا یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ نے گمراہی اور غضب کے راستے (شیطان) پیدا ہی کیوں کیے ہیں، نہ شیطان ہوتا نہ نفس امارہ ہوتا نہ گمراہی و غضب ہوتا اور نہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی، کیا ان کو پیدا کر کے اللہ تعالیٰ اپنی نافرمانی کروا کر لوگوں کو دوزخ میں ڈالنا چاہتا ہے؟ یہ تو اس کے رحیم و رحمٰن ہونے کے تقاضوں کے خلاف بات ہوئی اور پھر اس کا اعلان بھی ہے۔

ما یفعل اللہ بعذابکم ان شکر تم و امنتم و کان اللہ شاکرا علیما۔ (النساء:147)

''اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم اس کے شکر گذار بنو اور ایمان لاؤ اور اللہ تعالیٰ قدر دان اور جاننے والا ہے''۔

اسی طرح جب شیطان مردود ہونے والا تھا اور اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ یہ مردود ہو کر میرے بندوں کو گمراہ کرے گا تو اس کو پہلے اتنی عزت ہی کیوں دی گئی کہ وہ معلم الملکوت کہا جانے لگا۔

ان دونوں سوالات کا جواب حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح دیا ہے۔

اگر شیطان نہ ہوتا تو دنیا اور دین میں کچھ بھی نہ ہوتا کیونکہ پھر نہ بادشاہ کی ضرورت ہوتی اور نہ پولیس اور نہ کچہری اور نہ فوج وغیرہ کے محکمے کی اسی طرح نہ پیغمبروں کی نہ ولیوں اور پیروں کی، دوزخ اور عذاب کے فرشتے بیکار رہتے نیز خدا کی صفتیں غفاری، ستاری، قہاری، جباری وغیرہ کا ظہور نہ ہوتا۔ کیونکہ یہ صفات بندوں کے گناہوں سے ظاہر ہوتی ہیں بلکہ یوں کہو کہ پھر تو نہ آدم علیہ السلام دانہ کھاتے نہ زمین پر آتے نہ دنیا آباد ہوتی بلکہ غور سے معلوم ہوتا ہے کہ گرم و سرد پاک و ناپاک اچھی بری چیزوں سے ہی دنیا کا نظام قائم ہے ان میں سے اگر ایک بھی نہ ہو تو دنیا کا خاتمہ ہو جائے دیکھو پاک پانی اور گندی کھاد سے دانہ اُگتا ہے سریلی اور بھدی آوازیں مل کر باجا بجتا ہے گرم اور ٹھنڈی طاقت سے بجلی بنتی ہے وغیرہ وغیرہ اسی لئے جب دنیا میں اہل ایمان نہ رہیں گے تو قیامت آجائے گی اور شیطان کو اتنی عزت اس لئے دی گئی۔

تا کہ قیامت تک لوگوں کو اس سے عبرت حاصل ہو جائے کوئی شخص اپنے علم، تقویٰ اور پرہیزگاری کے نشہ میں کسی پیغمبر کی توہین نہ کرے سمجھ لے کہ وہ نازک بارگاہ ہے کہ اس کی بے ادبی کرنے پر سارے علم و عمل برباد ہو جاتے ہیں۔ شیطان کو عالم بنا کے مارا صوفی بنا کے مارا عابد و زاہد بنا کے مردود کیا تا کہ سب مولویوں اور صوفیوں اور پیروں کو عبرت حاصل ہو جائے۔ (تفسیر نعیمی)

سورۂ فاتحہ کا دس نکاتی پروگرام:

1- مخلوق میں ہر خوبی کو اللہ ہی کی طرف سے جانا جائے کیونکہ مصنوع کی خوبی صانع ہی کی خوبی ہے اور اس لئے بھی تا کہ اپنے اندر خوبی دیکھ کر کوئی غرور میں نہ آ جائے۔ (خواہ وہ خوبی کسبی ہو یا تخلیقی)

2- رزق کی ذمہ داری اللہ کی ذات پہ ہے انسان کو رزق حلال کی تحصیل میں مصروفیت کا بہانہ بنا کر عبادت خداوندی کے متعلق سستی نہیں کرنی چاہیے جس طرح کہ آج کل عموماً مسلمانوں کی حالت ہو چکی ہے کہ

خدا کو بھول گئے فکر روزی میں
خیال رزق ہے رزاق کا کچھ خیال نہیں

عبادت کو رزق حلال میں رکاوٹ و حارج سمجھنا سراسر گمراہی ہے۔

3- دنیوی مصائب سے گھبرا کر صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے جب اللہ تعالیٰ ہم پہ مہربان ہے تو ہمیں کوئی عظیم مرتبہ دینے کیلئے ہی مصائب سے دوچار فرماتا ہے، اس نے تو اپنے کلام کا آغاز ہے الرحمٰن الرحیم سے فرمایا ہے، اگر کوئی بادشاہ اپنی رعایا کو خط لکھے اور آغاز میں ہی اسی طرح نرمی و مہربانی کے الفاظ لکھ دے تو رعایا جان جاتی ہے کہ بادشاہ ہم پہ خوش ہے اور ہماری کوتاہیوں کے باوجود ہم یہ مہربانی کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی بندوں کے گناہوں کے باوجود ان سے لطف و کرم کا معاملہ فرماتا ہے۔ لہٰذا بندے کو بھی شرمندہ ہو کر اس کی بارگاہ میں متوجہ ہونا چاہیے کہ جب وہ علی کل شئی قدیر ہو کر مجھ پہ اتنا مہربان ہے تو میں (مجبور ہو کر) کیوں نہ اس کی بارگاہ کی طرف رغبت کروں۔

4- فکر آخرت سے عمل میں اخلاص پیدا ہوتا ہے اور انسان ظلم و زیادتی سے بچا رہتا ہے کیونکہ اس کے ذہن میں ہر وقت یہ عقیدہ جاگزیں رہتا ہے کہ مجھے اپنے رب کے حضور حاضر ہونا ہے اور وہ مالک یوم الدین ہے جو ہر عمل کا بدلہ دے گا۔

5- جو عبادت نہیں کرتا وہ بندہ کہلانے کا حق دار نہیں ہے آخر تجارت کرے گا تو تاجر کہلائے گا کتابت کرے گا تو کاتب کہا جائے گا لہٰذا عبادت نہ کرنیوالا اگر دعا کرے ''یا اللہ میں تیرا بندہ ہوں'' کی بات ''اپنے منہ سے میاں مٹھو'' والی بات ہوگی۔

تو برائے بندگی ہے یاد رکھ
بہر سرافگندگی ہے یاد رکھ

اور بندگی (عبادت) بھی صرف احکم الحاکمین کی اور کسی کی نہیں چاہے امام الانبیاء ہی کیوں نہ ہوں حکام وقت، والدین، اساتذہ کی اطاعت بھی اسی صورت میں ہے جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی و اطاعت میں رہ کر کوئی حکم کریں تو حسب استطاعت ان کی بات مانی جائے گی جبکہ وہ حکم شریعت سے نہ ٹکرائے ورنہ (فلا تطعهما) نہ والدین کی اطاعت لازم ہے اور نہ حکمرانوں کی اطاعت جائز ہے۔ لا طاعة لخلق فی معصية الخالق۔ ''خدا کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں''۔

6- ہر کام کی توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے اس عقیدے سے عبادت میں عاجزی و انکساری کا رنگ پیدا ہوگا اور بندگی کا ذوق حقیقی حاصل ہوگا کہ میں تو کچھ نہیں کر رہا سب کچھ اللہ کی توفیق سے ہو رہا ہے پھر تکبر و شوخی کس بات پر کاش یہ نعمت موجودہ دور کے حاجیوں نمازیوں کو نصیب ہو جائے۔ جو نماز پڑھ کر جب تک بداخلاقی اور متکبرانہ الفاظ زبان سے نکال کر اپنی کی ہوئی عبادت ضائع نہ کر لیں شیطان ان کو سکون سے بیٹھنے نہیں دیتا۔ اس موضوع پہ الگ سے عبرت ناک، مقالہ دسویں نکتے کے بعد ملاحظہ ہو۔

7- ہر کوئی اپنے رب کی ہدایت و رحمت کا محتاج ہے لہٰذا نام نہاد، کاروباری پیر جو مریدوں کے نذرانوں کے تو محتاج ہوتے ہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے مانگنے کی بات ہوتی ہے اور ان کو نماز کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہم تو چوبیس گھنٹے نماز میں رہتے ہیں اور ہر وقت روزے سے ہوتے ہیں حالانکہ جو

پانچ وقت کی نہیں پڑھ سکتا وہ چوبیس گھنٹے خاک پڑھے گا اور جو بارہ گھنٹوں کا روزہ نہیں رکھ سکتا وہ ہمیشہ کا روزہ کیا رکھے گا، کبھی کہتے ہیں ہم دل کی نماز پڑھتے ہیں یا ہم مدینے میں نماز پڑھتے ہیں اور پیٹ بھرنے کی بات آئے تو نہ مدینہ سے ان کو لنگر ملتا ہے نہ وہ دل کا کھانا کھاتے ہیں بلکہ مرید کا گھر اجاڑتے ہیں، یہ اس دور کا بہت بڑا فتنہ ہے بالخصوص مسلک اہل سنت میں خدا تعالیٰ ان لعنتیوں سے ہمارے مسلک حقہ کو پاک فرمائے، مولانا روم فرماتے ہیں:

کار شیطان فی کندنا مش ولی

گرولی این است لعنت برولی

کام شیطانوں والے کریں اور نام ولی رکھوائیں اگر یہ ولی ہیں تو ان (جھوٹے) ولیوں پہ خدا کی لعنت ہو۔

8- سورۂ فاتحہ میں جمع کے صیغے (نعبد، نستعین اور اھدنا) ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے، آپس میں پیار و محبت ایثار و قربانی اور معاملات میں خلوص کا درس دیا ہے اس بارے میں احادیث کثرت کے ساتھ کتب احادیث میں موجود ہیں مثلاً:

ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء۔

''تم زمین والوں پہ رحم کرو آسمان والا تم پہ رحم فرمائے گا''۔

نیز فرمایا:

''جب تک ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کی مدد میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس مدد کرنے والے کی مدد فرماتا رہتا ہے''۔ قرآن پاک میں ہے:

وتعاونوا علی البر والتقویٰ۔

''بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو''۔

9- اسلامی اور نبوی اقدار، اخلاق، کردار اپنانے کی تعلیم ارشاد فرمائی گئی ہے اور اس

ضمن میں انبیاء کرام، صدیق، شہداء اور صالحین سے راہنمائی لینے کا تذکرہ صراط الذین انعمت علیھم میں فرمایا گیا

10- گمراہ بد عقیدہ، خدا کے نافرمان ومغبوض ومقھور بندوں سے صحبت سے بچنا، ان کے کردار سے نفرت کرنا آخرت میں بیان ہوا، اس کا واضح نتیجہ یہ نکلا کہ نیکو کاروں کی صحبت اپنانا، ان کے پاکیزہ کردار سے روشنی لے کر اپنی دنیا وآخرت کو منور کرنا عبادات کے ساتھ اخلاقیات و معاملات کو بھی درست کرنا۔ خدا کی بارگاہ میں نہایت محمود ومقبول ہے۔

آج ہم لوگوں میں عبادات کا سلسلہ تو پھر بھی کسی حد تک ہے لیکن عجیب حالت ہے کہ الا ما شاء اللہ جتنا کوئی بڑا عبادت گذار ہے اتنا ہی اخلاقی لحاظ سے بہت گرا ہوا ہے، چہرے پہ ہر وقت غصے کا طوفان بدتمیزی ''جلوہ گر'' ہے تبسم ومسکراہٹ نام کی کوئی شئی نظر نہیں آتی حالانکہ ہمارے پیارے نبی علیہ السلام کے بارے میں ایک صحابی فرماتے ہیں کہ میں جب سے اسلام لایا اس دن سے لے کر مرنے تک میں جب بھی حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوا آپ کے چہرے پہ مسکراہٹ کو پایا۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

جس کی تسکیں سے روتے ہوئے ہنس پڑیں
اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام

اسی حوالے سے ایک مضمون میں نے لکھا اور اخبار میں بھی بھیجا، خدا جانے اخبار میں کیوں نہ چھپ سکا حالانکہ اس سے سخت مضامین اخبارات میں چھپتے رہتے ہیں شاید زیادہ طویل ہونے کی وجہ سے نہ چھپا ہوگا مگر قسطوں میں تو چھپ سکتا تھا بہر حال افادۂ عام کیلئے وہ مضمون اس درس کی زینت بننے کی سعادت حاصل کر رہا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

احترام انسانیت اور فریضہ تبلیغ:

امر بالمعروف اور نھی عن المنکر امت محمدیہ علی صاحبھا الصلوۃ و والسلام کی ایک نہایت اہم ذمہ داری ہے لیکن اس فریضہ کی ادائیگی کا طریقہ کار جو قرآن

مجید میں بیان فرمایا گیا ہے وہ یہ ہے:

ادع الی سبیل ربك بالحکمة و الموعظة الحسنة و جادلھم بالتی ھی احسن۔ (النحل:125)

''لوگوں کو اپنے رب (کے دین) کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور ان سے ایسے انداز میں بحث وتکرار کرو جو کہ بڑا پسندیدہ اور شائستہ ہو''۔

اپنی زبان سے دوسرے مسلمان کو تکلیف سے بچانے کی اہمیت کو حدیث شریف میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔

1- المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویدہ۔

''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ (کے شر) سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں''۔

ایک حدیث شریف میں ہے۔

2- ھل یکب الناس فی النار علی وجوھھم اوقال علی مناخرھم الاحفائد السنتھم۔ (مشکوٰۃ)

''اپنی زبانوں کی حفاظت کرو لوگوں کو ان کے چہروں کے بل (یا فرمایا ان کے نتھنوں کے بل) ان کی زبانوں سے نکلی ہوئی باتوں کی وجہ سے ہی دوزخ میں گرایا جائے گا''۔

3- مزید فرمایا:

من ضارمؤمن اومکر به ......(ترمذی)

''جس نے کسی مسلمان کو تکلیف پہنچائی یا اس کے ساتھ دھوکہ کیا وہ اللہ کی رحمت وقرب سے دور کر دیا گیا''۔

4- ایک حدیث شریف میں ہے:

بشروا و لا تنفروا یسروا ولا تعسروا۔ (بخاری)

''لوگوں کو خوشخبر یاں سناؤ اور ان کو نفرت نہ دلاؤ، ان کیلئے آسانیاں پیدا کرا اور مشکلات پیدا نہ کرو''۔

ایک حدیث شریف جس میں اس امت کی پندرہ بُری خصلتوں کی وجہ سے اس پر مصیبتوں کا نازل ہونا بیان ہوا۔ خواہ وہ سُرخ آندھیوں کی شکل میں ہوں یا زلزلوں کی شکل میں یا خوفناک سیلاب کی صورت میں۔ ایک خصلت بد ان پندرہ میں سے یہ بھی بیان فرمائی گئی ہے کہ

''مسجدوں میں شور مچایا جائے گا''۔

آمدم بر سر مطلب:

چند دن پہلے کی بات ہے کہ چھٹی کے ایک دن ہمارے محلے کی مسجد میں ایک شخص عصر کی نماز پڑھنے کیلئے آیا نماز سے فارغ ہوئے تو ایک حاجی صاحب جو ماشاء اللہ نماز تو بڑی پابندی سے ادا کرتے بھی ہیں اور کرواتے بھی ہیں اور ایسی پابندی کہ اکیس سال کے بعد ایک دن صبح کی آذان وقت پہ نہ ہو سکی اور نماز کا وقت ہو گیا تو مسجد کا گیٹ بند دیکھ کر حاجی صاحب نے وہ زبان استعمال کی اور اس قدر شدید غصے کا اظہار کیا کہ لگتا تھا ابھی کسی کو قتل کر دیں گے۔ پانچوں وقت جس امام کے پیچھے نماز ادا کرتے ہیں کوئی موقع بھی اس امام کی مخالفت کا ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور ایسے لگتا ہے کہ پورے علاقے میں ان کا اگر کوئی نمبر ایک دشمن ہے تو وہ بے چارہ یہی دو رکعتوں کا امام ہے۔ بہر حال یہ بات تو جملۂ معترضہ کے طور پر آ گئی۔ نماز سے فارغ ہوئے تو حاجی صاحب اپنا جوتا لینے کیلئے جوتوں والے خانے کی طرف جھکے تو ان کو وہاں ایک ڈھولکی پڑی ہوئی دکھائی دی۔ بس پھر کیا تھا، ڈھولکی والے کی شامت آ گئی۔ حاجی صاحب موصوف نے بڑے غضب ناک لہجے میں نمازیوں سے سوال کیا۔ یہ ڈھولکی کس کی ہے؟ وہی مسافر جو زندگی میں پہلی بار ہماری مسجد میں آیا تھا۔ اس نے عرض کیا جناب

ئیں مسافر ہوں اور یہاں سے گذر رہا تھا کہ نماز کا وقت ہو گیا۔ میں نے سوچا نماز ادا کرلوں لیکن چونکہ مسجد کے باہر کسی سے میری واقفیت نہ تھی کہ اس کے پاس ڈھولکی رکھ کر نماز ادا کرلوں اس لئے مسجد میں ہی لے آیا اور جوتوں کی جگہ پہ رکھ دی۔ بس ابھی لے کر جا رہا ہوں، حاجی صاحب جو ہر نماز کے وقت اپنے غصے کے اظہار کیلئے کسی نہ کسی موقع کی تلاش میں ہوتے ہیں، انہوں نے ایک ہی جملے کا تکرار شروع رکھا اوئے مسجد میں ڈھولکی؟ مسجد میں ڈھولکی کا کیا کام؟

وہ بے چارہ، قسمت کا مارا مسافر، یہی عرض کرتا رہا کہ جناب آئندہ ایسی غلطی نہیں ہوگی۔ کیا ڈھولکی باہر سڑک پہ رکھ آتا؟ اور پھر میں نے مسجد میں ڈھولکی بجا تو نہیں دی صرف دو منٹ کیلئے رکھی ہی ہے۔ اس میں کیا حرج ہے نہ ہی اس کے ساتھ کوئی نجاست یا غلاظت لگی ہوئی ہے کہ جس سے مسجد ناپاک ہوگئی ہے۔ لیکن حاجی صاحب تو غصے سے پھٹے جا رہے تھے اور اس کو خوب سنا رہے تھے، تو بکواس کرتا ہے۔ تو بے شرم ہے تو فلاں ہے تو فلاں ہے۔ اور اس کو دھکے دے کر مسجد سے نکال دیا۔

افسوس تو ان دوسرے نمازیوں پہ ہے جو پھر بھی محلے داری کی وجہ سے حاجی صاحب کا ہی ساتھ دے رہے تھے اور ان کی خوشنودی کیلئے بے چارے مسافر نمازی ڈھولکی والے پہ ایسے چڑھائی کر رہے تھے کہ جس طرح کسی جہاد میں بڑھ چڑھ کے حصہ لے رہے ہیں۔

اس اثنا میں ڈرتے ڈرتے امام صاحب نے ایک نمازی کے کان میں کہا کہ اگر یہ بے چارہ مسجد میں ڈھولکی بجا لیتا تو اتنا گناہ اور مسجد کی بے حرمتی نہ تھی۔ جتنی کہ ان نمازیان حضرات نے اس طرح کی زبان استعمال کر کے مسجد کی توہین کی ہے۔

شکر ہے امام صاحب کی یہ بات ان نمازیان ومجاہدان کے کان نہیں پڑی ورنہ ڈھولکی والا تو جان بچا کر چلا گیا تھا۔ خدا جانے امام صاحب کا کیا حشر ہوتا۔ ایسے ہی موقع پر اہل عرب کہتے ہیں: اذا فاتك الحياء فا فعل ما شئت جس کا ترجمہ شیخ سعدی

نے یوں فرمایا: بے حیا باش ہر پہ خواہی کن یعنی شرم وحیا کی چادر اتر جائے تو جو چاہے کرتا رہ کیا پرواہ؟ ؎ شرم نبی خوف خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

(بات کہنے کی نہیں مگر لکھ رہا ہوں چند دن کے بعد انہی حاجی صاحب کے بچوں کے چند اماموں کی شادی تھی۔ تو تیل مہندی کی ہندوانہ رسم کے موقع پر ساری رات انہی حاجی صاحب کی جوان بچیاں جو ہماری بھی بچیاں ہیں اسی طرح کی کئی ڈھولکیاں اسی مسجد کے دروازے کے سامنے بے پردہ ہو کر بجاتی رہیں اور بارات کی رات حاجی صاحب کی حرم محترم سب مردوزن کے سامنے سٹیج پر رقص کا شوق بھی پورا کرتی رہیں اور حاجی صاحب بمع ٹوپی و داڑھی یہ سب کچھ دیکھتے رہے اور برداشت بھی کرتے رہے۔ کہ خوشی کے موقع پہ ایسا ہوتا ہی رہتا ہے)۔

دوسرا واقعہ:

کہتے ہیں کسی گاؤں کی مسجد کے پڑوس میں ایک شادی تھی اور شادی سے دو مہینے پہلے ہی عورتوں نے ڈھولکی پر گانے وغیرہ شروع کر رکھے تھے۔ طرح طرح کی آوازیں مسجد میں آتی تھیں نہ دن کو سکون نہ رات کو آرام مگر مولوی صاحب کے علاوہ کوئی بھی سمجھانے کو تیار نہ تھا۔ بلکہ ہر کوئی یہی کہتا کہ خوشی کا موقع ہے کوئی حرج نہیں۔

ایک دن مولوی صاحب نے اصلاح کا ایک طریقہ سوچا کہ مسجد میں دیر سے آئے اور انہی لڑکیوں میں سے ایک لڑکی کو کہا بیٹی ذرا آذان پڑھ دے دیر ہو گئی ہے میں وضو کر لوں بس اسی بات پہ ایک طوفان کھڑا ہو گیا، مرد و عورت جو بولتا میاں جی شرم کرو آپ کی بھی ماں بہن بیٹیاں ہیں، شدہ شدہ بات ڈیرے میں پہنچی تو مولوی صاحب کو طلب کر کے صفائی کا موقع دیا گیا تو انہوں نے بھرے مجمعے میں فرمایا: دو ماہ سے ڈھولک کی تھاپ پہ جو عشقیہ گانے گائے جا رہے ہیں۔ وہ جائز ہوئے اور آپ کی رگ غیرت نہیں پھڑکی اور اللہ کا نام لینے کی بات ہوئی ہے تو آپ لوگوں نے آسمان سر پہ اٹھا لیا ہے۔

یہی تو میں کہنا چاہتا ہوں کہ جب عورت آذان نہیں پڑھ سکتی اونچی آواز سے قرآن نہیں پڑھ سکتی جمعہ کا خطبہ نہیں دے سکتی تو ناچ گانے کی اس کو کس نے اجازت دی ہے۔

یہ دونوں واقعات چونکہ ایک ہی نوعیت کے تھے اس لئے لکھ دیے ہیں ہوسکتا ہے کوئی ان واقعات سے عبرت حاصل کر کے اپنی اصلاح کرنے کی کوشش کرے۔ اور یہی واقعات جو میں نے قوم کی امانت سمجھ کر سنبھالے ہوئے تھے جو قارئینِ کرام تک پہنچا دیے ہیں۔ خدا کرے لوگوں کی ہدایت اور میری نجات کا سبب بن جائیں۔

یا الٰہی رحم کن برما ہمہ عفو کن جملہ گناہ ما ہمہ

اللہ تعالیٰ ہمیں احترام مسجد کے اس نام نہاد جذبے کے ساتھ ساتھ احترامِ انسانیت کی بھی توفیق دے اور حقوق اللہ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی طرف بھی متوجہ ہونے کی توفیق عطا کرے۔

امین بحرمه سید الانبیاء و المرسلین علیه وعلی اله و اصحابه اجمعین۔

لفظ آمین اور اس کی فضیلت:

یہ لفظ اگرچہ سورۂ فاتحہ کا جز نہیں ہے لیکن سورۂ فاتحہ پڑھنے سننے کے بعد اس کو پڑھا بہر حال جاتا ہے۔ اور حضور علیہ السلام نے اس کے پڑھنے کی ترغیب بھی دلائی ہے۔ یہ کلمہ اسم اور فعل سے مل کر بنا ہے اور اس کا معنی ہے استجب لی، اے اللہ میری دعا کو قبول فرما۔ چنانچہ ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ میں نے حضور علیہ السلام سے اس کا معنیٰ پوچھا تو آپ نے فرمایا: اے اللہ ایسا ہی کر دے (اس کا معنی ہے) جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور آل فرعون کے خلاف دعا فرمائی:

ربنا اطمس علی اموالھم و اشدد علی قلوبھم۔

''اے اللہ! ان کے مال تباہ کر دے اور ان کے دل سخت کر دے''

تو آپ کی اس دعا پر ہارون علیہ السلام نے آمین کہا تو اللہ تعالیٰ دونوں کے عمل کو دعا

قرار دیا (دعوتکما) ثابت ہوا کہ آمین کہنا بھی دعا ہے۔ کیونکہ دعا تو صرف موسیٰ علیہ السلام نے کی تھی جبکہ ہارون علیہ السلام نے صرف آمین کہا تھا۔

(تفسیر روح البیان، درمنثور جلد 3 صفحہ 315 تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر جلد 1 صفحہ 31)

یہ بھی منقول ہے کہ آمین اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے اور اس کا معنیٰ یا اللہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ جس کے بعد استجب پوشیدہ ہے (مگر ازہری کے مطابق یہ درست نہیں) تاہم اللہ کا نام ہونے کی حد تک حضرت حسن بھی متفق ہیں۔ یہی امام جعفر الصادق کا موقف ہے۔ (تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر جلد 1 صفحہ 31)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آمین کا لفظ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی مہر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کلمہ کے ذریعے بندوں سے مصیبتوں کو دور فرماتا ہے۔ اور آپ ہی سے ہے کہ آمین جنت کا ایک درجہ ہے جس کا معنیٰ ابوبکر صدیق نے بیان کیا ہے۔ کہ ''آمین کہنے والے کو جنت کا ایک درجہ ملتا ہے''۔ (لسان العرب جلد 13 صفحہ 27,26)

ابن ابی شیبہ نے ابومیسرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب جبریل آمین علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سورۂ فاتحہ لے کر حاضر ہوئے اور ولا الضالین کہنے کے بعد عرض کیا آمین کہیں تو آپ نے کہا آمین (ترمذی) ایک روایت میں ہے اس کے ہمزہ کو لمبا کر کے پڑھا (مد کے ساتھ)

حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو اللہ تم سے محبت کرے گا''۔

(مسلم شریف)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس موقع پر تمام اہل زمین و آسمان ان (امین) کہنے والوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ (یعنی ان پر رشک کرتے ہیں) اور جو آمین نہیں کہتا تو اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص ایک قوم کے ساتھ مل کر جہاد کرے سب نے تیر اندازی کی اور اس نے بھی کی مگر بعد میں اس کے تیر کا پتہ نہ چل سکا تو وہ

متعجب ہو کر کہنے لگا: میرا تیر کہاں گیا؟ تو اس سے کہا گیا کہ تو نے آمین نہیں کہی تھی۔ مطلب یہ کہ وہ جہاد کے ثواب کو (کما حقہ) نہیں پا سکتا۔ یا مطلب یہ ہے کہ جو آمین نہیں کہتا وہ اس ثواب سے محروم ہو جاتا ہے جو دوسرے نمازیوں کو تلاوت سننے سے حاصل ہوتا ہے (اور وہ آمین کہتے ہیں)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہودی، حاسد لوگ ہیں اور تم پر تین نعمتوں کی بنا پر حسد کرتے ہیں ایک کثرت سے سلام کہنے کی نعمت جو تمہیں اللہ نے دی ہے دوسری صف بندی پر اور تیسرا آمین کہنے پر۔ (الکامل عن ابن عدی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: جس نے بسم اللہ پڑھ کر سورۂ فاتحہ کی تلاوت کی اور پھر آمین کہا تو آسمان کا ہر مقرب فرشتہ اس کیلئے استغفار کرتا ہے۔ (درمنثور جلد 1 صفحہ 44,43)

حضرت وہب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آمین کے چار حروف ہیں اور آمین کہنے والے کیلئے اللہ کے چار فرشتے دعا کرتے ہیں۔

بعض تفاسیر میں ہے کہ شیطان اس دعا سے مایوس ہو جاتا ہے جس کے آخر میں آمین کہہ لی جائے۔ کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اب اس دعا پر قبولیت کی مہر لگ چکی ہے جو توڑی نہیں جا سکتی۔ جس طرح لفافے پہ مہر لگ جائے تو سوائے مکتوب الیہ کے کوئی اس کو کھولنے کا مجاز نہیں ہے۔ اسی طرح آمین والی دعا کو شیطان نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

بزرگان دین کا ارشاد ہے:

"اہل اسلام کے اجتماع میں دعا کرنا بہت بہتر ہے کیونکہ اس صورت میں ایک دعا کرے گا اور باقی آمین کہیں گے اگر کسی ایک کی بھی آمین قبول ہو گئی تو ان شاء اللہ سب کی دعا قبول ہو جائے گی"۔ انہی برکات کے پیش نظر فرمایا گیا:

ویقولها القوم و الامام۔

''نماز میں مقتدی بھی آمین کہیں اور امام بھی''۔ (ہدایہ باب صفۃ الصلوٰۃ)

جیسا کہ خود قرآن و حدیث اور باتفاق اہل اسلام ثابت ہے کہ آمین دعا ہے۔

(بخاری جلد 1 صفحہ 107)

اور دعا کو آہستہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

ادعو ربکم تضرعا و خفیۃ۔

''اپنے رب سے عاجزی اور چپکے سے دعا مانگو''۔

اسی طرح فرمایا:

واذاسئلک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان۔

''جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو بے شک میں قریب ہوں دعا کرنے والا جب بھی دعا کرتا ہے میں قبول کرتا ہوں''۔

تو پھر چیخ کر دعا کرنے کی یعنی آمین کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ اور پھر جب آمین کے علاوہ نماز کے اندر کی تمام دعائیں آہستہ پڑھی جاتی ہیں تو آمین بھی آہستہ ہی کہی جائے گی کیونکہ نماز میں سوائے تکبیرات اور تلاوت قرآن کے ذکر بالجہر نہیں وہ بھی امام کیلئے۔ اس سلسلہ میں چند احادیث مبارکہ اور آثار صحابہ ملاحظہ فرمائیں۔

نماز میں آمین کہنے کا حکم:

- عن ابی ھریرۃ قال کان رسول اللّٰہ ﷺ یعلمنا یقول لا تبادروا الامام اذا کبر فکبروا و اذا قال و لا الضالین فقولوا آمین و اذارکع فارکعوا و اذا قال سمع اللّٰہ لمن حمدہ فقولوا اللّٰھم ربنا لک الحمد۔ (مسلم جلد 1 صفحہ 177)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں تعلیم دیتے ہوئے فرماتے تھے کہ امام پر سبقت نہ کرو جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو، جب وہ رکوع کرے تو تم

بھی رکوع کرو، جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تم اللّٰھم ربنا لک الحمد کہو"۔

عن ابی مُوسی الا شعری (فی حدیث طویل) ان رسول اللہ ﷺ خطبنا فبین لنا سُنتنا و علمنا صلوٰتنا فقال اذا صلیتم فاقیموا صفوفکم ثم لیؤمُکم احدکم فاذا کبر فکبروا و اذا قال غیر المغضوب علیھم ولا الضالین فقولوا آمین یجبکم اللہ، الحدیث۔ (مسلم جلد 1 صفحہ 174)

"حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا اس میں آپ نے سنتیں بیان فرمائیں اور نماز (باجماعت) کا طریقہ سکھلایا آپ نے فرمایا جب تم نماز پڑھنے لگو تو پہلے صفیں قائم کرو، پھر تم میں سے ایک تمہاری امامت کرائے جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول فرمائے گا"۔

عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا قال القاری غیر المغضوب علیھم ولا الضالین فقال من خلفہ آمین فوافق قولُہ قول اھل السماء غفرلہ ما تقدم من ذنبہ۔ (مسلم جلد 1 صفحہ 176)

"حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب قرأت کرنے والے (امام) نے غیر المغضوب علیھم و لا الضالین کہا، اور اس کے مقتدی نے آمین کہا، پس مقتدی کا آمین کہنا آسمان والوں (فرشتوں) کی آمین کہنے کے موافق ہو جائے تو اس کے پچھلے سارے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں"۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا قال الامام غیر المغضوب علیھم ولا الضالین فقولوا آمین فان الملائکۃ تقول

آمین و ان الامام یقول آمین فمن و افق تامینه تامین الملائکة غفرله ما تقدم من ذنبه

(مسند احمد جلد 2 صفحہ 233، نسائی جلد 1 صفحہ 107 دارمی جلد 1 صفحہ 228 صحیح ابن خزیمہ جلد 1 صفحہ 289)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب امام غیر المغضوب علیهم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو کیونکہ فرشتے بھی آمین کہتے اور امام بھی آمین کہتا ہے پس جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگی اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے''۔

۞ عن الحسن ان سمرة بن جندب و عمران بن حصين تذاكرا فحدث سمرة بن جندب انه حفظ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سكتتين سكتة اذا كبر و سكتة اذا فرغ من غير المغضوب عليهم ولا الضالين فحفظ سمرة و انكر عليه عمران بن حصين فكتبا في ذالك الى ابى بن كعب فكان في كتابه اليهما ...... ان سمرة قد حفظ۔ (ابوداؤد جلد 1 صفحہ 113، ترمذی جلد 1 صفحہ 59)

''حضرت حسن سے مروی ہے کہ حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا آپس میں مذاکرہ ہوا۔ حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا (نماز میں) دو مرتبہ خاموش ہونا یاد رکھا ہے۔ ایک جب کہ آپ تکبیر تحریمہ کہہ چکتے دوسرے جب آپ غیر المغضوب علیهم ولا الضالین پڑھ کر فارغ ہوتے۔ حضرت نے یہ مسئلہ پوچھنے کیلئے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو خط لکھا۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے اپنے جوابی خط میں لکھا کہ سمرۃ رضی اللہ عنہ نے صحیح یاد رکھا ہے''۔

۞ عن وائل بن حجر قال صلى بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما قرأ غير المغضوب عليهم ولا الضالين قال آمين و اخفى بها صوته

الحدیث۔ (مسند احمد جلد 4 صفحہ 316)

''حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی جب آپ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین پڑھ چکے تو آمین کہتے ہوئے آپ نے اپنی آواز آہستہ کردی''۔

علقمة بن وائل یحدیث عن وائل (وقد سمعت من وائل) انه صلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما قرأ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین قال آمین خفض بھا صوته الحدیث۔

(منحۃ المعبود فی ترتیب مسند الطیالسی ابی داؤد صفحہ 2؍1)

''حضرت علقمہ بن وائل اپنے والد حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کرتے ہیں (حضرت علقمہ کے شاگرد کہتے ہیں کہ میں نے خود حضرت وائل کی زبانی بھی سنا ہے) کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب آپ نے غیر المغضوب علیھم ولا الضالین پڑھا تو آپ نے آمین کہی اور آمین کہتے ہوئے آپ نے اپنی آواز پست کردی''۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا عمل:

عن ابراھیم قال قال عمر اربع یُخفینَ عن الامام التعوذ و بسم اللہ الرحمٰن الرحیم و آمین و اللھم ربنا لک الحمد۔

(کنز العمال جلد 8 صفحہ 274)

''حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امام چار چیزوں کو آہستہ کہے''۔

1- اعوذباللہ۔
2- بسم اللہ۔
3- آمین۔

4- ربنا لك الحمد۔

یہی اثر ابراہیم نخعی کے استاذ ابو معمر نے حضرت عمر سے بیان کیا۔

(البنایہ فی شرح الہدایہ جلد 1 صفحہ 620)

اور مختلف راویوں سے مندرجہ ذیل کتاب کے اندر بھی ایسے ہی ہے۔

(محلی ابن حزم جلد 2 صفحہ 206 عن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ)

- عن ابی وائل قال لم یکن عمرو علی یجهران بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم ولا بآمین۔ (الجوہر النقی جلد 1 صفحہ 48)

"حضرت ابووائل کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نہ تو بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے اور نہ ہی آمین اونچی آواز سے کہتے تھے"۔

- عن ابی وائل قال کان علی و ابن مسعود لا یجهران بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم ولا بالتعوذ ولا بآمین۔ (معجم طبرانی کبیر جلد 9 صفحہ 263)

"حضرت ابو وائل کہتے ہیں کہ حضرت علی اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نہ تو اعوذ باللہ، بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے۔ اور نہ ہی آمین اُنچی آواز سے کہتے تھے"۔

- عن علقمة و الا سود کلیهما عن ابن مسعود قال یخفی الامام ثلاثا التعوذ و بسم اللّٰه الرحمن الرحیم و آمین۔

(محلی ابن حزم جلد 2 صفحہ 206)

"حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ اور اسود رحمۃ اللہ علیہ دونوں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا امام تین چیزوں کو آہستہ آواز سے کہے"۔

1- اعوذ باللّٰه۔

2- بسم اللّٰه۔

3- آمین۔

عن ابراھیم قال خمس یخفین سبحانک اللّٰھم و بحمدک و التعوذ و بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم و آمین و اللھم ربنا لک الحمد۔

(مصنف عبدالرزاق جلد 2 صفحہ 87، مصنف ابن ابی شیبۃ جلد 2 صفحہ 536)

''حضرت ابرہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پانچ چیزیں آہستہ کہی جاتی ہیں''۔

1- سبحانک اللھم وبحمدک۔

2- اعوذ باللّٰہ۔

3- بسم اللّٰہ۔

4- آمین۔

5- ربنالک الحمد۔

عن ابراھیم قال اربع یخفیھن الامام بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم و الاستعاذۃ و آمین و اذا قال سمع اللّٰہ لمن حمدہ قال ربنا لک الحمد۔

(مصنف عبدالرزاق جلد 2 صفحہ 87 ومصنف ابن ابی شیبۃ جلد 2 صفحہ 536)

''حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام چار چیزوں کو آہستہ آواز سے کہے''۔

1- بسم اللّٰہ۔

2- اعوذباللّٰہ

3- آمین

4- سمع اللّٰہ لمن حمدہ، کے بعد ربنالک الحمد۔

قال الطبری وروی ذالک عن ابن مسعود وروی عن النخعی و الشعبی و ابراھیم التیمی کانوا یخفون بآمین۔ (الجوہر النقی جلد 2 صفحہ 58)

''امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

سے بھی یہی مروی ہے اور روایت کیا گیا ہے کہ امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ، امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ اور ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ بھی آمین آہستہ آواز ہی سے کہتے تھے"۔

ائمہ ثلاثہ کا مذہب:

اخبرنا ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم قال اربع یخافت بهن الامام سُبحانك اللّٰهم و بحمدك و التعوذ من الشیطٰن الرجیم و بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم و آمین قال محمد و به نا خذ و هو قول ابی حنیفة (کتاب الآثار للامام ابی حنیفہ بروایت الامام محمد صفحہ 22)

(امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) ہمیں خبر دی حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت حماد رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے فرمایا کہ امام چار چیزوں کو آہستہ آواز سے کہے"۔

1- سبحانك اللّٰهم و بحمدك

2- اعوذ باللّٰه

3- بسم اللّٰه

4- آمین

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اسی کو ہم لیتے ہیں اور یہی قول ہے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا۔

قال النووی "وقال ابو حنیفة و الثوری یسرون بالتامین و کذا قاله مالك فی المأموم" الخ (المجموع شرح المهذب جلد 3 صفحہ 373)

"امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مقتدی آمین آہستہ کہیں"۔

اور مقتدی کے بارے میں حضرت امام مالک کا بھی قول ہے۔

﴿◈﴾ قال مالك رحمۃ اللہ علیہ "ویخفی من خلف الامام آمین ولا یقل الامام

آمین ولا بأس بالرجل وحده ان یقول آمین"۔

(المدونۃ الکبریٰ جلد 1 صفحہ 71)

"امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مقتدی آہستہ آواز سے آمین کہے، اور امام آمین نہ کہے، البتہ جو شخص تنہا نماز پڑھ رہا ہو اس کے آمین کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں"۔

قال الشافعی رحمۃ اللہ علیہ "فاذا فرغ من قراءۃ ام القرآن قال آمین ورفع بها صوته ليقتدى به من كان خلفه و اذا قال قالوها و اسمعوا انفسهم ولا احب ان يجهر و ابها فان فعلوا فلاشئی علیهم"۔ (کتاب الام جلد 1 صفحہ 109)

"امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب امام سورۂ فاتحہ پڑھ چکے تو اونچی آواز سے آمین کہے تا کہ مقتدی بھی (سن کر آمین کہنے میں) امام کی اقتداء کریں اور جب امام آمین کہے تو مقتدی بھی آمین کہیں اور اپنے آپ کو سنائیں اور میں مقتدیوں کیلئے آمین بالجہر کو پسند نہیں کرتا، تاہم اگر وہ ایسا کرلیں تو ان پر کچھ لازم نہیں ہوگا"۔

تفسیر کبیر میں امام فخر الدین محمد بن عمر شافعی لکھتے ہیں:

قال ابو حنيفة رحمه الله اخفاء التامين افضل وقال الشافعی رحمه الله اعلانه افضل و احتج ابو حنيفة علیٰ صحةقوله قال فی قوله آمین وجهان احدهما انه دعاء و الثانی انه من اسماء الله تعالیٰ فان کان دعاء وجب اخفاءه لقوله تعالیٰ (ادعوا ربکم تضرعا و خفية) وان کان اسما من اسماء الله تعالیٰ و جب اخفاؤه لقوله تعالیٰ (و اذکر ربك فی نفسك تضرعا و خیفه) فان لم یثبت الوجوب فلا اقل من الند بیته و نحن بهذا القول نقول۔

(جلد 14 صفحہ 131)

''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آمین آہستہ آواز سے کہنا افضل ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اونچی آواز سے کہنا افضل ہے، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قول کی صحت پر استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ آمین کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ آمین دعا ہے، دوسری یہ کہ آمین اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے، اگر آمین دُعا ہے تو پھر اس کا اخفاء واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اُدعوا ربکم تضرعا و خفیۃ۔ تم لوگ اپنے پروردگار سے دُعا کیا کرو تذلل ظاہر کر کے اور چپکے چپکے، اور اگر آمین اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے تو بھی اس کا اخفاء واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے واذکر ربک فی نفسک تضرعا و خیفۃ۔ اور یاد کرتا رہ اپنے رب کو اپنے دل میں گڑگڑاتا ہوا اور ڈرتا ہوا اگر خفاء کا وجوب ثابت نہ بھی ہو تو کم از کم مندوب و مستحب ہونا تو ثابت ہوتا ہی ہے اور ہم بھی یہی قول کرتے ہیں۔ (کہ آمین آہستہ ہی کہنی چاہیے)''۔

غیر مقلدین کی ڈھٹائی، ضد اور بدزبانی کا کیا علاج؟:

لیکن قرآن وسنت، آثار صحابہ و تابعین اور اقوال آئمہ مجتہدین کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ آمین اونچی آواز سے کہنی چاہیئے اُونچی آواز سے آمین کہنا سُنّت ہے اور جو شخص اِن آیات و احادیث اور آثار صحابہ کے پیش نظر اُن سے کہے کہ بھائی آمین آہستہ آواز سے کہو تو وہ اسے تارک سنت سمجھ کر نفرت وحقارت سے دیکھتے ہیں حتیٰ کہ وہ اسے یہودی تک کہنے سے بھی گریز نہیں کرتے نیز وہ ایک آمین کے بجائے (مقلدین کی ضد میں) دو آمین کے بھی قائل ہیں۔ اس سلسلہ میں غیر مقلدین کی چند تحریرات ملاحظہ فرمائیے۔

یونس دہلوی صاحب لکھتے ہیں:

''مغرب و عشاء اور صبح کی نماز میں جب امام اور مقتدی سورۂ فاتحہ کی پچھلی

آیت کو ختم کر چکیں تو پہلے امام پھر مقتدی پکار کر آمین کہیں''۔الخ۔

(دستور المتقی صفحہ 111)

جماعت غرباء اہلحدیث کے سابق امام مفتی عبدالستار قمطراز ہیں:

''پس آج کل بھی جو نا عاقبت اندیش و فتنہ انگیز اونچی آمین سے چڑے اور کہنے والوں سے حسد رکھے وہ یقیناً یہودی ہے''۔

(فتویٰ آمین بالجہر صفحہ 34 بحوالہ اظہار التحسین صفحہ 16)

مولوی محمد صاحب جونا گڑہی یوں گوہر افشانی بلکہ زہر افشانی کرتے ہیں:

''خیر میرا مقصد یہ تھا کہ یہ نری یہودیت ہے کہ اپنے امام کی رائے قیاس پر بھروسہ کر بیٹھنا اور دینی امور میں شخصی تقلید کو کوئی چیز سمجھنا اور آمین کی آواز سے چڑنا''۔(دلائل محمدی جلد 2 صفحہ 37 بحوالہ اظہار التحسین صفحہ 16)

مولوی خالد گرجاکھی صاحب کے ابا جان مولوی نور محمد گرجاکھی صاحب یوں زہر اگلتے ہیں۔

''اے منکرین آمین اور آمین بالجہر سے روکنے والو سوچو کہ تم کس قدر بے نصیب اور نامراد ہو بلکہ اوروں کو بھی اس نعمت سے نامراد اور بے نصیب کرتے ہو''۔(اثبات آمین بالجہر صفحہ 113 مشمولہ استیصال التقلید)

یہی مولوی نور محمد صاحب اپنے رسالے میں آگے چل کر دل کی بھڑاس اس طرح نکالتے ہیں اور ایسی سوقیانہ زبان استعمال کرتے ہیں کہ پناہ بخدا، تبرابازی کی اس سے بدتر مثال شاید نہ پیش کی جاسکے۔ یہ صاحب حنفیوں اور یہودیوں میں مماثلت ثابت کرنے کیلئے لکھتے ہیں۔

1- یہودی آمین بالجہر سے جلتے تھے...... حنفی بھی آمین بالجہر سے جلتے ہیں۔

2- یہودی جمعہ پڑھنے سے حسد کرتے تھے...... حنفی بھی جمعہ کی تردید میں مضمون لکھتے ہیں۔

3- یہودی قبلہ پر حسد کرتے تھے...... حنفی بدعتی بغداد کی طرف منہ کر لیتے ہیں۔

4- یہودی صفوں کی درستی سے جلتے تھے ..... حنفی بھی پاؤں سے پاؤں ملانے سے جلتے ہیں۔

5- یہودی سلام سے حسد کرتے تھے ..... حنفی بھی محمدیوں سے سلام پسند نہیں کرتے۔

6- یہودی علماء ومشائخ کی تقلید کرتے تھے ..... حنفی بھی علماء ومشائخ کی تقلید کرتے تھے۔

7- یہودی لوگوں کو تقلید پر مجبور کرتے تھے ..... حنفی بھی عوام کو تقلید پر مجبور کرتے ہیں۔

8- یہودی اقوال احبار پیش کرتے تھے ..... حنفی بھی اقوال الرجال ہی پیش کرتے ہیں۔

9- یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کو چھوڑ کر گمراہ ہو گئے تھے ..... حنفی بھی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر صراط مستقیم بھول گئے۔

10- جو لوگ مسلمانوں کا امام کے پیچھے آمین کہنے پر حسد کریں گے وہ اس امت کے یہودی ہیں ..... حنفی لوگ مسلمانوں کا امام کے پیچھے آمین کہنے پر حسد کرتے ہیں لہٰذا یہی امت کے یہودی ہیں۔ (اثبات آمین بالجہر صفحہ 20)

حافظ عبداللہ روپڑی صاحب سے ایک سوال ہوا۔

سوال: حکم ہے کہ جب امام آمین کہے تو مقتدی بھی کہے۔ ایک مقتدی اس وقت جماعت میں شامل ہوا جب امام غیر المغضوب پڑھ چکا تھا تو وہ امام کے ساتھ آمین کہے یا پہلے الحمد پڑھے۔ (محمد علی خطیب جامع مسجد جنڈیالہ)

جواب: دونوں باتوں پر عمل کرے امام کے ساتھ بھی آمین کہے اور اپنی فاتحہ ختم کر کے بھی آمین کہے۔ الخ۔ (فتویٰ اہلحدیث جلد 1 صفحہ 393)

جماعت غرباء اہلحدیث کے امام مفتی عبدالستار سے بھی ایک ایسا ہی سوال ہوا، آپ نے جو اس کا جواب دیا مع سوال کے ملاحظہ فرمایئے۔

سوال: مسبوق نے امام کی اقتداء اس وقت کی کہ امام نصف الحمد پڑھ چکا تھا اور مقتدی نے الحمد شروع کی یہ نصف الحمد تک پہنچا تھا کہ امام نے ولا الضالین کو پڑھا تو مقتدی الحمد چھوڑ کر آمین کہے گا یا نہیں؟ اگر کہے گا تو دوبارہ کہنا لازم آئے گا ایک درمیان فاتحہ دوسرے بعد فاتحہ اور اگر نصف الحمد میں آمین کہے گا تو یہ تحریف لازم آئے

ی اور تحریف کلام اللہ میں حرام ہے اب کوئی ایسی حدیث ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ مسبوق الحمد پڑتا رہے آمین نہ کہے یا الحمد چھوڑ کر آمین کہے۔ (سید اللہ دتا نصیر آبادی)

جواب: اس کا نام تحریف نہیں اتباع امام ہے۔ امام کی متابعت کی وجہ سے اگر نصف الحمد میں آمین کہے اور پھر الحمد ختم کر کے بھی آمین کہے تو شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ الخ۔

(فتاویٰ ستاریہ جلد 1 صفحہ 130)

مقام غور اور حرفِ آخر:

یہ ہے غیر مقلدین حضرات کا طرز عمل کہ قرآن وحدیث سے ثابت شدہ ایک عمل (آہستہ آواز سے آمین کہنا) نہ صرف یہ کہ ان کے نزدیک صحیح نہیں بلکہ اس پر عمل کرنے والے اور اونچی آواز سے آمین نہ کہنے والے ان کے نزدیک اس قدر برے ہیں کہ یہودیوں سے جا ملے ہیں، العیاذ باللہ قارئین آپ نے غیر مقلدین کی تحریرات ملاحظہ فرمائیں غور کیجئے کہ آخر یہ تبرابازی کس پر کی جارہی ہے، یہ دشنام کسے دیا جارہا ہے کیا اس تبرابازی اور دشنام دہی سے اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ کو تکلیف نہ ہوگی کیونکہ آپ آہستہ آواز سے آمین کہتے تھے کیا خلفاء راشدین، صحابۂ کرام اور تابعین عظام، نیز ہزاروں لاکھوں بزرگان دین کی روحیں بے چین نہ ہوں گی کہ وہ خود بھی آہستہ آواز ہی سے آمین کہتے تھے اور دوسروں کو بھی آہستہ آواز ہی سے آمین کہنے کا مسئلہ بتلاتے تھے نقل کفر کفر نہ باشد کیا یہ سب آمین بالجہر سے چڑتے تھے اور کیا یہ سب معاذ اللہ یہودی تھے۔ (اذا فاتك الحياء فافعل ما شئت) ؎ بے حیا باش ہر چہ خواہی کن (حدیث اور اہل حدیث)

فاعتبروا یا اولی الابصار:

آخر میں ایک تاریخی واقعہ برائے عبرت ملاحظہ ہو۔

حالات وواقعات زمانہ جب ہم دیکھتے ہیں تو بڑی بڑی بھیانک تصویریں تاریخ میں نظر آتی ہیں۔ آپ دور مت جائیے تاتاریوں کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ وسط ایشیاء سے اٹھے جنگلی اور وحشی قوم تھی۔ مسلمان ریاستوں کو تاراج کر دیا۔ کم وبیش ایک

سو بائیس (122) یا ایک سو بیالیس (142) ایسے علمائے حق تھے جن کے مریدوں کے حلقے لاکھوں تک وسیع تھے، اور جو اللہ کے دین کی اشاعت کرتے تھے۔ جو تاتاریوں کے دربار میں پانجولاں شہید کئے گئے۔ جو لڑائیوں میں شہید ہوئے، شہروں کی تباہی میں تباہ ہوئے۔ بغداد ایک ایسا شہر تھا جو علم کا سمندر تھا اور بڑی بڑی لائبریریاں تھیں تاتاریوں نے دینی لائبریریاں اٹھا کر دریا برد کر دیں اور مورخ لکھتا ہے کہ چھ مہینے تک دجلہ کا پانی جب وہاں سے گزرتا تھا تو بڑی دور تک سیاہ ہو کر بہتا تھا چونکہ اُس زمانے میں آج کل کی طرح چھاپہ خانے نہیں تھے۔ روشنائی سے، قلم سے، اور ہاتھ سے کتابیں لکھی جاتی تھیں تو تاتاریوں نے اتنی کتابیں دریا برد کیں کہ چھ مہینے تک دجلہ جیسا عظیم دریا کا پانی سیاہ ہو کر بہتا رہا۔ تاتاریوں نے خون انسانی اتنا بہایا کہ ہر جرنیل شہر کو تباہ کرنے کے بعد اس کے باہر شہر پناہ کے باہر دروازے پر سروں کے مینار بنایا کرتا تھا کہ کس کا مینار اونچا ہے اور اس بے دردی سے قتل کرتے تھے کہ اگر کوئی حاملہ عورت قتل ہوتی تو اس کے پیٹ سے بچہ نکال کر اس کا بھی سر کاٹتے کہ چلو کچھ تو مینار میں یہ بھی کام دے گا۔ لیکن ہوا کیا، کیا اسلام مٹ گیا؟ جو جبر، جو بربریت، جو ظلم، تاتاریوں نے کیا۔ اس سے یہ نظر آتا تھا کہ اب اسلام کا نام لیوا کوئی باقی نہ رہے گا لیکن وہ ایسا قادر ہے کہ اس نے انہی تاتاریوں کو نور ایمان عطا کر دیا۔ مسلمانوں پر یہ قیامت کیوں ٹوٹی؟ ہماری طرح ان کے اعمال بگڑ چکے تھے۔ ان کے دلوں میں خلوص نہیں رہا تھا۔ کتابیں ہدایت کیلئے نہیں، مناظروں کیلئے اور ایک دوسرے کو شکست دینے کیلئے رہ گئی تھیں۔ اور جب تاتاری فوجیں بغداد شہر کا محاصرہ کئے ہوئے تھیں تو شہر کے اندر اس وقت بھی مولویوں میں کسی معمولی سی بات پر مناظرہ ہو رہا تھا۔ یعنی عالم یہ ہو گیا تھا کہ مسلمان فرقوں میں بٹ گئے تھے اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر آپس میں لڑنا، مناظرے کرنا، ایک دوسرے کو مارنا، ایک دوسرے کی مخالفت کرنا، جہاں کوئی کافر فوج آتی آدھے اس کے ساتھ مل جاتے آدھے مقابلے میں مار کھانے والے

ہوتے پھر ان کی باری آجاتی۔

خلیفہ بغدادی نے تاتاری سلطان کے ساتھ معاہدہ کیا کہ مجھے قتل نہیں کیا جائے گا تو میں شہر تمہارے حوالے کرتا ہوں۔اس کے وزیر نے ساز باز کی، تاتاریوں کو شہر کا راستہ بتایا اور بادشاہ سے بے وفائی کی۔اسے انہوں نے لالچ دیا تمہیں سلطان بنادیں گے۔لیکن جب شہر فتح ہو گیا سلطان کو تاتاری دربار میں لایا گیا تو تاتای سلطان نے حکم دیا کہ اسے قتل تو نہیں کرنا اسے کسی دری میں لپیٹ دو اور لاتیں مار مار کر اسے اتنا مارو کہ یہ مر جائے۔چونکہ ہم نے اسے تلوار سے قتل نہیں کرنا، اس سے وعدہ کیا ہوا ہے اور اس وزیر کو اس نے یہ کہہ کر قتل کروادیا کہ جس نے تجھے وزیر اعظم بنایا اور ساری سلطنت تیرے حوالے کی اس سے تو نے دھوکا کیا۔میں کس طرح تجھ پر اعتماد کرلوں اگر میں تجھ پر اعتبار کروں تو تو میرے ساتھ بھی دھوکا کرے گا۔اسے بھی قتل کرادیا گیا۔

لیکن اسلام مٹ گیا؟ نہیں۔علامہ مرحوم نے کہا تھا:

؎ پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

یہی تاتاری لشکر جب در بند پہنچا در بند چھوٹا سا شہر تھا حضرت خواجہ در بندی اپنے زمانے کے غوث تھے اور تنہا رہتے تھے۔ایک کمبل لپیٹ کر اللہ اللہ کرتے رہتے تھے۔ رات دن کم ہی گفتگو فرماتے تھے۔لوگ حاجات کیلئے جاتے تو آپ کوئی سا کاغذ جو اخبار کا تراشا یا کسی ڈبیا کا ٹکڑا یا کوئی پرزہ جو نظر آتا وہ اٹھا کر دے دیتے یہ پہن لو، یہ پی لو یہی تعویذ ہے اور اسی سے اللہ شفا دے دیتے تھے۔جب در بند لشکر پہنچا۔ہلاکو خان خود سربراہ تھا اور ہلاکو خان کا نام چنگیز کے بعد ہیبت کا نشان بن گیا تھا۔جنگل سے گزرتے تو جنگلی جانوروں تک کو قتل کر جاتے۔کسی پانی کے ذخیرے سے گزرتے تو اس میں زہر ڈال دیتے۔آبادیوں کی آبادیاں تاراج کر دیں۔جب در بند پہنچے تو تاتاریوں کے پہنچنے پر شہر خالی ہو جایا کرتے تھے تو شہر کی خبر لی گئی۔ایک جرنیل نے کہا کہ ایک بزرگ مسجد میں بیٹھا ہے اور اس کے ساتھ ایک بندہ ہے باقی شہر تو خالی ہو گیا

ہے ہلاکو خان نے حکم دیا اسے گرفتار کر کے لاؤ۔ جب گرفتار کر کے لائے گئے تو ہلاکو نے پوچھا کہ آپ کس جرات پر شہر میں بیٹھے رہے؟ انہوں نے کہا: شہر میں نہیں، اللہ کے گھر بیٹھا رہا۔ میری عمر وہیں بسر ہو رہی ہے۔ میرا مسکن اللہ ہی کا گھر ہے، وہی میری پناہ ہے۔ اور میں اللہ کے گھر بیٹھا تھا۔ مجھے غیر اللہ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے کسی ہلاکو وغیرہ کو میں نہیں جانتا۔ میں تو اسے جانتا ہوں جو سب کا خالق ہے اور جس کے دست قدرت میں سب کی جان ہے۔ معروف تاریخی واقعہ ہے ہلاکو نے کہا کہ تمہیں بیڑیاں اور زنجیریں لگی ہوئی ہیں اور تم اتنی بڑھ کر بات کر رہے ہو تو خواجہ محمد دربندی نے ایک دفعہ ان زنجیروں کی طرف دیکھ کر فرمایا: اللہ۔ اور ساری زنجیریں ڈھیر ہو گئیں۔ فرمایا: مجھے کوئی زنجیر کسی کا قیدی نہیں بنا سکتی۔ تم مجھے زنجیروں میں نہیں باندھ سکتے۔ حیرت ناک واقعہ یہ ہے کہ ہلاکو ان کا امیر تھا، لشکر کا سالار تھا، جرنیل تھا، اور تاتاریوں میں ہلاکو کا بڑا نام تھا تو اس نے غصے سے کہا کہ زہر کا پیالہ لایا جائے اور انہیں میرے سامنے زہر پلایا جائے۔ زہر کا پیالہ لایا گیا جب انہیں پیش کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور پورا پیالہ پی لیا۔ فرمایا: میرے لیے تو اس میں کوئی زہر نہیں ہے۔ یہ زہر تمہارے لیے ہو سکتا ہے مجھے تو اس سے راحت ملی ہے۔ تو ہلاکو نے آگ جلانے کا حکم دیا جو اس کے آفیسرز تھے یا جرنیل تھے ان کو بلا لیا اور فوج کو جمع کر لیا کہ سب کے سامنے انہیں آگ میں ڈالا جائے ان کو بھی اور ان کے ساتھی کو بھی باندھ کر آگ میں پھینک دو۔ مورخ لکھتا ہے کہ جب انہیں آگ میں پھینکا گیا تو آگ اس طرح بھاگی جس طرح کوئی بڑا جانور۔ کوئی دیوار گرتی ہے اور اس کے ساتھ کوئی جانور بندھا ہو تو وہ رسے تڑوا کے بھاگتا ہے اس طرح آگ اپنی جگہ چھوڑ کر بھاگی، جہاں وہ گرے وہ جگہ صاف تھی اور آگ آگے بھاگی۔ اس کا سارا لشکر اسے چھوڑ کر بھاگ اٹھا، تو ہلاکو اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے کہا: مجھے اس خدا کا پتہ بتاؤ جس کو تم مانتے ہو۔ چنانچہ اسی لمحے ہلاکو نے اسلام قبول کر لیا۔ یورپ کے عیسائی مسلمانوں کا

قتل عام کر کے شادیانے بجا رہے تھے کہ ہم نے یورپ کو مسلمانوں سے پاک کر دیا ہے اور وہی ہلاکو (ایک ولی اللہ مقلد کی نظر رحمت سے) اسلام کا جھنڈا اٹھا کر یورپ میں داخل ہو رہا تھا، اس پر اقبال نے کہا: ؎ پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

فاعتبروا یا اولی الابصار۔ (ماہنامہ الرشد، اگست 2006ء)

و الحمد للّٰہ القادر العلیم الفاطر الحکیم الجواد الکریم الرب الرحیم منزل الذکر الحکیم و القرآن العظیم، علی المبعوث بالدین القویم و الصراط و علی مشرف الرسل باشرف الکتب و الکتاب محمدن النبی الامی العربی الامین وعلی الہ ھداۃ المھتدین و اصحابہ الاخیار المنتخبین وسلم تسلیما کثیرا۔

(سورۂ فاتحہ کا آخری اور دسواں درس بتاریخ 06-08-08 بعد نمازِ مغرب تا عشاء بمقام چاندنی مسجد ریگل چوک، لاہور)

مآخذ ومراجع

نمبر شمار	نامِ کتاب ومصنف

﴿آ﴾

1 آبِ حیات از مولوی قاسم نانوتوی

﴿ا﴾

2 اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ از شیخ عبدالحق دہلوی

3 اخبار الاخیار از شیخ عبدالحق دہلوی

4 الاستیعاب از یوسف بن عبداللہ

5 اظہار التحسین از مفتی عبدالستار (غیر مقلّد)

6 اثبات آمین بالجہر از نور محمد گرجاکھی (غیر مقلّد)

7 احکام القرآن للجصّاص

8 الامن والعلیٰ لناعتی المصطفیٰ از اعلیٰ حضرت بریلوی

9 انباء الاذکیاء فی حیات الانبیاء از امام سیوطی

10 احیاء العلوم از امام غزالی

11 ابوداؤد شریف از امام سلیمان بن اشعث

12 احسن الوعاء

13 اسرار الفاتحہ

14 استیصال التقلید

﴿ب﴾

15 بہارِ شریعت از مولانا امجد علی اعظمی
16 براہینِ قاطعہ از مولوی خلیل انبیٹھوی
17 بہشتی زیور از مولوی اشرف علی تھانوی
18 البدایہ والنہایہ لابن کثیر
19 البنایہ فی شرح الھدایہ

﴿ت﴾

20 تفسیر جامع البیان لابن جریر طبری
21 تفسیر کبیر (مفاتیح الغیب) للرازی
22 تفسیر روح المعانی للآلوسی
23 تفسیر قرطبی از محمد بن احمد قرطبی
24 تفسیر بینات القرآن از قاری محمد طیب نقشبندی
25 تفسیر مظہری از قاضی ثناء اللہ پانی پتی
26 تفسیر نعیمی (اشرف التفاسیر) از مفتی احمد یار خان نعیمی
27 تفسیر در منثور للامام السیوطی
28 تفسیر معالم التنزیل از امام بغوی
29 تفسیر خازن از علی بن محمد الخازن
30 تفسیر قادری ترجمہ تفسیر ابن عباس للبدایونی
31 تفسیر روح البیان للحقی
32 تفسیر القرآن العظیم (تفسیر ابن کثیر) لابن کثیر

33 تفسیر عثمانی از مولوی شبیر احمد عثمانی

34 تفسیر بیضاوی از قاضی عبداللہ بیضاوی

35 تفسیر جلالین للسیوطی

36 تفسیر صاوی از احمد بن محمد صاوی مالکی

37 تفسیر عزیزی از شاہ عبدالعزیز دہلوی

38 تفسیر ضیاء القرآن از پیر محمد کرم شاہ

39 تبیان القرآن از علامہ غلام رسول سعیدی

40 تفسیر مظہر العجائب

41 تفسیر حقائق التنزیل فی دقائق التاویل

42 تذکرۃ الرشید از عاشق الٰہی میرٹھی

43 تاریخ طبری از ابو جعفر محمد بن جریر طبری

44 تحذیر الناس از مولوی قاسم نانوتوی

45 تقویۃ الایمان از مولوی اسماعیل دہلوی

46 التقریرات فی شرح المرقات از علامہ محمد اشرف

47 التفسیرات الاحمدیہ فی بیان الآیات الشرعیہ لملا جیون

48 تاج العروس للزبیدی

49 تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین از اعلیٰ حضرت بریلوی

50 تذکرۃ الاولیاء از شیخ فرید الدین عطار

51 تحفہ اثنا عشریہ از شاہ عبدالعزیز دہلوی

52 تلاوۃ القرآن مجید

53 تذکرۃ الموتیٰ

54 تنبیہ الغافلین از امام ابو اللیث ثمرقندی

﴿ج﴾

55 الجامع لاحکام القرآن للقرطبی
56 الجوہرالمنظم از ابن حجر مکی
57 الجامع للترمذی
58 الجوہرالنقی
59 جواہرخمسہ

﴿ح﴾

60 حدیث اوراہلِ حدیث از انوار خورشید
61 حفظ الایمان از مولوی اشرف علی تھانوی
62 حیات الحیوان الکبریٰ از علامہ کمال الدین دمیری
63 حاشیہ طحطاوی علی الدرالمختار از سید احمد طحطاوی
64 حدائق بخشش از اعلیٰ حضرت بریلوی

﴿خ﴾

65 خلاصۃ الفتاویٰ از طاہر بن احمد عبدالرشید البخاری

﴿د﴾

66 درمختار للحصکفی
67 دلائل الخیرات شریف از عبدالرحمٰن جزولی
68 دلائل النبوۃ للبیہقی
69 دلائل النبوۃ لابی نعیم
70 دو تحقیقی مقالے (مسئلۂ توحید وشرک) از غلام حسن قادری

71 دلائل محمدی از محمد جونا گڑھی (غیر مقلد)

72 دستور المتقی از یونس دہلوی

73 دیلمی

74 دیوان نفح الطیب

﴿ ر ﴾

75 رسالہ قشیریہ از ابوالقاسم عبدالکریم بن ھوازن قشیری

76 روضۃ الاصفیاء

﴿ س ﴾

77 سنن نسائی از احمد بن شعیب بن علی النسائی

78 سنن دارمی از امام محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی

79 سنن دارقطنی از علی بن عمر دارقطنی

80 السنن لابن ماجہ

81 سبیل الجنان ترجمہ تکمیل الایمان

﴿ ش ﴾

82 شرح السنہ للبغوی

83 الشہاب الثاقب از حسین احمد مدنی

84 شمس المعارف از شیخ احمد بن علی بونی

85 شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور للسیوطی

﴿ ص ﴾

86 الصحیح للبخاری

87 الصحیح للمسلم
88 الصحیح لابن خزیمہ
89 صراطِ مستقیم از مولوی اسماعیل دہلوی
90 صحاح الجوہری از اسماعیل بن حماد الجوہری

﴿ط﴾

91 الطیبی

﴿ع﴾

92 عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری از امام بدر الدین عینی حنفی
93 عمل الیوم واللیلۃ لابن سنی

﴿ف﴾

94 فردوس الاخبار
95 فیض القدیر شرح الجامع الصغیر للمناوی
96 فتاویٰ ستاریہ از مولوی عبد الستار
97 فتح الباری شرح البخاری از ابن حجر عسقلانی
98 فتاویٰ عالمگیری از جمعیت علماء اورنگزیب عالمگیر

﴿ق﴾

99 قصیدہ نعمان بن ثابت از امام ابوحنیفہ
100 قصیدہ بردہ شریف از امام شرف الدین بوصیری
101 قصیدہ اطیب النغم از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
102 قصیدہ قاسمیہ از مولوی قاسم نانوتوی

103 قصیدہ عنبریہ از نواب صدیق حسن بھوپالی

104 قصیدہ غوثیہ از غوث اعظم

105 قوت الاخیار شرح نور الانوار از مولوی جمیل احمد سکروڈوی

106 القاموس المحیط لمجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی

107 قلیوبی

﴿ک﴾

108 کتاب الامّ للشافعی

109 کشف النظر فی کتاب النشر فی القرات العشر از امام جزری

110 کشف الغمہ للشعرانی

111 الکامل لابن عدی

112 کنز العمال للمتقی

113 کتاب الآثار للامام ابی حنیفہ بروایت الامام محمد

114 کتاب التعریفات از میر سید شریف جرجانی

115 کیمیائے سعادت للغزالی

116 کتاب النصائح

﴿گ﴾

117 گلستانِ سعدی از شیخ سعدی

﴿ل﴾

118 لُباب النقول فی اسباب النزول للسیوطی

119 لسان العرب از ابوالفضل محمد بن مکرم انصاری

120 لمعان صوفیہ

﴿م﴾

121 مسند الفردوس

122 المجالس السنیہ

123 المؤطا للامام مالک

124 مشکوٰۃ المصابیح للتبریزی

125 المستدرک للحاکم

126 مراۃ شرح مشکوٰۃ از مفتی احمد یار خان نعیمی

127 معارج النبوۃ از ملا معین الدین کاشفی

128 منہاج النبوۃ شرح مدارج النبوۃ

129 مدارج النبوۃ از شیخ عبدالحق دہلوی

130 ملفوظات مرزا مظہر

131 مکتوبات شریف از مجدد الف ثانی

132 المفردات للراغب الاصفہانی

133 المسند لاحمد بن حنبل

134 مسند ابی یعلیٰ از احمد بن علی تمیمی

135 موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان

136 مجمع الزوائد للہیثمی

137 مثنوی از مولانا روم

138 ماہنامہ المرشد اگست 2006ء

139 مصنف از ابن ابی شیبہ

140 مظاہر حق للشیخ عبد الحق

141 منحۃ المعبود فی ترتیب مسند الطیالسی ابی داؤد

142 المحلٰی لابن حزم

143 معجم کبیر للطبرانی

144 المصنف للصنعانی

145 المجموع شرح المہذب

146 المدونۃ الکبریٰ از ابن سعید تنوخی مالکی

147 مواہب لدنیہ از امام احمد قسطلانی

﴿ن﴾

148 نظم الدارار ز ابوالحسن ابراہیم بن عمر البقاعی

149 النضید فی اخلاص کلمۃ التوحید للشوکانی

150 نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب از مولوی اشرف علی تھانوی

151 النہایہ لابن اثیر والسغناقی

152 نسیم الریاض شرح الشفاء للخفاجی

153 ندائے یا رسول اللہ از علامہ عبد الحکیم شرف قادری

154 نور الانوار شرح منار لملا جیون

155 نبراس بر شرح عقائد از علامہ عبد العزیز پرہاروی

156 نزہۃ المجالس للصفوری

﴿و﴾

157 وظیفہ از مولوی احمد علی لاہوری

158 واضح البراہین از محمد بن عبد الوہاب نجدی

159 وعظ بے نظیر از ضمیر الدین چاٹگامی

﴿ہ﴾

160 ہمعات از شاہ ولی اللہ دہلوی
161 ہدیۃ المہدی از علامہ وحید الزمان

﴿ی﴾

162 یوسف زلیخا از عبد الرحمٰن جامی

شان مصطفیٰ بزبان مصطفیٰ

مقام غوث اعظم

شرح کلام رضا فی نعت المصطفیٰ
المعروف
شرح حدائق بخشش

گلستان سعدی

بوستان سعدی